حقوق نبی اور سیرت رسول ﷺ پر ایک مستند کتاب



جلد دوم

الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

نعیم العطاء فی حدیث المجتبیٰ ﷺ

مع تخریج الاحادیث

مصنف

ابو الفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

موضوع کتاب	حقوق نبی ﷺ وسیرت رسول ﷺ
نام کتاب عربی	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ
نام اردو ترجمہ	نعیم العطاء فی احادیث المجتبیٰ ﷺ
نام مصنف	ابوالفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ
نام مترجم	حضرت الحاج مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ جدید	سبحان گرافکس اینڈ کمپوزنگ سنٹر لاہور
پروف ریڈنگ اردو	احمد رضا
سن اشاعت	19 ذوالحجہ 1424ھ بمطابق 12 فروری 2004ء
صفحات جلد دوم	320
ہدیہ	275 روپے

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ لاہور

092-42-7247301

E-mail: ajmalattari20@hotmail.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست الشفاء جلد دوم

چوتھا باب

قسم سوئم

پہلا باب

[1] یہ سرخیاں محشی ہیں اصل کتاب میں سرخی نہیں دی گئی لیکن مذکورہ صفحات پر یہ مضمون ہے۔

دوسرا باب

قسم چہارم

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الشفاء ختم شد

قسم دوئم

حضور سید عالم ﷺ کے کون سے حقوق امت پر واجب ہیں؟

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ انہیں توفیق مرحمت فرمائے' کہتے ہیں کہ اس حصہ (دوم) کو ہم نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جیسا کہ شروع کتاب میں اس کا تذکرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ ان تمام بابوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی تصدیق کا وجوب اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع و فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی محبت و خیر خواہی اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم اور آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی لازم ہے اور یہ کہ آپ ﷺ پر درود شریف (صلوٰۃ وسلام) پڑھنا اور آپ ﷺ کی قبر انور (روضۂ مقدسہ' گنبد خضراء) کی زیارت (ہر مسلمان پر) واجب و ضروری ہے۔

پہلا باب

یہ کہ حضور سید عالم ﷺ پر ایمان لانا فرض اور آپ کی اطاعت اور سنت کا اتباع واجب ہے۔

جبکہ ہم (حصہ اول میں) حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کا ثبوت اور آپ ﷺ کی رسالت کی صحت ثابت کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو (شریعت) آپ ﷺ لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا واجب ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْۤ اَنْزَلْنَا ؕ (پ۲۸ التغابن ۸)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (پ۲۶ الفتح ۹-۸)

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر اور ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ...... (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ. (پ۹ الاعراف ۱۵۸)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے (نبی) پر۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اب نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانا (ہر بندے پر) فرض عین ہے اور یہ جب ہی

کامل ہوگا کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اسلام اس وقت تک صحیح ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایمان کامل نہ ہو۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○ (پ ۲۶ الفتح ۱۳)

اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: حضرت ابوہریرہ ؓ سے بالاسناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال (جہاد) کروں جب تک کہ وہ گواہی نہ دیں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مجھ پر اس طرح ایمان لائیں کہ جو کچھ میں لایا ہوں اس کی تصدیق کریں، جس وقت انہوں نے ایسا کر لیا اس وقت انہوں نے مجھ سے اپنا جان و مال بچا لیا سوائے ان حقوق کے جن کا حساب و کتاب اللہ ﷻ پر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ جلد ۲ صفحہ ۹۱، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۳، ۵۲، ۵۱)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ، اللہ ﷻ انہیں توفیق دے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی یہ تصدیق کرے کہ یہ آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی طرف سے ہے اور یہ کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ آپ نے فرمایا ہے اس کی بھی تصدیق کرے۔

تصدیق قلبی کے مطابق اس کی زبان سے شہادت ہو کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ جس وقت دل کے ساتھ تصدیق اور زبان کے ساتھ اس کی شہادت جمع ہو گئی تب اس کا ایمان مکمل ہوگا اور تصدیق درست ہوگی۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت نہ دیں۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۱، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳)

اور حدیثِ جبریل ؑ میں اس سے زیادہ وضاحت ہے جبکہ جبریل ؑ نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اسلام یہ ہے کہ) شہادت دے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ارکان اسلام کو بیان فرمایا۔

پھر جبریل ؑ نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے ساتھ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں پر ایمان لائے۔ (آخر حدیث تک) (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایمان محتاج ہے کہ دل میں اس کی مضبوط گرہ بٹھائی جائے اور اسلام یہ ہے کہ زبان سے اس کی شہادت دی جائے۔ تکمیل وصحت ایمان کے لئے بھی حالت محمود ومختار ہے لیکن یہ حالت نہایت مذموم اور بری ہے کہ زبان سے تو شہادت دے اور دل اس کی تصدیق سے خالی ہو۔ اس کا نام نفاق ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ O

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (پ ۲۸ منافقون ۱) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی یہ منافقین زبان سے اس کی تصدیق واعتقاد کے اظہار میں جھوٹے ہیں کیونکہ وہ (دل سے) اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب ان کے دلوں نے اس کی تصدیق نہیں کی جو ان کی زبانوں پر ہے کہ دل اس پر ایمان لانے سے عاری ہیں تو ان کا یہ زبانی اقرار کچھ نفع نہ دے گا۔ لہٰذا ایمان کی تعریف سے یہ خارج ہیں۔ ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے۔ جب وہ مومنین کے ساتھ نہیں ہیں تو ان کا شمول جہنم کے نچلے درجہ میں کافروں کے ساتھ ہوگا۔ البتہ دنیا میں زبان سے اقرار کی وجہ سے ان کے اسلام کا حکم دیا جائے گا یہ بھی صرف دنیاوی معاملات کی حد تک جو امام وحاکم سے متعلق ہے کہ امام وحاکم صرف ان کی ظاہری حالت پر حکم دینے کا مجاز رکھتے ہیں جس طرح پر بھی اسلام کی علامتوں کا ظاہری طور پر ان سے اظہار ہو۔ کیونکہ انسان کو دل کے بھیدوں پر اختیار نہیں اور نہ انہیں ان سے بحث کی اجازت دی گئی بلکہ نبی کریم ﷺ نے ضمیروں اور ان کے بھیدوں پر حکم دینے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس کی مذمت فرمائی ہے اور فرمایا کہ هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ کیا تو نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا ہے؟ (صحیح بخاری کتاب المغازی صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۹۶، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۲۹۸)

زبانی اقرار اور دل سے اعتقاد کا فرق حدیث جبریل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ شہادت یعنی زبانی اقرار اسلام ہے اور تصدیق یعنی دل سے اس کا اعتقاد ایمان ہے۔ اب دو ایسی حالتیں اور باقی رہ گئیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں۔

ایک تو یہ کہ دل سے تصدیق کرے پھر وہ قبل اس کے کہ زبانی شہادت دینے کے لئے اس کو

وسیع وقت ملے فوت ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو ایمان کامل کے لئے قول وشہادت کو شرط مانا ہے اور بعض نے ایسے شخص کو مومن و مستحق جنت خیال کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کہ دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۷۲)

آپ ﷺ نے دل کی بات کے سوا کچھ مزید ذکر نہ فرمایا۔ ایسا شخص دل کا مومن ہے جو کہ نہ تو گنہگار ہے اور نہ اس کے غیر (یعنی زبانی شہادت) کے ترک پر قصوروار ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات بالکل صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ دل سے تصدیق کرے اور اس کو مہلت بھی ملے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی شہادت (زبانی اقرار) بھی ضروری ہے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا اور نہ اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی اس کی شہادت دی۔ تو اس صورت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک روایت کے بموجب وہ مومن ہے کیونکہ وہ (دل سے) مُصَدِّقْ وَ مُعْتَقِدْ ہے اور (زبانی) شہادت اعمال کے قبیل سے ہے لہٰذا وہ ترکِ شہادت (زبانی) کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور دائمی جہنم کا سزاوار نہ ہوگا۔

اور دوسری روایت کے بموجب وہ مومن نہیں ہوگا جب تک زبانی اقرار وشہادت، تصدیق قلبی کے ساتھ متصل و مقارن نہ ہو اس لئے شہادت و اقرار زبانی انشاء عقد اور التزام ایمان (یعنی ظاہری حالت کو باطن کے اعتقاد کے مطابق بنانے) کا نام ہے اور وہ عقد یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ مربوط ہے اور تصدیق اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ مہلت وسعت ہوتے ہوئے شہادت کا اظہار نہ کرے۔ یہی قول صحیح ہے۔ (یہی صاحب کتاب قاضی عیاض رحمہ اللہ کا مذہب ہے)

یہ مختصر وضاحت کلام کافی ہے جو اسلام و ایمان اور ان دونوں کے ابواب اور دونوں کی زیادتی و کمی کی وسعت و طوالت تک بھی لے جاتا ہے اور کیا مجرد تصدیق پر تجزی و تقسیم ممتنع و محال ہے کہ اس میں اجمال و اختصار صحیح نہ ہو حالانکہ عمل میں وہ اس سے زیادہ ہی کی طرف راجع ہے یا اس میں اس کی قوت و یقین میں، اس کی صفات میں اختلاف اور اس کے حالات میں تباین اور اعتقاد میں پختگی اور معرفت میں وضاحت، کسی حالت کا دوام اور حضور قلب وغیرہ پیش آجاتے ہیں یہ ایک وسیع کلام ہے جو کہ مقصد وغرض تالیف سے باہر ہے اور جس قدر کہ ہم نے ذکر کر دیا وہ ہمارے مقصد کے لئے ازبس کافی ہے۔ انشاء اللہ عزوجل

پہلی فصل

آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض، آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع

حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا لازم و واجب ہونا (اس طرح پر ہے کہ) جب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ (شریعت اسلامیہ) لائے اس کی تصدیق کرنا واجب ہو گیا تو آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری بھی فرض ہو گئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انہیں چیزوں میں سے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَہٗ. (پ۵ النساء ۵۹) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اور ارشاد ہوا کہ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ (پ۳ آل عمران ۳۱) تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (پ۴ آل عمران ۱۳۲) اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا. (پ۱۸ النور ۵۴) اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو راہ پاؤ گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (پ۵ النساء ۸۰) جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (پ۲۸ الحشر ۷) اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ. اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا۔ (پ۵ النساء ۶۹) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(پ۵ النساء ۶۴) (ترجمہ کنزالایمان)

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ) اللہ ﷻ نے اپنے رسول (سید عالم ﷺ) کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ شامل کیا اور آپ ﷺ کی نافرمانی پر بڑے عذاب سے ڈرایا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ہر حکم کو بجالانا اور آپ ﷺ کی ہر ممانعت سے اجتناب کرنا اور بچنا فرض ہے۔

مفسرین کرام اور ائمہ عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ آپ کی سنت کو لازم پکڑا جائے اور جو کچھ آپ احکام (امر ونواہی) لائے ہیں اس کے لئے سر تسلیم خم کیا جائے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ ہر رسول علیہ السلام کو اسی لئے بھیجتا ہے کہ اس کی اطاعت اور جو کچھ اس کی طرف بھیجا جائے وہ سب امت پر فرض بن جائے۔

مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول کی اس کی سنت میں فرمانبرداری کی اس نے اللہ ﷻ کی فرائض میں اطاعت کی۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے "شرائع اسلام" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ رسول ﷺ دیں اس کو لازم پکڑلو۔

(فقیہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اللہ ﷻ کی اطاعت سے اس کے فرائض اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ان کے سنت کی بجا آوری مراد لی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت کرو اس چیز میں جس کو تم پر اس نے حرام کیا ہے اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اس میں جس کی انہوں نے تبلیغ و دعوت دی اور یہ بھی مروی ہے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ سے مراد اللہ ﷻ کی ربوبیت کی شہادت اور نبی کی (اطاعت سے مراد) اس کی رسالت و نبوت کی شہادت ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی

بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر (قائم مقام) کی اطاعت کی یقیناً اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۰، صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۶)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ) رسول ﷺ کی اطاعت اللہ ﷻ کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ پس آپ ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ذریعہ حکم دیا ہے اس کو بجالایا جائے۔ یہی اللہ ﷻ کی اطاعت ہے۔

اللہ ﷻ نے کفار کا وہ مقولہ نقل فرمایا ہے جبکہ طبقات جہنم میں ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا اس وقت کفار کہیں گے:

يَالَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ اے کاش کہ ہم نے اللہ کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری کی ہوتی۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۶۶)

پس کفار ایسے وقت میں آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا کریں گے جب کہ ان کی یہ تمنا کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے باز رہو اور جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اس کو حد استطاعت تک بجالاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ جلد ۷، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۷)

حضرت ابوہریرہ ؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کا ہر ایک فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ کرام ؓ نے دریافت کیا: وہ کون انکار کرنے والا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے بیشک اس نے میرا انکار کیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، مستدرک کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۵)

دوسری صحیح حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میری مثال اور اس چیز کی (مثال) جس کے ساتھ اللہ ﷻ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے۔ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں نجات کی تلاش کرو۔ اس پر ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی راتوں رات مہلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے اور نجات پاگئے اور دوسرے گروہ نے جھٹلایا۔ انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی تو صبح کے وقت

ان پر لشکر نے چھاپا مارا اور ان کو ہلاک وتباہ کر دیا۔

اسی طرح یہ مثال ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لایا اس کا اتباع کیا (وہ نجات پا گیا) اور یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو میں لایا ہوں اس کی حقانیت کی تکذیب کی تو وہ تباہ و ہلاک ہوا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

دوسری حدیث میں اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ جیسے کسی نے ایک گھر بنایا اور اس میں ضیافت کے عمدہ کھانے تیار کئے اور ایک پکارنے والے (داعی) کو بھیجا جو داعی کی پکار کو قبول کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو اس نے عمدہ سامان ضیافت کو کھایا اور جس نے داعی کی آواز پر کان نہ دھرے تو نہ وہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ عمدہ ماکولات و مشروباتِ ضیافت سے کچھ کھا سکے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۳۷۱)

(سو) وہ گھر جنت ہے اور داعی سید عالم ﷺ ہیں پس جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی اطاعت کی اور جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر کان نہ دھرے اور نافرمانی کی وہی اللہ ﷻ کا نافرمان ہے کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس لوگوں میں (حق و باطل) کی تفریق کرنے والی ہے۔

دوسری فصل

وجوب اتباع وتعمیل سنت کا کتاب وسنت سے ثبوت

لیکن آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی سنت بجالانے اور آپ ﷺ کی ہدایت کی اقتداء کرنے کے وجوب میں (دلائل یہ ہیں) کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.	اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔
(پ۳ ال عمران ۳۱)	(ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. (پ ۹ الاعراف ۱۵)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے (نبی) پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا. (پ ۵ النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں (یونہی) کہا جاتا ہے کہ سَلَّمَ یعنی سپرد کیا' اِسْتَسْلَمَ سپردگی چاہی اور اَسْلَمَ اطاعت وانقیاد کے ساتھ سر جھکا دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ. (پ ۲۱ الاحزاب ۲۱)

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھی پیروی تھی' اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسوۂ رسول ﷺ یہ ہے کہ ان کی اقتداء اور ان کی سنت کی پیروی کی جائے اور ان کی مخالفت خواہ قولی ہو یا فعلی اس کو ترک کر دیا جائے۔ بکثرت مفسرین یہی معنی بیان کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے والے (مخلفین) پر عتاب ہے۔

آیۂ کریمہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی مراد ہے۔ پس اللہ ﷻ نے اس کا حکم دیا اور آپ کی ہدایت کے اتباع پر وعدہ فرمایا کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ. (پ ۲۶ الفتح ۲۸)

جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تاکہ آپ ﷺ مسلمانوں کو پاک کریں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمادیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں سے اپنی محبت کا وعدہ کیا اور جب آپ ﷺ کی وہ اتباع کریں تو ان کی مغفرت کا مژدہ دیا اور مسلمان اپنی خواہشوں پر اور ان پر بھی جن کی طرف ان کے دل

مائل ہوں (آپ کا اتباع کریں گے) بلاشبہ مسلمانوں کے ایمان کی صحت آپ ﷺ کی انقیاد و اطاعت پر اور اس کی رضا آپ ﷺ کے حکم کی متابعت اور آپ ﷺ پر اعتراض کے ترک پر موقوف ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اللہ ﷻ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس وقت اللہ ﷻ نے نازل فرمایا کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ. (پ۳ ال عمران ۳۱) فرمایا اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو (ترجمہ کنزالایمان)

(تفسیر درمنثور سورہ ال عمران آیت ۳۲ جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ ﷻ کے (معاذ اللہ) بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی اللہ ﷻ کے بڑے چاہنے والے ہیں۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ ﷻ کو چاہتے ہو یعنی اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہو تو جو وہ حکم دیتا ہے اس کو کرو۔ اس لئے کہ بندے کا اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنا یہی ہے کہ وہ دونوں کی فرمانبرداری اور پیروی کرے اور اللہ ﷻ کی رضا اسی میں ہے کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے یا یہ کہ

اللہ ﷻ کی محبت مسلمانوں کے لئے ہو۔ سو یہ ان کی بخشش اور ان پر انعام و اکرام اپنی رحمت و کرم سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے محبت یہ ہے کہ وہ بندے کو (معاصی سے) بچائے اور توفیق (عبادت کی) دے اور بندوں کی محبت اللہ ﷻ سے یہ ہے کہ اس کی پیروی و اطاعت کرے۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ

تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ ۔۔۔ هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ

یعنی تو اللہ ﷻ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ بات میری زندگی میں قیاس میں انوکھی ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ ۔۔۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی ضرور اطاعت کرتا۔ بیشک محب جس سے محبت کرے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ بندے کی محبت اللہ ﷻ سے یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی عظمت و تکریم کرے اور اس سے خوفزدہ رہے اور اللہ ﷻ کی محبت بندے سے یہ ہے کہ اس کی رحمت اس پر ہو اور اس کا ارادہ

بھلائی سے ہواور کبھی یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اللہ ﷻ بندے کی تعریف وتوصیف کرے۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پس جبکہ محبت کے معنی رحمت' ارادت اور تعریف ومدح کے ہوں تو یہ ذات کی صفات میں شامل ہوگیا

اور عنقریب بعد میں بندے کی محبت کے ذکر میں اللہ ﷻ کی مدد سے ان کے علاوہ باتیں آئیں گی۔

حدیث: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے موعظۂ نبی کریم ﷺ کی حدیث بالا سناد مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِيْنَ عَضَوُّا عَلَيْهَا بِالنَّوَ جِذِ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو

(سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۱۵۱۔۱۵۰ مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۹۷۔۹۵)

(دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ ہر محدث بدعت (سیئہ) ہے اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنی جابر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۲)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضور ﷺ سے مروی ہے کہ (حضور نے یہ غیبی خبر ارشاد فرمائی کہ) خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہے (کیونکہ وہ اپاہج ہوگا) کہ اس کے پاس میرا حکم آئے جس کو میں نے حکم کیا ہو یا اس سے باز رہنے کا حکم کیا ہو اس پر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہم نے کتاب اللہ ﷻ میں نہیں پایا کہ ہم اس کا اتباع کریں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۲ سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ مقدمہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۷)

نوٹ: یہ فرمان نبوت حضور ﷺ کا ایک غیبی معجزہ ہے۔ جو ہو بہو ایسا ہی واقعہ ہوا کہ قریب ایام میں ایک منکر حجیت حدیث عبداللہ چکڑالوی پیدا ہوا جو اپاہج اور تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی کچھ کہتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا (مترجم)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا کہ اس میں رخصت تھی تو اس سے باز رہنے کی بابت (یعنی نہ کرنے پر) ایک قوم نے پوچھا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچی تو آپ نے اللہ ﷻ کی حمد کرتے ہوئے فرمایا کہ

لوگوں کا کیا حال ہے کہ جس کام کو میں نے کیا ہے اس سے باز رہے ہیں۔ اللہ ﷻ کی قسم!

مجھے ان کی نسبت اللہ ﷻ کی زیادہ معرفت ہے اور مجھے اللہ ﷻ کا بہت خوف (خشیت) ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۹)

حضور سید عالم ﷺ سے مروی ہے کہ قرآن اس شخص پر بہت سخت ہو جاتا ہے اور وہ مشکل میں پڑ جاتا ہے جو اس سے کراہت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ حَکَم (فیصلہ) کرنے والا ہے پس جو شخص میری حدیث سے حجت پکڑے اور اس کو سمجھے اور یاد رکھے تو وہ (بروز حشر) قرآن کے ساتھ اٹھے گا اور جو شخص قرآن اور میری حدیث کے ساتھ سستی واہانت کرے وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ورسوا ہے۔

میں اپنی امت (مستجاب) کو حکم دیتا ہوں کہ وہ میری حدیثوں کو (حجت جان کر) مضبوط تھامے اور میرے حکم کی اطاعت کرے اور میری سنت کا اتباع کرے پس جو میرے قول (حدیث) سے راضی ہے بیشک وہ قرآن سے راضی ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ. اور جو تم کو رسول دیں تم اس کو مضبوط پکڑو۔

(پ ۲۸ الحشر ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اقتداء کی پس وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے روگردانی کی پس وہ مجھ سے نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: بیشک عمدہ کلام کتاب اللہ ﷻ ہے اور بہترین ہدایت (سید عالم) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی ہے۔ برے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئی باتیں ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۲ مقدمہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم تین ہیں جو اس کے سوا باقی ہے وہ زیادتی ہے۔ 1۔ آیۂ محکمہ یا 2۔ سنت قائمہ یا 3۔ فریضہ عادلہ (یعنی فقہ وقیاس وغیرہ)

(سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۰۶ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۱)

حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے اس عمل سے جو بدعت (سیئہ) میں زیادہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۱ مسند الفردوس جلد ۳ صفحہ ۲۱)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ ﷻ بندے کو سنت پر عمل کرنے پر جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں میری سنت پر (سختی سے) عمل کرنے والے کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بٹ چکے ہیں اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ (ناجی) فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ وہ ہے آج جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری (مردہ) سنت کو زندہ کیا اس نے (گویا) مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

(الحدیث الاصبہانی فی الترغیب کمافی مسائل السفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت عمرو بن عوف مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال ابن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو جو میرے بعد مردہ ہو چکی ہو اسے زندہ کیا تو اس کا اجر ان کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جو (دین میں کوئی) نئی بات گمراہی کی نکالے کہ جس سے اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہ ہو تو اس کا عذاب ان لوگوں کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں (بغیر اس کے کہ) یہ گناہ لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۰، مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۹)

تیسری فصل

سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباعِ سنت کا وجوب

لیکن وہ جو سلف وائمہ رحمہم اللہ سے آپ ﷺ کی سنت کے اتباع، آپ ﷺ کی ہدایت و سیرت پاک کی اقتداء کے وجوب کا ثبوت ہے، یہ ہے کہ

حدیث: بالاسناد مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابا عبدالرحمٰن ہم قرآن میں صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ حضر تو پاتے ہیں مگر صلوٰۃ سفر نہیں پاتے؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن اخی بیشک اللہ ﷻ نے ہماری طرف حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر بھیجا (اس سے زیادہ) ہم کچھ نہیں جانتے کہ ہم وہی کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الامامۃ جلد ۱ صفحہ ۳۳۹، سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد صاحب الامر (خلفاء راشدین وغیرہ) نے کسی سنت کو جاری کیا تو اس کو اخذ کرنا (اور اس پر عمل کرنا

گویا) کتاب اللہ ﷻ کی ہی تصدیق ہے۔ اللہ ﷻ کی اطاعت پر عمل ہے اور دین الٰہی کی تقویت کا موجب ہے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ سنت میں تغیر و تبدل کر سکے اور نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ اس کے مخالف کی کسی بات پر غور و فکر بھی کی جائے۔ جو شخص اس سنت کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کی مدد کرتا ہے وہ منصور مظفر ہے۔ جو اس کا مخالف ہے وہ مومنین کے راستہ کے برخلاف چلتا ہے۔ اللہ ﷻ اس کو اس پر مسلط کر دے گا جس کا وہ والی بنے۔ (یعنی اللہ ﷻ اس کو اسی گمراہی میں ڈالے رکھے گا۔ العیاذ باللہ) اللہ ﷻ ایسوں کو جہنم میں جھونک دے گا اور وہ نہایت ہی بری جگہ۔

(الحدیث اللالکائی فی السنۃ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق عمل قلیل بہتر ہے اس سے جو بدعت (سیئہ) پر عمل کثیر کیا جائے۔

حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں چند مردان اہل علم (علماء کرام) سے یہ بات پہنچی کہ وہ فرماتے تھے: اَلْاِعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ. "سنت پر سختی سے عمل کرنا نجات ہے۔"

(الحدیث اللالکائی فی سنۃ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی)

حضرت عمر بن خطاب ؓ (فاروق اعظم) نے اپنے عمال کی طرف یہ خط لکھا کہ سنت، فرائض اور لحن یعنی لغت کو سیکھو اور فرمایا کہ کچھ لوگ تم سے قرآن کے بارے میں جھگڑیں گے (تو خبردار) تم ان سے سنن سے مواخذہ کرنا بلاشبہ اصحاب سنن (اہلسنت) کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

(مقدمہ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۴۹)

اور آپ ؓ سے ہی ایک حدیث مروی ہے کہ جس وقت (حضرت فاروق اعظم نے) ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں تب فرمایا تھا کہ میں نے ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ جلد ۱ ۹۸۱)

حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب آپ نے (حج کے موقعہ پر) قران کیا تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین ؓ نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ میں لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں اور آپ اس کو کر رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں کہ کسی کے کہنے سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔

(صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۹۲۰، سنن نسائی کتاب القرآن جلد ۵ صفحہ ۱۴۸)

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ بھی مروی ہے کہ (آپ نے فرمایا) مگر میں نبی نہیں ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتا ہوں۔

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں غور و فکر کرنا بدعت (سیئہ) میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے۔ (دارمی باب فی کراہیۃ اخذ الرای جلد ا صفحہ ۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر کی نماز (قصر) کی دو رکعتیں ہیں (یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں ہیں) جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (مسند حمید بسند صحیح کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۷۹)

حضرت ابی ابن کعب[1] رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طریقۂ سنت کو لازم پکڑو کیونکہ زمین میں کوئی ایسا نہیں کہ جو طریق سنت پر ہو وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو خوف خدا (خشیت) سے جاری رہتے ہوں۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ ابدی عذاب دے (یعنی سنت پر عمل کرنے والے کو ہمیشگی جہنم کا عذاب نہیں ہوگا) اور زمین پر کوئی بندہ ایسا نہیں جو طریق سنت پر ہو اور جب وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرے تو اس کا رُواں رُواں خشیت الٰہی سے کھڑا ہو جائے مگر اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کے پتے خشک ہو گئے ہوں پھر وہ اس حالت میں ہو کہ اچانک اس کو آندھی پہنچے تو اس کے پتے جھڑ کر گر جائیں (اسی طرح اس کے گناہ جھڑ جائیں گے) بلاشبہ سبیل و سنت پر عمل کرنا بہتر ہے اس پر کوشش کرنے سے جو خلاف سبیل و سنت ہو اور بدعت (سیئہ) کے موافق ہو۔ (اے مسلمانو!) تم غور کرو تمہارا عمل اگر اجتہادی یا معتدل ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کے طریق و سنت پر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے بعض عمال نے اپنے شہروں کا حال لکھتے ہوئے لکھا کہ یہاں چوروں کی بہت زیادتی و کثرت ہے کیا ان کو محض اپنے گمان پر گرفتار کر لیا کروں یا ان کے لئے ثبوت و شہادت کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اس پر سنت جاری ہے۔ آپ نے ان کی طرف لکھا۔ ان کو کسی دلیل و بینہ سے پکڑو جیسا کہ سنت جاری ہے۔ پس اگر ان کی حق و انصاف بھی اصلاح نہ کر سکے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کی اصلاح نہ فرمائے گا۔ (مطلب یہ کہ حق و بینہ ہی ان کی درستی کر دے گا) حضرت عطا رحمہ اللہ سے آیہ کریمہ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو۔

(پ ۵ النساء ۵۹) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ (الی اللہ سے مراد) کتاب اللہ تعالیٰ اور (الرسول سے مراد) سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا

ا۔ الاصبہانی الترغیب، واللالکائی فی السنۃ کمافی مناہل الصفا للسیوطی

جائے۔ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب ﷺ نے فرمایا: جب آپ کی نظر حجر اسود پر پڑی کہ اے حجر اسود تو ایک ایسا ہی پتھر ہے جو ذاتی طور پر نہ نفع پہنچا سکے نہ ضرر۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ ﷺ نے تجھ کو بوسہ (استلام) دیا ہے تو ہر گز میں تجھ کو بوسہ (استلام) نہ دیتا اس کے بعد آپ نے (حجر اسود کو) بوسہ دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر ﷺ نے اپنی اونٹنی کو ایک جگہ پر چکر دیا۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا: اس سے زیادہ میں نہیں جانتا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اس مقام پر) ایسا کرتے دیکھا۔ لہذا میں نے بھی ایسا کیا۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ پر سنت قولی و فعلی کو حاکم بنالیا اس نے حکمت کی باتیں کیں اور جس نے خواہشات نفسانی کو اپنا حاکم بنالیا اس نے بدعت کی باتیں کیں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں۔ 1۔ اخلاق و افعال میں حضور ﷺ کی پیروی کرنا۔ 2۔ حلال کھانا۔ 3۔ اور نیت کا تمام اعمال میں خالص ہونا۔

اللہ ﷻ کے ارشاد

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ. اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

(پ ۲۲ ع ۱) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دن ایک ایسی جماعت کے ساتھ گزر ہوا جس نے برہنہ ہو کر پانی میں داخل ہو کر غسل کیا۔ اس وقت میں نے اس حدیث پر عمل کیا (کہ حضور ﷺ نے فرمایا) ''جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو۔'' (سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۱۹۹) چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا۔ تب اسی رات میں نے یہ ندا سنی کہ اے احمد خوشخبری ہو کہ اللہ ﷻ نے تم کو سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہارے گناہ بخش دیئے اور تم کو پیشوا بنا دیا گیا کہ لوگ تمہاری پیروی کریں۔ (آپ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس ہاتف غیبی سے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا کہ جبریل (علیہ السلام)

چوتھی فصل

سنت کی مخالفت موجب عذابِ آخرت ہے

حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ ﷺ کی سنت کی تبدیلی ایسی گمراہی و بدعت ہے کہ اس پر اللہ ﷻ نے ذلت و عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. — تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔ (پ ۱۸ النور ۶۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى. — اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ (پ ۵ النساء ۱۱۵) (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور اپنی امت کے حال میں حدیث بیان فرمائی۔ اس (حدیث) میں یہ ہے کہ بعض لوگ میرے حوض سے (قیامت کے دن) ہٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ بھولا ہوا اونٹ ہٹا دیا جاتا ہے۔ پس میں انہیں پکاروں گا' ادھر آؤ' ادھر آؤ ادھر آؤ۔ اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد طریقہ بدل لیا تھا۔ تب میں فرماؤں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ (یعنی آپ نفرت و بیزاری کا اظہار فرمائیں گے)۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری امت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۳، صحیح مسلم کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۰)

اور فرمایا جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔
(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۳ صفحہ ۱۶۰، صحیح کتاب الاقضیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳،۴۳)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالیں جو فرش پر ٹیک لگائے ہے' اس کے سامنے

جب میرا کوئی حکم جس کو میں نے فرمایا یا میری کوئی مخالفت پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا' ہم نے کتاب اللہ ﷻ میں نہیں پایا کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ حضرت مقدام ﷺ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ خبردار بلاشبہ جو رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا' وہ اللہ ﷻ کے حرام کرنے کی طرح ہے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۲، مستدرک کتاب العلم جلد ا صفحہ ۱۰۸)

اور فرمایا حضور ﷺ نے درانحالیکہ آپ کے سامنے ایک شانہ پر کچھ لکھا ہوا لایا گیا کہ قوم کی حماقت یا فرمایا گمراہی کے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی لائی ہوئی چیز سے روگردانی وانحراف کر کے غیر نبی ﷺ کی طرف رجوع کرے یا اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں کی طرف رغبت کرے۔ اس وقت یہ آیت اتری:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط (پ ۲۱ العنکبوت ۵۱) اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(مراسیل ابوداؤد وابن جریر و حاکم بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۷)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کلام میں مبالغہ وشیخی خورے یا طعنہ زنی کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہو گئے۔ (صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۵)

سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ نے فرمایا: میں اس چیز کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کرتے رہے ہیں مگر یہ کہ میں اس پر عمل کروں۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ ﷺ کے کسی حکم کو چھوڑا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۲ صفحہ ۴۳۱، سنن ابوداؤد کتاب الامارۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶۵)

دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا (پ ۱۰ التوبہ ۲۴) تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ آیہ کریمہ آپ ﷺ کی محبت کے لزوم اور اس کے فرض واہم امر اور یہ کہ آپ ﷺ ہی اس

محبت کے اصل مستحق ہیں' اس بارے میں ترغیب وتنبیہ اور دلیل وحجت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کی سخت سرزنش وتنبیہ کی ہے جس نے اپنی آل اولاد اور مال کی محبت کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ سمجھا۔ ایسوں کو ڈراتے ہوئے اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

(پ۱۰ التوبہ ۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

آخر آیت میں ایسوں کو فاسق (بے ایمان) فرمایا اور جتلایا کہ بلاشبہ یہ لوگ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ ﷻ نے ہدایت کی توفیق نہ دی۔

حدیث: حضرت انس ؓ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کی طرف اس کی اولاد اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت انس ؓ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ 1۔ اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ ان کے ماسوا سے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ 2۔ یہ کہ اللہ ﷻ کے لئے ہی کسی سے محبت کرے۔ 3۔ اور یہ کہ کفر پر لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۷-۶۶)

حضرت عمر بن خطاب ؓ سے مروی ہے کہ (ایک دن آپ نے) حضور ﷺ سے عرض کیا: بیشک میرے نزدیک آپ سوائے اس اپنی جان کے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔

اس وقت سیدنا فاروق اعظم ؓ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب قرآن نازل فرمایا۔ یقیناً آپ میری اس جان سے بھی جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے' زیادہ محبوب ہیں۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم (کامل ایماندار) ہو گئے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی جلد ۱۱ صفحہ ۵۲۲ الفتح)

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی ولایت وحکومت تمام حالات میں نہیں دیکھتا اور اپنی جان کو اپنی ملک جانتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی سنت کی شیرینی کو نہ چکھے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ — تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کے نزدیک میں اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

پہلی فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر وثواب

حدیث: حضرت انس ؓ سے بالاسناد مروی کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم؟ فرمایا: تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا: میرے پاس اس کے لئے نہ نمازوں کی کثرت ہے نہ روزہ وصدقہ ہے لیکن میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو محبوب رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب عمر جلد ۵ صفحہ ۱۱ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۲)

حضرت صفوان بن قدامہ ؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ پھر میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اپنا دست مبارک دیجئے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. مرد جس سے محبت رکھے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۳)

اس حدیث کو لفظاً حضور ﷺ سے عبداللہ بن مسعود[1] اور ابوموسیٰ[2] اور انس[3] ؓ سے معنیً مروی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے اور ان کے والد ووالدہ رضی اللہ عنہما سے محبت کرے وہ میرے ساتھ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی مناقب علی جلد ۵ صفحہ ۳۰۵)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۴۳۔۴۴، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۴

[2] صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۴۴، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۴

[3] صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۴۴، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۲۔۲۰۳۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۴۵، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۵۶

مروی ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں اور میں آپ کو دل میں یاد رکھتا ہوں جب تک میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کر لیتا مجھے صبر و قرار نہیں آتا اور جب میں اپنی موت اور آپ کی جدائی (یعنی موت طبعی) کو یاد کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ جب جنت میں تشریف لے جائیں گے تو آپ نبیوں کے ساتھ مقام ارفع میں تشریف فرما ہوں گے اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا پھر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (پ۵ النساء ۶۹)	اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۵۸۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ اس نے نظر بچا کر آپ ﷺ کو دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ کسی طرف وہ مائل ہی نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں آپ کی طرف نظر کرنے سے حظ (لذت) حاصل کرتا ہوں جب آپ کو بروز قیامت اللہ ﷻ مقام رفیع عطا فرمائے گا (اس وقت میرا کیا حال ہوگا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (الاصبہانی فی الترغیب کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۸۲)

(اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاہِ نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ)

دوسری فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوالِ سلف

نبی کریم ﷺ کی محبت و اشتیاق کے سلسلہ میں جو ائمہ سلف رحمہم اللہ سے منقول ہیں (اب ان کا) ذکر کیا جاتا ہے۔ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بہت سے وہ لوگ آئیں گے جو مجھ سے محبت کریں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش اپنے اہل

ومال کے بدلے میں میری زیارت ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الجنۃ جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۸)

اسی کے مثل حضرت ابوذر ﷺ سے مروی ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۵۶)

حضرت عمر ﷺ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ دیگر صحابہ کرام ﷺ سے بھی اس قسم کی محبت کا حال گزر چکا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص ﷺ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھ کو اور کوئی محبوب نہ تھا۔ عبیدہ بنت خالد بن معدان ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: جب خالد (ان کے والد) اپنے بستر پر آتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنا شوق اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین وانصار سے اپنی محبت کا ذکر نام لے کر کیا کرتے اور کہتے یہ لوگ میری اصل ونسل (یعنی حسب ونسب) ہیں ان کی طرف میرا دل میلان کرتا ہے۔ میرا شوق ان سے طویل ہے۔ اے میرے رب ﷻ میری روح ان کی طرف جلدی قبض کر (یہی کہتے کہتے) ان پر نیند غالب آ جاتی۔

حضرت ابوبکر ﷺ کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا میرے لیے ان کے اسلام لانے یعنی ان کے والد حضرت ابوقحافہ ﷺ کے اسلام لانے سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہے کیونکہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔

اس کے مثل حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عباس ﷺ سے فرمایا کہ (میرے والد) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ (ابوطالب) اسلام لائیں اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۶۸)

ابواسحق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں قتل ہو گئے تھے۔ اس وقت اس نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ ﷺ نے کہا کہ آپ الحمد اللہ بخیریت ہیں جیسا کہ تم چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ تا کہ میں آپ ﷺ کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا کہ آپ کی سلامتی کے بعد اب مجھے ہر مصیبت آسان ہے (مجھے ان باپ، بھائی، شوہر کی پرواہ نہیں) (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲)

حضرت علی ابن طالب ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے تمہاری محبت کیسی تھی؟ فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے مال، اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بہت

زیادہ آپ ﷺ محبوب تھے۔

زید ابن اسلم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمر ؓ پہرا دیتے ہوئے نکلے تو ایک مکان میں چراغ جلتے دیکھا اور ایک بوڑھی عورت اون دھنتے ہوئے کہہ رہی تھی:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارِ

حضور ﷺ پر نیکیوں کا درود ہو۔ آپ پر ہر اچھے برگزیدہ لوگ درود پڑھتے ہیں۔

قَدْ کُنْتَ قَوَّامًا بُکًا بِالْاَسْحَارِ یَا لَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارٌ

بیشک آپ راتوں کو کھڑے رہنے والے صبح تک رونے والے تھے۔ اے کاش! مجھے معلوم ہوتا حالانکہ نیندیں (موتیں) مختلف قسم کی ہیں۔

هَلْ یَجْمَعُنِیْ وَ حَبِیْبِیَ الدَّارَ

کیا (اللہ ﷻ) مجھ کو اور میرے محبوب کو ایک گھر (جنت) میں جمع کرے گا۔

اس تمنا کے اجتماع سے مراد اس عورت کی حضور ﷺ کی جنت میں مصاحبت و مقاربت ہے۔ وہیں حضرت عمر ؓ بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ یہ واقعہ طویل ہے۔ (الزهد صفحہ ۲۶۲-۲۶۳)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کا پاؤں شل ہو گیا۔ کسی نے ان سے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کیجئے یہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے زور سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اسی وقت ان کا پاؤں کھل گیا۔ (عمل الیوم واللیلۃ صفحہ ۷۲)

اسی طرح جب حضرت بلال ؓ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا:

وَاحُزْنَاہ (ہائے افسوس) اسی وقت انہوں نے کہا: وَاطَرَبَاہٖ غَدًا اَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ یعنی خوشی ہو کہ کل میں اپنے محبوب حضور ﷺ اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

مروی ہے کہ ایک عورت نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو میرے لئے کھول دیجئے۔ آپ نے اس کے لئے کھلوایا تو وہ رونے لگی حتیٰ کہ وہ وہیں انتقال کر گئی۔

جس وقت اہل مکہ نے (فتح مکہ سے پہلے) زید بن دثنہ ؓ کو حرم سے نکالا کہ ان کو قتل کر دیں تب ابوسفیان بن حرب ؓ نے (اپنی حالت کفر کے زمانہ میں) اس سے کہا: اے زید ؓ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت محمد ﷺ تیری جگہ ہوں اور ان کی (معاذ اللہ) گردن ماری جائے اور تو واپس اپنی اہل وعیال میں چلا جائے؟ تب زید ؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضور

ﷺ اس وقت جہاں بھی رونق افروز ہوں اس جگہ آپ ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا تک بھی چبھے اور میں اپنی جگہ (یونہی) بیٹھا رہوں۔ اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو اس قدر محبوب رکھتا ہو جس قدر کہ محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ان کو محبوب رکھتے ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آتی تو آپ ﷺ اس سے اللہ عزوجل کی قسم لیتے کہ (کہے کہ) میں نہ تو خاوند کی دشمنی کی وجہ سے اور نہ کسی زمین کی طمع میں نکلی بلکہ میں صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں نکلی ہوں۔

(تفسیر ابن جریر سورۃ ممتحنہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے پاس ٹھہرے اور ان کے لئے استغفار کی اور کہا کہ خدا کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ تم بڑے روزے دار، شب بیدار اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت رکھنے والے تھے۔

تیسری فصل

حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت

اس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس کی محبت رکھتا ہے وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی کی موافقت کرتا ہے ورنہ وہ اس کی محبت میں صادق نہیں جس کی وہ محبت کا دھرم بھرتا ہے۔ لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں وہ سچا ہے جس پر اس کی علامتیں ظاہر ہوں۔

پہلی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا عامل ہو۔ آپ ﷺ کے افعال و اقوال کا اتباع کرے، آپ ﷺ کے حکم کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے عزت و عشرت، مسرت و کربت ہر حال میں آپ ﷺ کے آداب سے موعظت و نصیحت حاصل کرے۔ اس علامت کی حجت و دلیل اس آیت کریمہ میں ہے کہ:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ. (پ ۳ ال عمران ۳۱)

اے محبوب تم فرما دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور علامت محبت یہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے مشروع فرمایا اور اس پر عمل کی ترغیب و تنبیہ فرمائی اس کو اپنی خواہشات نفسانی و شہوانی پر ترجیح دے چونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا...... (پ ۲۸ الحشر ۹) (ترجمہ کنزالایمان)

دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو اور بندوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں ناراض کر دیتے ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے باالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم اس کی قدرت رکھو کہ تمہاری صبح اور شام اس حالت میں ہو کہ تمہارا دل ہر ایک کی کدورت سے پاک وصاف ہو تو ایسا کرو۔ اس کے بعد پھر مجھ سے فرمایا:

اے فرزند! یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

لہٰذا اب جو شخص اس صفت سے متصف ہوگا تو وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں کامل ہوگا اور جو شخص ان میں سے بعض امور کی مخالفت کرے گا اس کی محبت اتنی ہی ناقص ہوگی اور وہ محبت کے نام سے خارج نہ ہوگا۔

اس کی دلیل حضور ﷺ کا اس شخص کے بارے میں وہ فرمان ہے کہ جس کو شراب پینے پر حد جاری کی گئی اور اس وقت بعض لوگوں نے اس پر لعنت کی تھی اور کہا تھا تعجب ہے اس کو ایسی حالت میں لایا گیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

علامت محبت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل باکثرت کرے۔ اس لیے کہ جو شخص جس چیز کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کا ذکر باکثرت کیا کرتا ہے۔

انہیں علامات محبت میں سے آپ ﷺ کے لقاء و دیدار کا زیادہ شوق رکھنا ہے اس لئے کہ ہر محبّ اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے۔ اشاعرہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب حضور ﷺ (بوقت ہجرت) مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہ (لوگ) رجز پڑھتے تھے۔

غَدًا نَلْقَ الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَصَحْبَهْ

ہم کل پیاروں سے ملیں گے۔ یعنی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۵۱)

حضرت بلال ؓ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح جو حضرت عمار ؓ نے اپنے شہید ہونے سے پہلے کہا تھا۔ اور وہ جو اسے ہم نے خالد بن معدان ؓ کے قصہ میں بیان کیا

اور آپ ﷺ سے محبت کرنے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ کثرت کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر جمیل کرے گا اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت غایت تعظیم وتوقیر بجالائے گا اور آپ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے وقت انتہائی عجز وانکسار کا اظہار کرے گا۔

ابن اسحٰق تجیبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل جب آپ ﷺ کے اصحاب ؓ کرتے تھے تو انتہائی عاجزی وفروتنی سے کرتے اور ان کے بال کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے تھے۔ یہی حال اکثر تابعین رحمہم اللہ کا تھا۔ ان میں سے کچھ تو آپ ﷺ سے محبت وشوق کی بنا پر روتے اور کچھ آپ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے۔

آپ ﷺ سے محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کرنے کی وجہ سے کسی سے محبت رکھے۔ اور اسی علاقہ کے سبب ووجہ سے آپ ﷺ کے اہل بیت اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین وانصار سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے عداوت رکھے ان سے عداوت رکھنا اور جو ان سے بغض وفساد رکھے ان سے بغض رکھتا ہے جو شخص جس سے محبت رکھتا وہ اس کو بھی محبوب جانتا ہے جن سے اس کا محبوب محبت کرتا ہے۔

بلاشبہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ اے خدا ﷻ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب فرما۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۳، سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۷)

ایک روایت میں حضرت امام حسن ؓ کے بارے میں ہے کہ بے شک میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس جو ان سے محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور فرمایا: جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے بے شک وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے بلاشبہ اللہ ﷻ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص ان دونوں سے بغض وعداوت رکھتا ہے بلاشبہ وہ مجھ سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور جو شخص مجھ سے بغض وعداوت رکھتا ہے یقیناً اللہ ﷻ بھی اس کو مبغوض رکھتا ہے۔

(مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۰)

اور فرمایا: اَلَا اَلَافِیْ اَصْحَابِیْ. ہوشیار، خبردار میرے صحابہ ؓ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو اپنی اغراض کا آلۂ کار نہ بنانا جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بنا پر ہے اور جو

ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی یقیناً اس نے اللہ ﷻ کو تکلیف دی جس نے اللہ ﷻ کو تکلیف دی بہت جلد اللہ ﷻ اس کو اپنی پکڑ میں لے گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۵۸، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۵۴)

حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو غصہ میں لاتی ہے وہ مجھ کو بھی غصہ میں لاتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۴، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۳)

آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے محبت و شفقت کرو کیونکہ میں بھی ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۴۲)

اور آپ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت ان سے دشمنی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۷، صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جس نے اہل عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر کی۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے محبت کی تو وہ ہر اس چیز سے محبت کرے گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہوگا۔ اور یہی عادت سلف رحمہم اللہ کی تھی حتیٰ کہ مباحات اور خواہشات نفسانیہ میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہانڈی میں کدو کے قتلوں (ٹکڑوں) کو تلاش فرمایا کرتے تو میں نے اس دن سے ہمیشہ کدو کو محبوب رکھا۔

حضرت امام حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ان سے انہوں نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں وہ کھانا تیار کر دیجئے جو رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سبتی جوتی اور زرد رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی لباس پہنے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۲، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۴۴)

انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ اس چیز سے دشمنی رکھے جس سے اللہ ﷻ اور اس رسول ﷺ نے دشمنی رکھی اور اس سے عداوت رکھے جس سے آپ ﷺ نے عداوت رکھی اور اس شخص سے کنارہ کشی کرے جو آپ ﷺ کی سنت کا مخالف ہو اور جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہو اور ہر مخالف

شریعت بات کوسختی سے گراں اور برا جانے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں۔ ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

(پ ۲۸ المجادلہ ۲۲) (ترجمہ کنز الایمان)

بلاشبہ یہی کیفیت آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ تھی کہ انہوں نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور آپ کی مرضی وخواہش پر اپنے والدین (آباء) اور اولاد کو قتل کیا اور ان سے لڑائی کی۔

عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کے بیٹے عبداللہ ﷺ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی مرضی مبارک ہو تو میں اس کا یعنی اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کر دوں۔ (کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۳۶۰)

اور انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن سے محبت رکھے کیونکہ آپ نے اس سے ہدایت فرمائی اور خود پائی اور اسی کے موافق آپ کے اخلاق کریمہ تھے۔

یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن ہے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کو خوب سمجھے اور اس کی سنت (طریقہ) کو پسند کرے اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے محبت کرے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرے اور آپ سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ کی سنت سے محبت کرے اور آپ کی سنت سے محبت کرنے کا مطلب یہ کہ آخرت سے محبت کرے اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے اور دنیا کا بغض یہ ہے کہ "قوت لایموت" اور توشۂ آخرت کے سوا کچھ جمع نہ کرے تاکہ آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو۔

حضرت ابن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی سے اپنی جان کے بارے میں نہ پوچھے سوائے قرآن کے کیونکہ اگر اس کی محبت قرآن سے ہے تو وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے۔ (بیہقی فی الآداب صفحہ ۵۲۲)

اور آپ کی علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے ان کو اچھی بات بتائے اور ان کی خیر خواہی کی کوشش کرے۔ ان کے نقصانات کو دور کرے

جیسے کہ حضور ﷺ مسلمانوں پر رؤف ورحیم تھے اور آپ سے کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کا مدعی دنیا میں زاہد ہو اور فکر کا خوگر ہو کر فقراء سے ترجیحی سلوک کرے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مجھ سے محبت رکھے گا اس کی طرف فقر اسی رو سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جیسے کہ جنگل کی بلندی کی طرف سے یا پہاڑ سے نیچے کو آتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا غور کر کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا واللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس طرح تین مرتبہ کہا۔

آپ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لیے سامان (صبر) کی تیاری کر۔ اس کے بعد حضرت ابوسعید خدری ﷺ کی حدیث کی مثل اس کے معنی بیان فرمائے۔

(سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۷)

چوتھی فصل

محبت کے معنی اور اس کی حقیقت

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کے معنی اور اس کی حقیقت کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کی محبت کی کیا تفسیر و مراد ہے۔ ان کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف اقوال نہیں البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں۔ چنانچہ

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محبت اتباع رسول ﷺ کا نام ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ ﷻ کے اس فرمان کی طرف توجہ کی کہ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ فرما دو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ (پ۳ ال عمران ۳۱) (ترجمہ کنز الایمان)

بعض علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نصرت و مدد کو لازم جانے اور مخالفین سنت کو مٹائے اور سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔

بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کے ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جاں نثاری محبت ہے بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کے ساتھ شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے

ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب ﷻ کی مراد کے موافق کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے جسکو وہ برا کہے اس کو یہ برا جانے اور بعضوں نے کہا کہ موافقت کی طرف دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ وثمرہ کی طرف اشارہ کررہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف اور محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو انسان کے موافق چیز ہو اس کی طرف اس کا میلان ہو۔ اب اس کی یہ موافقت یا تو اس لئے ہوگی کہ اس کے پالینے سے اس کو لذت حاصل ہوگی۔ جیسے حسین وجمیل صورتیں، عمدہ آوازیں اور لذیذ کھانا پینا وغیرہ کہ ہر سلیم الطبع اس کی طرف مائل ہے کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے موافق ہے۔

یا اس لئے اس کے پانے سے لذت حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے حواس عقیلہ سے دل کے اعلی معانی باطنیہ معلوم کرلیتا ہے۔ جیسے علماء، وصلحاء، عرفاء اور وہ لوگ جن کی سیرتیں پاکیزہ وعمدہ مشہور ہیں اور ان کے افعال پسندیدہ ہیں۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ان امور کی طرف مائل ہے۔ یہاں تک کہ ایک طبقہ کی محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے تعصب تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک گروہ کی حمایت دوسروں کے حقوق میں اس حد تک تجاوز کر جاتی ہے کہ اس کی محبت میں جلاء وطنی (ترک سکونت) کرتے، بڑوں کی ہتک کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

یا اس کی محبت خاص اس کے لئے ہوتی ہے کہ اس کے احسان وانعام کی وجہ سے اس کی طبیعت اس کے موافق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طبائع انسانیہ اسی پر پیدا کی گئی ہیں کہ جو شخص اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت کرے۔

جب یہ حقیقت تم پر آشکار ہو چکی تو اب ان تمام اسباب وعلل کے لحاظ سے حضور ﷺ کے حق میں غور کرو۔ یہ تو تم خوب جان چکے ہو گے کہ نبی کریم ﷺ ان تینوں معانی جو محبت کرنے کے موجب اور سبب ہیں کے جامع ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ظاہری صورت کا جمال، کمال، اخلاق اور باطنی خوبیاں ہم پہلے حصہ میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں۔ مزید بیان کی اصلاً حاجت نہیں۔

اب رہا آپ ﷺ کا اپنی امت پر احسان وانعام، سو وہ بھی پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ جہاں اللہ ﷻ نے امت پر آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ان کو ہدایت فرمائی اور کیونکر ان پر شفقتیں کیں اور خدا نے ان کو کیسے دوزخ سے آپ ﷺ کی وجہ سے بچایا اور یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ رؤف ورحیم اور رحمۃ للعالمین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ مبشر، نذیر، داعی

الی اللہ باذنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان پر اللہ ﷻ کی آیتیں تلاوت فرمائیں ان کا تزکیۂ نفس کیا۔ اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے کر صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی وغیرہ۔ (جو سب سے پہلے مذکور ہو چکا ہے)

لہٰذا اب وہ کون سا احسان ہے جو آپ ﷺ کے احسان سے بڑھ کر قدر و مرتبہ والا مسلمانوں کے لیے ہے اور کونسی کرم گستری ایسی ہے جو منفعت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے انعام سے زیادہ تمام مسلمانوں پر زیادہ عام اور سود مند ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ ہی تو ان کی ہدایت کا ذریعہ تھے۔ آپ ﷺ ہی تو ان کو جہالت وضلالت سے نکالنے والے اور فلاح وکرامت کی طرف بلانے والے تھے اور آپ ﷺ ہی تو ان کے رب ﷻ کی طرف وسیلہ، شفیع اور ان کی طرف سے کلام کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی ان کے گواہ اور ان کے دائمی بقاء اور لازوال نعمتوں کے موجب ہیں۔

یقیناً اب تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور ﷺ ہی حقیقی محبت کے شرعی طور پر لائق و مستحق ہیں جیسا کہ ہم پہلے صحیح حدیثوں سے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح عادت وطبیعت کے اعتبار سے بھی حضور ہی مستحق ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کے احسانات عام ہیں پس جب انسان اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں اس پر ایک یا دو دفعہ احسان کرے یا اس کو کسی ہلاکت ونقصان سے بچائے جس کی ایذا کی مدت تھوڑی اور کسی نہ کسی وقت منقطع ہونیوالی ہو۔ اس کے برعکس جو ذات کریم اس کو وہ نعمتیں مرحمت فرمائے جو کبھی ختم نہ ہوں اور اس کو دوزخ کے ایسے عذاب سے بچائے جو کبھی فنا نہ ہو تو وہی محبت کرنے کے زیادہ لائق و مستحق ہے۔

اور جب انسان طبعی طور پر اس بادشاہ کو جو اچھی خصلت رکھتا ہو یا وہ حاکم جس کا حسن سلوک معروف ہو یا وہ قاضی جو دور ہو مگر اس کا علم وکرم اور عمدہ خصائل مشہور ہو۔ ان کو محبوب رکھتا ہے تو وہ ذات اقدس جس میں یہ تمام خصائل جلیلہ کمال کے انتہائی مرتبہ تک مجتمع ہوں زیادہ محبت کی مستحق ہے اور زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف طبیعت مائل ہو۔

یقیناً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ کی جان پہچان والا ہوتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔

ہم نے بعض صحابہ سے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آنکھ آپ ﷺ کی طرف سے پھیرتے نہ تھے۔

(صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین)

پانچویں فصل

حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اور نہ ان پر حرج ہے جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جبکہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ (مواخذہ کی) نہیں اور اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ۱۰ التوبۃ۹۱) (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین کا قول ہے کہ اللہ ﷻ و رسول ﷺ سے خیر خواہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں پورے اخلاق کے ساتھ مسلمان ہو۔

حدیث: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک دین ایک خیر خواہی ہے بلاشبہ دین خیر خواہی ہے۔ یقیناً دین خیر خواہی ہے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کس کے لئے؟ فرمایا اللہ ﷻ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور ائمہ مسلمین و عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی واجب ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۸۱ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۳۳)

امام ابوسلیمان بُستی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک کلمہ ہے جس سے ایسے تمام امور خیر سے تعبیر کی جاتی ہے جو کہ اس شخص کے لیے ہو جس کے لیے خیر خواہی کی جائے اور یہ ممکن نہیں کہ نصیحت کی تعبیر کسی ایسے ایک کلمہ سے کی جائے جو اس کو حصر (قید) کرے۔

اس (نصیحت) کے لغوی معنی اخلاق کے ہیں۔ جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ نَصَحْتُ الْعَسَلَ اِذَا خَلَّصْتَهٗ مِنْ شَمْعِهٖ یعنی "شہد کو صاف کیا" جب کہ تم اسے موم سے پاک کردو۔

ابوبکر بن ابی الحق خفاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "نُصْحٌ" وہ فعل ہے کہ جس کے باعث درستی و مناسبت یا موافقت ہو۔ اور یہ "نِصَاحٌ" سے ماخوذ ہے۔ نصاح اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس سے کپڑا سیا جاتا ہے۔ ابواسحٰق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کہا

پس اللہ ﷻ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صحیح اعتقاد ہو۔ اس کو واحد جانے، اس کی ایسی تعریف کرے جس کا وہ اہل ہے اور ان باتوں سے اسے پاک سمجھے جو اس پر جائز نہیں۔ محبوبان خدا

سے رغبت رکھے اور جو اس کا دشمن (باغی غدار) ہو اس سے دور رہے اور اس کی عبادت میں اخلاص ہو

اور قرآن کریم سے خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرے۔ اس کی تلاوت اچھی طرح کرے۔ اس کے نزدیک عاجزی کرے۔ سرکش غالیوں کی تاویلات اور ملحدین کے طعنوں کو دور کرے۔

رسول ﷺ کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں یا منع کریں اس کی بجا آوری کرے۔ اس کو ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور وفات طبعی میں ہمیشہ آپ ﷺ کی معاونت و نصرت اور حمایت کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا احیاء بکوشش کرے اور اس کے مخالفوں کا رد کرے اور سنت کی اشاعت کرے اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ سیرت جمیلہ کے موافق اپنے اخلاق بنائے۔

ابو ابراہیم اسحٰق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے اس کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی سنت کو سختی سے تھامے اور اس کی اشاعت کرے اس پر دوسروں کو رغبت دلائے۔ اللہ ﷻ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دے اور ان کی فرمانبرداری و عمل کی تبلیغ کرے۔

احمد بن محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ دلوں کے فرائض میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی کا معتقد ہو۔ ابوبکر آجری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کی خیر خواہی دو خیر خواہیوں کی متقاضی ہے۔ ایک خیر خواہی آپ کی زندگی حیات ظاہری میں دوسری آپ کی حیات باطنی (بعد وفات) میں۔ آپ کی حیات میں آپ کے صحابہ کی خیر خواہی کرنا یہ تھی کہ وہ آپ کی نصرت کرتے آپ سے برائی دور کرتے جو آپ کا دشمن ہوتا اس سے دشمنی کرتے اور آپ کی پیروی و فرمانبرداری کرتے اور آپ پر اپنا جان و مال نذر کر دیتے تھے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ — کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ (پ ۲۱ الاحزاب ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ — اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ (پ ۲۸ الحشر ۸) (ترجمہ کنز الایمان)

لیکن مسلمانوں کی خیر خواہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور

آپ ﷺ سے غایت محبت کو لازم جانیں اور آپ ﷺ کی سنت کو سیکھنے کی ہمیشہ کوشش کرنا اور آپ ﷺ کی شریعت میں تفقہ (حاصل) کرنا اور آل واصحاب سے محبت کرنا اور جو آپ ﷺ کی سنت سے روگرداں اور منحرف ہو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دشمنی رکھنا اور اس سے بچنا اور آپ ﷺ کی امت پر شفقت کرنا' آپ کے اخلاق وآداب سے بحث کرنا اور تلاش کرتے رہنا اور اس پر صبر کرنا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ سب خیر خواہی محبت ثمرات اور اس کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن لیث قراسان کا ایک بادشاہ تھا جو مشہور حاکم تھا اسے صفار کہتے تھے۔ خواب میں دیکھا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ خدا نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ اس نے مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کہ کس سبب سے؟

کہا کہ میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اوپر سے اپنے لشکر کو جھانکا تو ان کی کثرت سے میں خوش ہوا۔ اس وقت میں نے تمنا کی اگر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کی نصرت واعانت کرتا۔ یہ بات اللہ ﷻ کو پسند آئی اور مجھے بخش دیا۔

اور آئمہ مسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے امور حقہ کی اطاعت کرے اور اس میں ان کی مدد کرے اور ان کا حکم حق کے ساتھ ہو اور ان کو حق کی عمدہ اسلوب سے یاددلانا اور غفلت پر ان کو آگاہ و خبردار کرنا اور جو مسلمانوں کے امور ان سے پوشیدہ رہیں ان کو یاد دلانا ہے اور ان پر خروج کرنا۔ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا۔ ان کے دلوں کو ان کے برخلاف بگاڑنا ترک کردے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو ان کی خیر خواہیوں کی ہدایت کرنا۔ ان کو اپنی اپنی اور دنیوی امور میں قول وفعل میں مدد دینا۔ ان کے غافل کو خبردار اور ان کے جاہل کو آگاہ کرنا۔ ان کے محتاجوں کی مدد کرنا۔ ان کے بروں کی ستر پوشی کرنا ان کے نقصانات وضرر کو رفع کرنا اور ان کی طرف ان کے منافع کو پہنچانا وغیرہ ہے۔

تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادائے حقوق کا حکم اور اس کا وجوب

حضور ﷺ کا حکم اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور نیکی کے وجوب میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو۔ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

(پ ۲۶ الفتح ۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

(پ ۲۶ الحجرات ۱) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز فرمایا:

وَيٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے۔

(پ ۲۶ الحجرات ۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا رسول کے پکارنے کو آپس میں نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ (پ ۱۸ النور ۶۳) (ترجمہ کنز الایمان)

ان آیات مذکورہ میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی عزت و تکریم کو لازم فرمایا۔

حضرت ابن عباس ؓ تُعَزِّرُوْهُ [1] یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کرو اور مبرد رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو اور اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی مدد کرو اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اعانت کیا کرو۔

اور ایک قرأت میں وَتُعَزِّزُوْهُ بِزَائَيْنِ مِنَ الْعِزِّ یعنی دونوں زاء کے ساتھ بمعنی عزت مروی ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ سے آگے کلام میں بڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے یعنی گفتگو کرنے میں آپ ﷺ سے پہلے بات کرنے کو سوء ادب گردانا۔ یہ مذہب حضرت ابن عباس ؓ کا ہے اور ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند فرمایا۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمانے سے پہلے بات مت کرو اور جب حضور ﷺ کلام فرماتے ہوں تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور آپ ﷺ کے فیصلہ سے قبل کسی

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۷۵

معاملہ پر فیصلہ کی جلدی کرنے سے منع کیے گئے ہو اور یہ کہ وہ کسی چیز کا حکم دیں خواہ وہ جہاد سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ امور دینیہ میں سے ہو تو آپ ﷺ ہی کے ارشاد پر چلیں۔ آپ ﷺ سے پہلے کسی معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ حضرت حسن مجاہد ضحاک سدی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول بھی اسی طرف واقع ہے۔

اس کے بعد اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی اور ان کو آپ ﷺ کی مخالفت سے ڈرایا چنانچہ فرمایا۔ اور اللہ ﷻ سے ڈرو بیشک اللہ ﷻ سنتا جانتا ہے۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سبقت کرنے میں خدا سے ڈرو۔

سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی حق تلفی کرنے اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم میں کوتاہی کرنے سے خدا سے ڈرو۔ بیشک اللہ ﷻ تمہاری باتوں کو سنتا اور تمہارے عملوں کو جانتا ہے۔

اس کے بعد اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند کرنے اور زور سے بولنے کی ممانعت فرمائی۔ جیسا کہ آپس میں کرتے ہو کہ اپنی آوازوں کو بلند کر لیتے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہو ویسا آپ ﷺ کو نہ پکارو۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ سے بات کرنے میں سبقت نہ کرو۔ مخاطب کرو تو عزت و توقیر سے مخاطب کرو۔ اور آپ ﷺ کو ان القاب سے پکارو اور یاد کرو جن سے پکارا جانا آپ ﷺ کو پسند ہو مثلاً یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم وغیرہ۔

ایسا خطاب کرنا دوسری آیت کے مطابق ہے کہ رسول ﷺ کو پکارنے میں تم ایسا نہ کرو جیسے کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یہ معنی ان کے دو معنوں میں سے ایک ہے۔ دیگر علماء نے فرمایا کہ آپ سے اس طرح مخاطب ہو کہ جس طرح کوئی سائل یا طالب فہم ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ایسا کرنے پر مسلمانوں کو ڈرایا کہ ان کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اس سے ڈرتے رہو۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت بنی تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی[1] اور ایک روایت میں ہے کہ دیگر اہل عرب کے لیے نازل ہوئی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو "یا محمد صلی اللہ علیک وسلم" کہہ کر مخاطب کرنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ہماری طرف آیئے۔ اس پر اللہ ﷻ نے ان کی مذمت فرمائی اور ان کی جہالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ — کہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

(پ۲۶ الحجرات ۴) (ترجمہ کنز الایمان)

بعض کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس قضیہ کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کے سامنے

[1] تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۵۵۲

حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ کے درمیان ہوا تھا اور اختلاف کی صورت میں باہم ان کی آوازیں بلند ہوگئی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس ؓ [1] جو کہ حضور ﷺ کی طرف سے بنی تمیم کی مفاخرت میں خطیب تھے اور ان کے کان بہرے تھے اور زور سے بولا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے کہ مبادہ کہیں ان کے عمل ضائع نہ ہو جائیں۔

پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں ڈرتا ہوں کہ ہلاک نہ ہو جاؤں کیونکہ اللہ ﷻ نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ بلند آواز سے نہ بولیں حالانکہ میں ''جہیر الصوت'' یعنی بلند آواز والا ہوں۔

تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ثابت ؓ! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم محمود زندگی گزارو اور شہادت حاصل کر کے جنت میں جاؤ۔ چنانچہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا خدا کی قسم آئندہ آپ سے اسی طرح عرض و معروض کروں گا جیسے کہ چھپ کر باتیں کرتے ہیں۔ [2]

چنانچہ حضرت عمر ؓ جب بات کرتے تو ایسے ہی باتیں کرتے جیسے پوشیدہ (بات) کرتا ہے۔

(صحیح بخاری مسلم جلد ۶ صفحہ ۱۱۴)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تو اتنی آہستہ بات کرنے لگے کہ بسا اوقات حضور ﷺ کو دوبارہ دریافت کی ضرورت ہوتی۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۷۶ سورۃ الحجرات)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ○ (پ ۲۶ الحجرات ۳)

بیشک جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے رکھ لیا۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت ہے کہ

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۸۵ سورۃ الحجرات، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۰

۲۔ کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۲۹

إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ. (پ۲۶ الحجرات۴) — بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بنی تمیم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ آپ ﷺ کا نام لے کر پکارتے تھے۔

صفوان بن عسال رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اتنے میں ایک عرابی نے جس کی آواز بلند تھی اس نے آپ کو پکارا "یا محمد! یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)!" ہم نے اسے کہا کہ اے اعرابی اپنی آواز کو پست کر کیونکہ بلند آواز کرنے سے ہم روکے گئے ہیں۔[1]

اللہ ﷻ نے (حضور ﷺ کی مجلس کے آداب سکھاتے ہوئے) فرمایا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا. (پ۱ البقرہ۱۰۴) — اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ انصار میں ایک لغت تھی جس کے بولنے سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم وعزت کے لیے منع کیا گیا۔ اس لیے کہ اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ﷺ ہماری رعایت کریں ہم آپ ﷺ کی رعایت کریں گے۔ لہٰذا ان کو ایسا کہنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ اس کا اقتضاء یہ بھی تھا کہ گویا وہ آپ ﷺ کی رعایت کرنے سے رعایت کریں گے۔ حالانکہ یہ آپ ﷺ کا حق (نبوت) ہے کہ آپ ﷺ کی ہر حال میں رعایت کی جائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہود اس کلمہ (راعنا) سے نبی کریم ﷺ کی تعریض کیا کرتے تھے اور اس سے وہ رعونت (تکبر) مراد لیتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس قول سے منع کر دیا گیا[2] کہ ایسا کلمہ نہ کہو جس سے کوئی شبہ پیدا ہو۔ گویا کہ آپ کے حضور ﷺ کے ایسے الفاظ جس میں مشابہت کا پہلو نکلتا ہو منع کر دیا گیا۔ اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔

☆☆☆

۱۔ سنن ترمذی جلد۲ صفحہ ۲۲۳ تحفۃ الاشراف جلد۴ صفحہ ۱۹۲

۲۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم

پہلی فصل

تعظیم وتوقیر میں صحابہ کرام ﷺ کی عادت

حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر عزت وتکریم کرنے کی عادت کے بیان میں یہ حدیث ہے کہ

حدیث: حضرت عمر ؓ سے بالاسناد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی محبوب اور میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ بزرگ نہ تھا اور مجھ میں یہ طاقت نہ تھی کہ میں آپ ﷺ کی ہیبت وجلالت کی وجہ سے آپ ﷺ کے دیدار سے آنکھوں کو بھرلوں۔ اگر کوئی مجھ سے آپ ﷺ کی صفت بیان کرنے کو کہتا تو میں اس کی بھی طاقت نہ پاتا تھا۔ کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو آنکھ بھر کے دیکھا ہی نہ تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۲)

حدیث: ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ مہاجرین وانصار کے پاس تشریف لایا کرتے جہاں یہ صحابہ بیٹھا کرتے تھے ان میں حضرت ابوبکر وعمر ؓ بھی موجود ہوتے۔ حضرت ابوبکر وعمر ؓ کے سوا کوئی آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہ کرتا تھا۔ یہی دونوں صحابہ آپ ﷺ کو دیکھتے اور آپ ﷺ ان کو دیکھتے اور باہم متبسم ہوتے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۴۷۲)

حضرت اسامہ بن شریک ؓ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا اور آپ ﷺ کے چاروں طرف اصحاب جمع تھے۔ ان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں (سنن ابوداؤد کتاب الطب جلد ۴ صفحہ ۱۹۳۔۱۹۲)

اور آپ ﷺ کی صفت میں ایک یہ حدیث ہے کہ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو صحابہ اپنے سروں کو جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عروہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں (صلح حدیبیہ کے وقت) قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قاصد بن کر آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ وضو کرتے تو وہ آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی کی طرف جلدی کرتے اور قریب تھا کہ غسالۂ وضو حاصل کرنے میں باہم لڑ مریں گے۔ جب آپ ﷺ لعاب مبارک ڈالتے یا ناک صاف کرتے تو صحابہ جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرے اور جسموں پر مل لیتے۔ جب کوئی بال (موئے مبارک) جسم سے گرتا تو وہ دوڑ کر اس کو حاصل کر لیتے اور جب آپ ﷺ کوئی حکم

دیتے تو وہ بسرعت (جلدی سے) اس کو بجا لاتے۔ جب کلام فرماتے تو وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے آپ ﷺ کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر جما کر نہ دیکھتے۔

چنانچہ جب میں قریش کی طرف لوٹ کر گیا تو کہا اے گروہ قریش! میں کسریٰ کے ملک میں بھی گیا ہوں اور قیصر (روم) کے ملک میں بھی۔ اور نجاشی کے ملک میں بھی پہنچا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ میں شان رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے کسی بادشاہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر کہ محمد ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی ان کو نہ چھوڑے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈھ رہا ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ آپ کے گرداگرد گردش کر رہے ہیں۔ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر موئے مبارک (بال) کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑے (زمین پر نہ گرے)۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب قریش نے حضرت عثمان ذوالنورین ﷺ کو بیت الحرام (خانہ کعبہ) کے طواف کی اجازت دی جبکہ آپ کو حضور ﷺ نے حدیبیہ کے وقت مکہ بھیجا تھا تو انہوں نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں گے میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۱۳۵)

حضرت طلحہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ ﷺ نے ایک جاہل اعرابی سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ. (پ ۲۱ الاحزاب ۲۳) کون اپنی منت پوری کر چکا (ترجمہ کنزالایمان) کے بارے میں مطلب دریافت کرو کیونکہ خود صحابہ آپ ﷺ سے ڈرتے اور غایت تکریم کرتے تھے پس اس اعرابی نے پوچھا آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت طلحہ ﷺ آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنی منت کو پورا کیا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۰۹-۳۰۸)

قیلہ کی حدیث میں ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرفصاء کی نشست پر بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ کی ہیبت و عظمت سے میں کانپنے لگا۔ (قرفصاء ایک نشست ہے جو بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے کپڑے یا ہاتھوں سے گھٹنوں کو ملا کر باندھ لیا جائے)۔ حضرت مغیرہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے

دروازے کو ناخنوں سے کھٹکایا کرتے تھے۔ برائمہ بن عازب ﷺ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتا تو آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے برسوں اس میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔

(علوم الحدیث صفحہ ۱۹)

دوسری فصل

بعد وفات تعظیم و توقیر کا وجوب

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ حضور ﷺ کی حرمت و تعظیم عزت و تکریم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسی واجب ہے جیسے کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں لازم تھی۔

اور یہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت اور آپ ﷺ کی حدیث وسنت اور آپ کے اسم گرامی اور سیرت مبارکہ کے سنتے وقت اور آپ ﷺ کی آل و اہل بیت اور صحابہ کرام کے ذکر سنتے وقت تعظیم و توقیر واجب ہے۔

ابوابراہیم تجیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمان پر واجب ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس سامنے اس کا ذکر ہو۔ تو خشوع وخضوع کے ساتھ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے۔ اپنی حرکات میں سکون و قرار اور آپ ﷺ کی ہیبت وجلال کا مظاہرہ کرے اور یہ ایسا ہونا چاہئے کہ اگر وہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے دربار میں موجود ہو تو جیسی اس وقت اس کی حالت ہو ویسی ہی اس وقت بھی ہو۔ اور جیسا اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا ادب سکھایا ویسا ادب کرے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اور ائمہ متقدمین رحمہم اللہ کی یہ عادت تھی۔

اثــر: ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابوجعفر امیر المومنین نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں مناظرہ کیا۔ تو امام صاحب نے اس سے کہا!

اے امیر المومنین اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو کیونکہ اللہ ﷻ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا کہ تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو اور دوسری جماعت کی مدح فرمائی کہ بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت و برائی بیان کی فرمایا: اِنَّ الَّـذِیْـنَ یُـنَـادُوْنَ. (پ۲۶ الحجرات ۴)۔ بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں (ترجمہ کنزالایمان) بلاشبہ آپ ﷺ کی عزت وحرمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ

ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں تھی۔ یہ سن کر ابو جعفر خاموش ہو گیا۔

پھر دریافت کیا کہ اے ابو عبداللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تم کیوں حضور ﷺ سے منہ پھیرتے ہو حالانکہ حضور ﷺ تمہارے اور تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کے بروزِ قیامت اللہ ﷻ کی جناب میں وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ سے شفاعت مانگو پھر اللہ ﷻ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ. اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں

(پ۵ النساء ۶۴) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا میں تم میں سے جس کو بھی حدیث بیان کروں گا ایوب رحمۃ اللہ علیہ اس سے افضل ہو گا پھر فرمایا میں نے اسے دو حج کرتے دیکھا میں اس کو دیکھتا اور سنتا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ اتنا روتا کہ مجھے اس پر رحم آ جاتا۔ میں نے اس کی یہ بات تو دیکھی سو دیکھی لیکن نبی کریم ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے دیکھا تب میں نے ان سے حدیث لکھی۔

مصعب بن عبداللہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور خوب جھک جاتے (متواضع ہو جاتے) حتیٰ کہ ان کے مصاحبوں کو گراں معلوم ہوتا۔ ایک دن اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

اگر تم وہ دیکھو جو میں دیکھتا ہوں تو ضرور میرے دیکھے ہوئے کا انکار کرو۔

میں نے محمد بن منذر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ قاریوں کے سردار تھا۔ جب کبھی بھی ہم ان سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔

بیشک میں نے امام جعفر بن محمد (صادق) رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ انتہائی خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکرِ جمیل کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور میں نے ان کو کبھی بے وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے ان کے پاس طویل زمانہ گزارا ہے۔ میں نے ان میں تین خاص عادتیں دیکھیں یا تو وہ نماز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے تو تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول ہوتے اور وہ بیہودہ بات تو کرتے ہی نہ تھے۔

یہ ان علماء و عباد میں سے تھے جو اللہ ﷻ سے ڈرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوتے تو ان کے چہرے کا رنگ دیکھا جاتا کہ وہ ایسا ہوگیا کہ گویا اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے اور حضور ﷺ کے ہیبت وجلال سے ان کا منہ اور زبان خشک ہو جاتی اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں آیا کرتا تھا۔ جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک نہ رہتا۔

اور میں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ بڑے نرم دل اور ملنسار تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا کہ نہ تم نے ان کو دیکھا اور نہ انہوں نے تم کو دیکھا۔

اور میں صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا جاتا تھا بلاشبہ وہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے۔ اتنی دیر روتے رہتے کہ لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی حدیث سنتے تو چیخ مارتے اور گھبرا جاتے تھے۔

اور جب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ بکثرت آنے لگے تو ان سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ ایک مستملی بنالیں تو لوگ سننے لگیں۔ مستملی اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے۔ پھر اس کو ایک جماعت کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کی حرمت وعزت حیات ووفات میں برابر ہے۔

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ایک ہنس مکھ آدمی تھے۔ لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تو متواضع ہو جاتے

اور حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ جب حدیث نبی کریم ﷺ پڑھتے تو خاموش رہنے کا حکم فرماتے اور فرماتے کہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ. (پ۲۶ الحجرات ۲) اس کی تاویل میں کہتے کہ قرأت حدیث کے وقت خاموش رہنا واجب ہے جیسا کہ خود آپ ﷺ سے سننے کے وقت سکوت واجب ہے۔

تیسری فصل

روایتِ حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ

حدیث رسول اللہ ﷺ کی روایت کے وقت اس کی تعظیم وتوقیر میں سلف کی یہ عادت ہے کہ

حدیث: عمرو ابن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن

مسعود ﷺ کی خدمت میں ایک سال حاضر رہا۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ "رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا۔" مگر ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی زبان سے یہ جاری ہو گیا۔ پھر وہ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ پیشانی پر پسینہ دیکھا اور وہ ٹپک رہا تھا۔ پھر فرمایا: انشاء اللہ ﷺ ایسا ہی ہے یا اس سے کم و زیادہ یا اس کے قریب قریب۔ (اللہ اللہ یہ روایت میں ادب اور احتیاط ہے۔ مترجم) اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان کی رگیں پھول گئیں۔

(سنن دارمی جلد ا صفحہ ۸۲)

ابراہیم بن عبداللہ بن قُرَیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ قاضی مدینہ منورہ کہتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم رحمہ اللہ پر گزرے کہ وہ حدیث بیان کر رہے تھے سو آپ وہاں سے گزر گئے اور فرمایا کہ میں نے ایسی جگہ نہ پائی کہ بیٹھ سکوں اور اس کو ناپسند کرتا ہوں کھڑے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی سماعت کروں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن مسیب ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ لیٹے ہوئے تھے' اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر یہ حدیث بیان کی۔ تب اس شخص نے آپ سے کہا: میری خواہش تو یہ تھی کہ حضرت لیٹے لیٹے ہی حدیث بیان فرما دیتے' اٹھنے کی زحمت نہ فرماتے۔

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لیٹے لیٹے بیان کروں۔

اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وہ ہنس بھی رہے ہوں اس وقت بھی اگر کوئی انہیں حضور ﷺ کی حدیث سناتا تو معاً سن کر اور متواضع ہو جاتے۔

ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس ﷺ اظہار عظمت و جلال کے لئے وضو کر کے حدیث رسول ﷺ بیان کرتے تھے۔ حضرت مالک بن انس ﷺ جب کوئی حدیث بیان فرماتے تو وضو کرتے' مؤدب بیٹھتے اور عمدہ لباس پہنتے' پھر حدیث بیان کرتے۔

مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اہتمام کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ (گویا بیان حدیث میں جتنا بھی اہتمام و ادب ملحوظ رکھا جائے درحقیقت اس سے عظمت شان رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ مترجم)

مُطَرِّف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو

پہلے آپ کی لونڈی (جاریہ) آتی اور ان سے کہتی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا تم حدیث کی سماعت کرنے آئے ہو یا مسئلہ دریافت کرنے۔ پس اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں تو آپ فوراً ہی باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کی سماعت کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ جاتے، غسل کرتے، خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے۔ عمامہ باندھتے، پھر اپنے سر پر چادر لپیٹتے، تخت بچھایا جاتا پھر آپ باہر تشریف لاتے اور اس تخت پر جلوہ افروز ہوتے۔ اس طرح پر کہ آپ پر انتہائی عجز و انکسار طاری ہوتا۔ جب تک درس حدیث سے فارغ نہ ہوتے برابر اگر کی خوشبو سلگائی جاتی رہتی۔ دیگر راویوں نے کہا کہ اس تخت پر آپ جب ہی تشریف فرما ہوتے جبکہ آپ کو حدیث رسول ﷺ بیان کرنی ہوتی۔

ابن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: میں اسے بہت محبوب رکھتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ کی خوب تعظیم کروں۔ میں باوضو بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں۔ فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ راستہ میں یا کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیث بیان کی جائے اور فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو خوب سمجھا کر بیان کروں۔

ضرار بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک بلا وضو حدیث کی قرأت مکروہ ہے، اس طرح قتادہ ؓ سے مروی ہے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرتے۔ اگر بے وضو ہوتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے اور حضرت قتادہ ؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بلا وضو حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور آپ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اس حال میں آپ کے سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا۔ (شدت الم سے) آپ کا رنگ متغیر ہو گیا اور چہرہ مبارک زرد پڑ گیا مگر حدیث رسول ﷺ کو قطع نہ فرمایا۔

پس جب آپ مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو آپ سے میں نے عرض کیا: اے ابو عبداللہ! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے حدیث رسول ﷺ کی عظمت و جلال کی بنا پر صبر کیا۔

ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ (بازار) عقیق گیا۔ راہ میں میں نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: کیا

تم میرے نزدیک اس سے بزرگ تر ہو کہ راستہ میں حدیث رسول ﷺ کو دریافت کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے جریر بن عبدالحمید قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے تھے تو آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے آپ سے کہا: یاامام یہ قاضی ہے؟ فرمایا: قاضی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ ہشام بن غازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے ہوئے تھے۔ تب آپ نے اس کے بیس (۲۰) دُرّے (کوڑے) مارے اس کے بعد آپ نے مہربانی فرمائی اور بیس (۲۰) حدیثیں اسے بیان فرمائی۔

اس وقت ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کاش آپ رحمۃ اللہ علیہ اور زیادہ دُرّے (کوڑے) لگاتے اور زیادہ حدیث پاک بیان فرماتے یہ مجھے محبوب ہے۔

عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں بے وضو حدیث کی کتابت نہیں کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تو حدیث نبوی ﷺ کی بغیر وضو کے نہ قرأت کرتے تھے اور نہ بیان کرتے تھے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو اگر بے وضو ہوتے تو تیمم ہی کر لیتے۔

چوتھی فصل

اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم وتوقیر

حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی آل و اولاد اور ازواج و امہات المومنین کی تعظیم وتوقیر کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب وتلقین فرمائی ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ. (پ۲۲ الاحزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (پ۲۱ الاحزاب ۶)

اور ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنی

اہل بیت کے بارے میں اللہ ﷻ کی قسم دیتا ہوں۔ یہ تین مرتبہ فرمایا (یعنی اہل بیت کی تعظیم و توقیر کرو)[1]

ہم نے زید ؓ سے اہل بیت کی تشریح دریافت کی۔ فرمایا: یہ آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس ؓ۔

اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ ﷻ اور دوسری میری عترت اہل بیت ہے۔ اب تم غور کرو کہ کس طرح تم ان دونوں کے بارے میں میری نیابت کرو گے۔

(سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت جلد ۵ صفحہ ۳۲۹۔۳۲۸)

حضور ﷺ نے فرمایا: آل نبی ﷺ کی معرفت دوزخ سے نجات اور آل نبی ﷺ سے محبت صراط پر گزرنے میں آسانی اور آل نبی ﷺ کی ولایت کا اقرار عذاب الٰہی سے حفاظت ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آل نبی ﷺ کی منزلت کی معرفت نبی کریم ﷺ کی معرفت و عزت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جس نے آل نبی ﷺ کی عزت پہچان لی بلاشبہ اس نے ان کی اس عزت و حقوق کی معرفت پالی جو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ ؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ. (پ ۲۲ الاحزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اتری تھی تو اس وقت حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ایک چادر میں ان کو ڈھانپ لیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور ﷺ کے پس پشت بیٹھے تھے۔ پھر حضور نے یہ دعا کی: اے خدا یہ میری اہل بیت ہے ان سے یہ رِجس (پلیدی) کو دور فرما کر طیب و طاہر بنا دے۔ (سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ جب آیت مباہلہ اتری تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہ ؓ کو بلایا اور کہا کہ اے خدا یہ لوگ میرے اہل ہیں

(صحیح مسلم کتاب فضائل علی جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۱)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ کے حق میں فرمایا: جس نے علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دوست رکھا تو علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی اس کے دوست ہیں۔ اے خدا جس نے ان سے دوستی رکھی تو بھی

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۳

اس کو دوست رکھ اور جس نے ان سے دشمنی کی تو بھی اسے مبغوض رکھ[1] اور یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں فرمایا:

اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم سے مسلمان ہی محبت رکھے گا اور منافق ہی تمہارا دشمن ہوگا[2] اور حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان نہ ہوگا یہاں تک کہ تم کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے دوست نہ رکھے اور جس نے میرے چچا کو ایذا دی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی اس لئے کہ چچا کا مرتبہ بمنزلہ باپ کے ہے اور (ایک دن) حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے چچا کل صبح اپنے بچوں کے ساتھ میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ سب آئے اور حضور ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ لیا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں اور یہ میری اہل ہے اور خدا ان کو آگ سے اس طرح چھپائے رکھ جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔ اس پر گھر کے در و دیوار نے آمین آمین کہا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۷۱)

(اسی طرح) حضور ﷺ اسامہ بن زید اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑتے اور دعا مانگتے: اے خدا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۲۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت وتکریم آپ کی اہل بیت میں کرو[3] اور یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی قرابت اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی قرابت کے ساتھ صلۂ رحمی کروں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب قرابہ رسول اللہ ﷺ جلد ۵ صفحہ ۱۸، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۰)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے حسن رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس نے اللہ ﷻ سے محبت رکھی[4] اور یہ بھی فرمایا: جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے ان دونوں (یعنی حسن وحسین رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اور یہ کہ ان دونوں کے والدین میرے ساتھ میری جگہ پر بروز قیامت ہوں گے۔[5]

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کی بے عزتی کی اللہ ﷻ اس کی بے عزتی

۱۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۔۱۱۸

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۶

۳۔ صحیح بخاری کتاب مناقب قرابہ رسول اللہ ﷺ جلد ۵ صفحہ ۱۸

۴۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲، مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱

۵۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲، مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱

کرے[1] اور فرمایا: قریش کو آگے بڑھاؤ تم ان سے آگے نہ بڑھو۔[2] اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵)

عقبہ بن حرث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے کندھوں پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سوار ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے ماں باپ قربان یہ نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہیں اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مشابہ نہیں ہیں اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مسکرا رہے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی ضرورت سے گیا۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا: جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیا کرو یا خط لکھ دیا کرو کیونکہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ آپ بنفس نفیس خود کسی ضرورت سے میرے دروازہ پر تشریف لائیں۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے جنازہ کی صلوٰۃ پڑھی اس کے بعد ان کے پاس ان کا خچر لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہو جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر اس کی رکاب کو تھام لیا۔ تب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد اسے چھوڑ دیجئے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دست اقدس کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہمیں اہل بیت نبی ﷺ کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہا:

کاش یہ میرے غلام ہوتے۔ اس وقت کسی نے آپ سے کہا کہ یہ تو محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تب آپ نے اپنا سر جھکا لیا اور زمین کو ہاتھوں سے کریدنے لگے اور کہا: اگر انہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو ضرور محبوب رکھتے۔

صحابی رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اپنے غلام کا ہاتھ پکڑے پہنچی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس صاحبزادی کے لئے کھڑے ہو گئے اور دوڑ کر ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بچی (صاحبزادی) کا ہاتھ

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۷۳

۲۔ بزار فضل قریش جلد ۳ صفحہ ۲۹۶

اپنے ہاتھوں میں کپڑا لپیٹ کر تھام لیا اور ان کو ساتھ لے کر اپنی مجلس میں لے آئے اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور جو بھی ضرورت تھی اُسے پورا فرما دیا۔

(اسی طرح) حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے اپنے فرزند عبداللہ ﷛ کے لئے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) اور حضرت اسامہ بن زید ﷛ کے لئے ساڑھے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) مقرر فرمائے تو حضرت عبداللہ ابن عمر ﷛ نے اپنے والد ماجد سے کہا: آپ نے حضرت اسامہ ﷛ کا اتنا کیوں زیادہ مقرر فرمایا حالانکہ خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کسی جنگ میں بھی سبقت نہیں لی ہے۔ تب حضرت عمر ﷛ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ حضرت زید ﷛ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اسی لحاظ سے حضرت اسامہ ﷛ تم سے زیادہ حضور ﷺ کو محبوب تھے۔ لہٰذا میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے محبوب کو اپنے محبوب (فرزند) پر ترجیح دی ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۳۰)

حضرت امیر معاویہ ﷛ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ کابس بن ربیعہ ﷛ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت صوری رکھتے ہیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) جب وہ گھر کے دروازہ میں داخل ہوئے اور آپ کے دربار میں پہنچے تو آپ اپنے تخت پر (تعظیم کے لئے) کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور مرغاب کا علاقہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت صوری کی بنا پر ان کو عنایت فرما دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے جب جعفر بن سلیمان نے کوڑے مارے تھے اور وہ امام پر بہت ناراض ہوا تھا اور آپ کو بے ہوش وہاں سے اٹھا کر لایا گیا تھا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو لوگ (مزاج پرسی کے لئے) آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: میں نے اپنے مارنے والے (جعفر بن سلیمان) کو معاف کر دیا۔ کسی نے پوچھا: کیوں آپ معاف فرما رہے ہیں؟

فرمایا: اس لئے کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اگر مجھے موت آ گئی اور اس وقت نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو مجھے شرمندگی ہوگی کہ میری مار کے سبب سے حضور کے کسی قرابتی کو جہنم میں ڈالا جائے۔ (اللہ اکبر یہ عظمت ہے آل نبی ﷺ کی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ منصور نے امام کا بدلہ جعفر سے لینے کا ارادہ کیا تو امام نے فرمایا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں واللہ اس کے کوڑوں میں سے جو کوڑا ابھی میرے جسم سے ہٹتا تھا میں اسی وقت معاف کر دیتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی رسول ﷺ سے قرابت ہے۔

حضرت ابوبکر بن عیاش ﷛ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علی ﷛ کسی ضرورت سے تشریف لائیں تو پہلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ضرورت کو پورا

کروں گا کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے۔ اگر مجھے آسمان سے زمین پر بھی ڈال دیا جائے تو بھی مجھے یہ محبوب ہوگا کہ ان دونوں پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقدم رکھوں۔ (اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے شیخین افضل ہیں لیکن قرابت کے لحاظ سے انہیں فوقیت ہے۔ مترجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں زوجہ نبی کریم ﷺ انتقال کر گئی ہیں تو آپ نے سجدہ کیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کون سا سجدہ کا وقت ہوا۔ فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب تم کسی نشانی (آیت) کو دیکھو تو سجدہ کرو۔ لہٰذا زوجہ نبی ﷺ کے انتقال سے بڑھ کر کون سی نشانی ہوگی۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۷۰، سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی مولاۃ (باندی) تھیں زیارت کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں زیارت سے نوازا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۷)

(اسی طرح) جب دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آتیں تو حضور ﷺ ان کے لئے اپنی چادر بچھاتے اور ان کی ضرورت کو پورا فرماتے۔ جب حضور ﷺ کا وصال ہوگیا اور وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پاس آتیں تو وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)

پانچویں فصل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم

حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت و تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و توقیر، ان کے حقوق کی نگہداشت، ان کی پیروی، خوبی سے ان کو یاد کرنا، ان کے لئے طلب رحمت کرنا، ان کے باہمی تنازعات و اختلافات سے پہلوتہی اور اعراض کرنا اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کرنا ہے اور (اس میں سے یہ بھی ہے کہ) مورخین (کی بے سروپا) خبریں اور جاہل راویوں، گمراہ رافضیوں، اہل بدعت وہوا کی وہ خبریں جس میں کسی صحابی کی شان رفیع میں جرح وقدح کی گئی ہے اور ہر وہ بات جو ایسے لوگوں کی طرف سے (بلاتحقیق) منقول ہوں ان سب سے بچنا اور اعتماد نہ کرنا لازم ہے اور (اسی طرح) صحابہ کرام میں جو باہمی تنازعات ہوئے تھے انہیں تاویل حسن اور عمدہ مخرج پر محمول کرنا چاہئے اس لئے کہ صحابہ کرام کی علو مرتبت اسی کی مقتضی اور مستحق ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کو برائی اور سوء قصد سے یاد نہ کیا جائے اور نہ کسی پر کوئی عیب والزام منسوب کیا جائے بلکہ ان کے فضائل و مناقب

حسنات و برکات اور خصائل محمودہ کو یاد کیا جائے اور ان کے سوا دیگر امور سے سکوت و خاموشی اختیار کی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میرے صحابہ کو (برائی سے) یاد کیا جائے تو خاموش رہو[1]۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ۔ (پ ۲۶ الفتح ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ۔ (پ ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

ایمان میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے مہاجر و انصار ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔ (پ ۲۶ الفتح ۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۔ (پ ۲۱ الاحزاب ۲۳)

کچھ مرد وہ ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء و پیروی کرو[2] اور فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مثال ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تم راہ یاب ہو جاؤ گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کھانے میں نمک کی مثل ہیں کہ کھانا بغیر نمک کے عمدہ ہوتا ہی نہیں[3] اور فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ ﷻ سے ڈرو انہیں اپنی اغراض مشکوکہ کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی اور جس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آئے گا اور فرمایا:

۱۔ طبرانی کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۳

۲۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۶۷۲ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳۷

۳۔ کشف الاستار جلد ۳

کہ میرے صحابہ کو برا (گالی) نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے (جو صحابی نہیں ہے) کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو میرے صحابہ کے ایک مُد یعنی دو رطل یا اس کے آدھے کی برابر بھی نہیں پہنچ سکتا[1] اور فرمایا:

جس نے میرے صحابہ کو گالی دی تو اس پر اللہ ﷻ کی اور اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ ﷻ اس شخص کا کوئی فرض و نفل قبول نہ فرمائے گا[2] اور فرمایا:

جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو خاموش رہو اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ ﷻ نے سارے جہان کے لوگوں پر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ میرے صحابہ کو فضیلت بخشی ہے۔ پھر ان میں سے میرے لئے چار صحابہ کو منتخب فرمایا۔ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ میرے صحابہ میں سب سے بہتر ہیں۔ درآنحالیکہ تمام صحابہ ہی بہترین ہیں[3] اور فرمایا:

جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔[4]

حضرت مالک ابن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ سے دشمنی کی اور انہیں گالیاں دی تو اس کا کوئی حق مسلمانوں کے مال غنیمت میں نہیں ہے اور یہ مسئلہ سورۂ حشر کی اس آیت وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ. سے استخراج کیا اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے حضور ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ. (پ ۲٦ الفتح ۲۹) تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا ایک صدق (سچائی) دوسری حضور ﷺ کے صحابہ سے محبت۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی بیشک اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس پر سیدھا راستہ کشادہ ہو گیا اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی تو وہ اللہ ﷻ کے نور سے مستفیض ہوا اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی بلاشبہ اس نے عروۂ وثقی (مضبوط رسی) تھام لی اور جس نے تمام صحابہ کرام کی خوبی کے ساتھ تعریف کی تو وہ نفاق سے بری ہو گیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص شان کی وہ مبتدع، مخالف سنت اور طریقۂ سلف صالح کا دشمن ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ ایسے شخص کا کوئی عمل (خیر) آسمان پر صعود نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے اور ان سے اس کا دل سالم ہو۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۹٦۷

۲۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۷ صفحہ ۱۰۳، مسند الفردوس جلد ۵ صفحہ ۱۲

۳۔ مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱٦

۴۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ٦۹

اور خالد بن سعید ﷺ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں حضرت ابوبکر ﷺ سے راضی ہوں تم بھی ان کو پہچان لو۔ اے لوگو! میں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعدؓ حضرت سعیدؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ سے راضی ہوں تم بھی ان سب کو پہچان لو۔ اے لوگو! اللہ ﷻ نے تمام اہل بدر و حدیبیہ کو بخش دیا ہے۔ اے لوگو! میرے صحابہؓ میرے خسر اور میرے داماد کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھو۔ ان میں سے کوئی تم سے اپنا ظلم (بدگوئی لعن طعن وغیرہ کر کے) طلب نہ کرے کیونکہ وہ ظلم ہے جو کل بروز قیامت نہ بخشا جائے گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۵۷)

ایک شخص نے معاقی بن عمر سے کہا: کہاں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور کہاں حضرت معاویہ ﷺ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ ﷺ پر بوجہ عدل فضیلت ہے) اس پر وہ غصہ ہوئے اور کہا: حضور ﷺ کے صحابہ کے ساتھ دوسروں کو قیاس مت کرو کیونکہ حضرت معاویہ ﷺ حضور ﷺ کے صحابیؓ حضور ﷺ کے صہر (سالے یعنی زوجہ کے بھائی) حضور ﷺ کے کاتب وحی اور اللہ ﷻ کی وحی کے امین تھے۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ عثمان ﷺ سے بغض و دشمنی رکھتا تھا لہٰذا خدا بھی اس سے دشمنی رکھتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۴)

حضور ﷺ نے انصار کے بارے میں فرمایا: مسلمانو! ان کی برائیاں (لغزشیں) معاف کر دو اور نیکیاں قبول کر لو[1] اور فرمایا: میرے صحابہ اور سسرال کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کرو جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھی اسے اللہ ﷻ دنیا و آخرت میں محفوظ رکھے گا اور جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد نہ رکھی تو وہ خدا کی امان سے علیحدہ ہوگا اور جو اللہ ﷻ کی امان سے علیحدہ ہوا تو وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آنے والا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶)

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کی تو میں بروز قیامت اس کا محافظ ہوں گا اور فرمایا:

جس نے میرے صحابہ کے بارے میری نصیحت کی حفاظت کی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آ جائے گا اور جس نے حفاظت نہ کی وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ مجھ دیکھ بھی نہ سکے گا مگر یہ کہ وہ مجھ سے بہت دور ہوگا۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶)

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۰ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۶ صفحہ ۱۹۴۹

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبی محترم ہیں جو لوگوں کو ادب سکھاتے ہیں اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی وجہ سے ہمیں ہدایت دی اور یہ وہ نبی ہیں جو سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ آدھی رات کو آپ ﷺ بقیع کی طرف تشریف لے جاتے ہیں ان کے لئے دعا مانگتے اور استغفار کرتے ہیں۔ اس طرح پر جیسے کہ کوئی انہیں رخصت کرتا ہے اور اسی بات کا تو حضور کو اللہ ﷻ نے حکم دیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی محبت، دوستی کا حکم دیا اور حضور ﷺ نے ان سے دشمنی کا حکم دیا جو ان سے دشمنی رکھے۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت کریں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۳)

سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص حضور ﷺ کے صحابہ کی عزت وتوقیر نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے احکام ونصیحت کی عظمت نہیں کرتا اور وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا۔

چھٹی فصل

آثار ومقامات متبرکۂ نبویہ ﷺ کی تعظیم

حضور ﷺ کی عظمت واحترام میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ ﷺ سے منسوب ہو اس کی عزت وعظمت کی جائے۔ آپ ﷺ کی محافل مقدسہ، مقامات معظمہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مکانات منسوبہ اور ہر وہ چیز جس کو آپ ﷺ نے کبھی چھوا ہو یا جو آپ ﷺ کے ساتھ مشہور ہو گئی ہو ان سب کی تعظیم وتوقیر کرنا (اسی طرح لازم ہے، جس طرح آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر واجب ہے)

صفیہ بنت نجدہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے بال اتنے دراز تھے جب وہ بیٹھ کر لٹکاتے تو زمین سے لگ جاتے تھے۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اسے کٹواتے کیوں نہیں؟ فرمایا: میں اسے ہرگز کٹوانے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہے۔

اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک (بال) تھے جب وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر پڑی تو اس کے لینے کے لئے تیزی سے دوڑے۔ جب اس جہاد میں بکثرت صحابہ کرام شہید ہوئے تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا۔ فرمایا:

میں نے صرف ٹوپی حاصل کرنے کے لئے اتنی تگ ودو نہیں کی ہے بلکہ اس ٹوپی میں حضور

ﷺ کے موئے مبارک (بال) تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اگر مشرکین کے ہاتھ میں پڑ گئی تو اس کی برکت سے میں محروم ہو جاؤں گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۴۹، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۴۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ کے منبر شریف کے اس مقام پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ رکھتے پھر ان کو اپنے چہرہ پر ملتے۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)

اسی عظمت مقام کی وجہ سے حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں جانور پر سوار ہو کر نہ چلتے اور فرماتے کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں سواری کے جانور سے اس ارض مقدس کو پامال کروں جہاں اللہ ﷻ کے رسول ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ بروایت خود آپ ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جبکہ آپ نے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو بہت سے گھوڑے عنایت فرمائے تو انہوں نے عرض کیا: ایک گھوڑا تو آپ ﷺ اپنے لئے روک لیتے اس کے جواب میں مذکورہ قول فرمایا۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمتہ اللہ علیہ' احمد بن فضلویہ زاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوات (جہاد) میں (معروف) تیرانداز تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کمان کو کبھی بغیر وضو نہیں چھوا جب سے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص کو بیس کوڑے مارنے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے (معاذ اللہ) یہ کہا تھا کہ مدینہ کی زمین ردی ہے حالانکہ وہ شخص عزت دار تھا۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص تو گردن مار دینے کے قابل تھا کہ جس مقدس زمین میں حضور ﷺ دفن ہوں وہ اسے پاک (طیب) گمان نہیں کرتا۔

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا: جو شخص اس مقدس سرزمین میں نئی بات (بدعت سیئہ) رائج کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ ﷻ کی' اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس سے کوئی فرض و نفل اللہ ﷻ قبول نہ فرمائے گا۔

ایک روایت ہے کہ جہجاہ غفاری نے حضور ﷺ کی چھڑی مبارک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اس لئے چھینی کہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے۔ لوگ اس پر چیخ پڑے۔ بالآخر اس کے گھٹنے میں آکلہ پیدا ہو گیا (جب وہ گلنے لگا) تو وہ گھٹنہ کاٹا گیا اور اسی سال وہ مر گیا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے منبر کے پاس کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے

اور ابوالفضل جوہری رحمتہ اللہ علیہ سے یہ روایت مجھے ملی کہ جب وہ زیارت کے لئے مدینہ منورہ

حاضر ہوئے تو آبادی شروع ہوتے ہی سواری سے اتر پڑے اور روتے ہوئے پیدل چلنے لگے۔ اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھا۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ لَنَا فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

جب ہم نے اس ہستی مقدس کے نشانات کو دیکھا جس نے ہمارے عقل وخرد کو نشانات کی معرفت کے لئے نہ چھوڑا۔

نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رُكْبًا

تو ہم اس محبوب کی بزرگی کی خاطر اپنی سواریوں سے اتر پڑے تا کہ اس سے بچیں جس نے سوار ہوکر زیارت کی اور دربار سے دور کردیا گیا تھا۔ پاپیادہ چلتے ہیں۔

کسی ایک طالبان حق سے مروی ہے کہ جب وہ مدینہ میں حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا۔

رُفِعَ الْحِجَابُ لَنَا فَلَاحَ لِنَاظِرٍ قَمَرٌ تَقَطَّعَ دُوْنَهُ الْاَوْهَامُ

ہم سے جب پردہ اٹھایا گیا تو دیکھنے والے کو ایسا چاند نظر آیا جس سے تمام اوہام فنا ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَا الْمَطِيُّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدًا فَظُهُوْرُهُنَّ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامٌ

جب ہماری سواری کی حضور تک رسائی ہوجائے تو اب کجاووں پر بیٹھنا حرام ہے۔

قَرَّبْنَنَا مِنْ خَيْرِ مَنْ وَطِئَ الثَّرٰى فَلَهَا عَلَيْنَا حُرْمَةٌ وَذِمَامٌ

ہم کو ایسی بارگاہ میں رسائی میسر آ گئی جو زمین کے پامال کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں تو اب سواریوں کو ہماری جانب سے امن وامان ہو۔

مشائخ کرام سے مروی ہے کہ کسی بزرگ نے پیدل حج کیا۔ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی۔ فرمایا: کیا نافرمان یا بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس سوار ہوکر آتا ہے؟ اگر مجھے قدرت ہوتی تو سر کے بل چل کر حاضر ہوتا نا کہ قدموں کے بل۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مقامات مقدسہ کی بھی تعظیم لازم ہے جہاں وحیٔ قرآنی آیات اور جبریل ومیکائیل علیہما السلام وغیرہ اترے ہیں اور وہاں سے فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اور وہ میدان جہاں تسبیح وتقدیس کی آوازیں گونجا کرتی تھیں اور وہ سرزمین مقدس جہاں حضور سید البشر ﷺ نے اوقات عزیزہ گزارے اور وہاں سے دین اسلام اور سنت رسول انام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور وہ نشانیاں اور مسجدیں جہاں درس دیا جاتا رہا اور نمازیں پڑھی گئیں، فضائل وبرکات

اور معاہدۂ براہین و معجزات اور دینی احکام و مسائل، مسلمانوں کے لئے شعائرِ اسلام، سید المرسلین ﷺ کے قیام پذیر ہونے کے مقامات، خاتم النبیین ﷺ کے وہ منازل و جائے سکونت جہاں سے نبوت کے چشمے جاری ہوئے اور بکثرت فیضانِ رسالت جہان میں پھیلے اور وہ مکانات جہاں رسالت کے فیوض و برکات شامل ہیں اور وہ زمین مقدس جو سید عالم ﷺ کے جسم مقدس سے چھو کر سرفراز ہوئی ان تمام میدانوں کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ وہاں کی خوشبوؤں کی ہوالی جائے ان کے مکانوں، دیواروں کو چوما (بوسہ دیا) جائے۔

يَا دَارَ خَيْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَمَنْ بِهِ هُدَى الْاَنَامِ وَخُصَّ بِالْاٰيَاتِ

اے سید المرسلین کے کاشانۂ اقدس اور ہر وہ چیز جو ان سے منسوب ہے جن سے لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عِنْدِیْ لِاَجْلِکِ لَوْعَةٌ وَصَبَابَةٌ وَتَشَوُّقٌ مُتَوَقِّدُ الْجَمَرَاتِ

میرے پاس تمہارے لئے سوزش، عشق اور ایسا شوق ہے، جس سے چنگاریاں روشن ہیں۔

وَعَلَیَّ عَهْدٌ اِنْ مَلَأْتُ مَحَاجِرِیْ مِنْ تِلْکُمُ الْجُدُرَاتِ وَالْعَرَصَاتِ

قسم بخدا میں اپنی آنکھوں کو تمہارے ان دیواروں اور میدانوں سے بھرلوں گا۔

لَأُعَفِّرَنَّ مَصُوْنَ شَيْبِیْ بَيْنَهَا مِنْ كَثْرَةِ التَّقْبِيْلِ وَالرَّشَفَاتِ

میں ان مقامات کو کثرت سے بوسہ دے کر اور لپٹ کر اپنی سیاہ داڑھی کو گرد آلود کرلوں گا۔

لَوْلَا الْعَوَادِیْ وَالْاَعَادِیْ زُرْتُهَا أَبَدًا وَلَوْ سَحْبًا عَلَى الْوَجَنَاتِ

اگر مجھے موانع اور میرے دشمن نہ ہوتے تو میں ہمیشہ ان کی زیارت کرتا۔ اگرچہ میرے رخسار گرد آلود ہو جائیں۔

وَلٰكِنْ سَاُهْدِیْ مِنْ حَفِيْلِ تَحِيَّتِیْ لِقَطِنِ تِلْکَ الدَّارِ وَالْحُجُرَاتِ

لیکن میں بہت جلد ان گھروں اور کمروں کے رہنے والوں پر صلوٰۃ و سلام کے بکثرت تحفے پیش کروں گا۔

اَزْكٰى مِنَ الْمِسْکِ الْمُفَتَّقِ نَفْحَةً تَغْشَاهُ بِالْاٰصَالِ وَالْبُكُرَاتِ

جو مشک سے زیادہ خوشبو کی لپٹیں مارتی ہوں گی۔ جسے صبح و شام ڈھانک لیں گی۔

وَتَخُصُّهُ بِزَوَاكِی الصَّلَوَاتِ وَنَوَامِیَ التَّسْلِيْمِ وَالْبَرَكَاتِ

ان کو پاکیزہ درود اور زیادتی سلام و برکات سے مخصوص کرتی ہیں۔

چوتھا باب

درود وسلام کی فرضیت وفضیلت

یہ باب حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی فرضیت اور اس کی فضیلت کے بیان کرنے میں ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے (نبی) پاک پر درود بھیجتے ہیں۔

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۱) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے نبی پاک ﷺ پر برکت نازل کرتے ہیں[1] اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ ﷻ نبی پاک پر رحم فرماتا اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں اور میسرہ ؓ کا قول ہے کہ صلوٰۃ کے اصل معنی رحم کرنے کے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ پر اللہ ﷻ کی جانب سے رحم اور فرشتوں کی طرف سے نرمی اور اللہ ﷻ سے رحمت فرمانے کی استدعا ہے۔

اور حدیث میں ملائکہ کی صلوٰۃ کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ شخص جو نماز کے انتظار میں بیٹھے (اس کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں کہ) اے خدا اسے بخش دے اے خدا اس پر رحم فرما گویا یہ فرشتوں کی دعا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)

بکر قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی جانب سے صلوٰۃ کے نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے سوا ہیں ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور خاص نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ نازل فرماتا آپ ﷺ کی بزرگی و کرامت میں اضافہ کرتا ہے۔

ابوالعالیہ ؓ کا قول ہے کہ اللہ ﷻ کی صلوٰۃ یہ ہے کہ مجمع ملائکہ میں حضور ﷺ کی مدح وثنا کرے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ دعا کریں۔

حضرت قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ (خود) پر درود پڑھنے کی تعلیم کی اور حدیث میں لفظ صلوٰۃ اور لفظ برکت کے درمیان فرق فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ دلیل اس امر کی ہے کہ ان دونوں لفظوں کے جداگانہ معنی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ وہ آپ ﷺ پر سلام بھیجیں تو اس

۱۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۴۶

بارے میں قاضی ابوبکر ابن بکیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ حضور پر اس آیت کریمہ کے نازل فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ پر سلام پیش کریں۔ اسی طرح صحابہ کے بعد والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بوقت حاضری قبرِ انور اور بوقت ذکر حضور ﷺ آپ پر سلام عرض کریں۔

آپ ﷺ پر سلام عرض کرنے کے معنی میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے رفیق پر سلامتی ہو۔ اس معنی میں ''سلامت'' مصدر ہو گا جیسے لذاذ اور لذاذت۔

دوسرا قول یہ کہ سلام کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محافظین، آپ ﷺ کی رعایت کرنے والوں، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کی کفالت کرنے والوں پر سلام ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے سلام اللہ ﷻ کا نام (اسمائے حسنی میں سے) ہو گا۔

تیسرا قول یہ کہ سلام بمعنی مسالمت یعنی آپ ﷺ سے صلح و فرمانبرداری کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پ۵ النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہیں ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پہلی فصل

درود شریف کی فرضیت

واضح ہونا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا فی الجملہ فرض ہے۔ کسی خاص وقت کے ساتھ محدود معین نہیں ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر علی الاطلاق درود بھیجنے کا حکم دیا۔

ائمہ و علماء نے اس حکم کو وجوب پر محمول کیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے اور ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو استحباب پر حمل کر کے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ایک مرتبہ سے زیادہ مستحب ہو چونکہ ایک مرتبہ درود پڑھنے سے بوجہ حرج کے واجب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ گناہ جو ترک واجب و فرض سے لازم آتا ہے وہ صرف ایک مرتبہ ہے جس طرح حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا (کہ صرف عمر میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا فرض ہے)

اس کے بعد مستحب و محبوب ہے اور اہل اسلام کے شعار و علامات میں سے ہے۔

قاضی ابوالحسن بن قصاء رحمۃ اللہ علیہ جو مالکیوں میں مشہور (فقیہ ہیں) فرماتے ہیں کہ درود بھیجنا فی الجملہ انسان پر واجب ہے اور اس پر فرض ہے کہ اپنی تمام عمر میں باوجود قدرت زیادتی کے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

اور قاضی ابوبکر بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنی تمام مخلوق پر فرض کیا ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کریں۔ اس کے لئے کوئی معین وقت لازم نہیں ہے۔ لہٰذا انسان پر واجب ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے اور اس سے غفلت نہ برتے۔

قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

قاضی ابوعبداللہ محمد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اہل علم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ فی الجملہ بعد ایمان حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ نماز میں پڑھنے کی تخصیص نہیں ہے۔ کسی نے ایک مرتبہ بھی اپنی تمام عمر میں آپ ﷺ پر درود پڑھ لیا تو فرض اس سے ساقط ہو گیا۔

اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ جس درود شریف کے پڑھنے کا اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے وہ صرف نماز میں فرض ہے اور اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بالاتفاق واجب نہیں ہے اور امام ابوجعفر طبری اور امام طحاوی رحمہا اللہ وغیرہ نے تمام متقدمین و متاخرین علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر تشہد (قعدہ نماز) میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ تنہا ہیں۔ ان کا قول ہے کہ جس نے تشہد کے بعد سلام سے پہلے درود نہ پڑھا' اس کی نماز فاسد ہے۔ اگر چہ وہ حضور ﷺ پر اس سے پہلے درود پڑھ چکا ہو پھر بھی جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول میں نہ تو کسی سلف کا قول ہے اور نہ سنت مروی۔ جس کی پیروی کی جائے۔ اس مسئلہ کے انکار و مخالفت میں متقدمین کی ایک جماعت نے مبالغہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ متقدمین کے برخلاف ہے۔ ان میں سے طبری اور قشیری رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔

ابوبکر بن منذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو نماز پڑھے اس پر نماز میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور جس نے نماز میں درود شریف کو چھوڑ دیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' اہل کوفہ وغیرہ کے مذہب میں نماز ہو جائے گی اور یہی مذہب تمام اہل علم کا ہے۔

حضرت امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ آخری تشہد میں مستحب ہے اور اگر اس نے چھوڑ دیا تو گناہگار ہوگا۔ صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منفرد قول ہے کہ نماز میں چھوڑنے والے پر

نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ قصداً چھوڑنے والے پر اعادہ واجب بتاتے ہیں نہ کہ بھول کر چھوڑنے والے پر۔

ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرض ہے اور ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم فرائض نماز میں سے نہیں ہے۔ اسے محمد بن عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا اور ابن قصار و عبدالوہاب رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مواز رحمۃ اللہ علیہ نماز میں درود کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فرض خیال کرتے ہیں۔

اور ابو یعلیٰ عبدی رحمۃ اللہ علیہ مالکی مذہب کے تین قول بیان کرتے ہیں۔

1. وجوب، 2. سنت اور 3. مستحب۔

شوافع میں سے خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز میں درود واجب نہیں ہے اور یہی قول تمام فقہاء کا ہے بجز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ میرے علم میں نہیں کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی پیشوا ہو۔ اب رہی اس کی دلیل کہ یہ فرائض نماز میں سے نہیں ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے تمام سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے۔ بلاشبہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر لوگوں نے خوب مخالفت میں شدت برتی ہے اور وہ تشہد جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے جسے ان کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ مگر ان کی روایت میں حضور ﷺ پر درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح ہر وہ تشہد کی روایت جو حضور ﷺ سے مروی ہے مثلاً روایت حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، جابر، ابن عمر، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری [1] اور عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہم کسی میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح سورۃ قرآنی سکھاتے تھے۔ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر اس طرح ہمیں تشہد سکھاتے تھے جس طرح بچوں کو کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشہد کو سکھایا [2] اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ [3] اس روایت کو تمام محدثین نے

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۲ سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۹۷۔ ۵۹۴

۲۔ مستدرک کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶، للبیہقی کتاب الصلوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۰، دارقطنی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵۵، سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷۹، مستدرک کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۶۶

ضعیف بتایا ہے۔

ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود ﷺ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میری اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول وہ ہے جو ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین ﷺ سے مروی ہے کہ اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی اہل بیت پر درود نہ پڑھوں تو یقیناً میرے نزدیک ایسی نماز پوری نہ ہوگی۔

دوسری فصل

وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے

حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا جہاں مستحب ہے اور جس کی ترغیب دی ہے اب ان مواقع کو بیان کیا جاتا ہے۔ اول مقام تو تشہد ہے جس کی حضور ﷺ نے ترغیب دی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے کہ یہ تشہد کے بعد دعا سے پہلے ہے۔

حدیث: فضالہ بن عبید ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا مانگی مگر نبی کریم ﷺ پر اس نے درود نہ پڑھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی پھر اسے بلایا' اسے اور دوسروں کو تعلیم فرمائی کہ جب تم نماز پڑھو تو اللہ ﷻ کی حمد و ثنا سے شروع کرو پھر مجھ پر درود پڑھو اس کے بعد جو چاہو دعا مانگو۔ دوسری سند میں ہے کہ اللہ ﷻ کی تمجید سے شروع کرو یہی سند صحیح ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۲ صفحہ ۶۲' سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۸' سنن نسائی کتاب الصلوۃ جلد ۳ صفحہ ۴۴)

حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے کہ دعا اور نماز آسمان و زمین کے مابین معلق رہتی ہے۔ اللہ ﷻ کے حضور میں اس وقت تک باریاب نہیں ہوتی جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔
(سنن ترمذی کتاب جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)

حضرت علی ﷺ حضور نبی کریم ﷺ سے اسی کے ہم معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وَعَلٰی آلِ مُحَمَّد" بھی کہا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ دعا اس وقت تک محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب تک دعا مانگنے والا نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اللہ ﷻ سے سوال کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اس کی شان جلالت و کبریائی کے مطابق اس کی حمد و ثنا کرے پھر نبی کریم ﷺ پر

درود پڑھے اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے کیونکہ اس کے بعد سزاوار ہے کہ وہ جو مانگے قبول ہو۔
(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی مانند نہ بناؤ کہ سوار اپنے پیالے کو پانی سے بھرتا ہے پھر اسے رکھتا ہے اور سامان اٹھاتا ہے۔ جب اسے پانی کی حاجت ہوتی ہے تو اس سے پیتا ہے، وضو کرتا ہے ورنہ اسے پھینک دیتا ہے لیکن مجھے تم اپنی دعا کے اول وآخر اور درمیان میں رکھو۔ (یعنی تین مرتبہ درود پڑھو) (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ارکان، پَر، سامان اور اوقات ہیں پس اگر دعا ارکان کے موافق ہوئی تو قوی ہوگی اور اگر پروں کے موافق ہوئی تو آسمان کی طرف اڑ جائے گی اور اگر وقتوں کے موافق ہوئی تو کامیاب ہو جائے گی اور اگر اسباب کے موافق ہوئی تو کمال تک پہنچ جائے گی۔ دعا کے ارکان حضور قلب، رقت سکون وقرار، خشوع اور اللہ ﷻ کے ساتھ دلی لگاؤ ہے اور اسباب وعلائق سے قطع تعلق ہے اور اس کے پَر صدق وسچائی اور اس کے اوقات صبح اور اس کے اسباب نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ دو(۲) درودوں کے درمیان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر ایک دعا آسمانوں میں محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دعا بھی ساتھ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس ﷺ کی وہ دعا جسے حنش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی جس کے آخر میں اَسْتَجِبْ دُعَائِی (میری دعا قبول فرما) ہے اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر یہ درود ہے کہ اَنْ تُصَلِّیْ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَرَسُوْلِکَ اَفْضَلُ مَا صَلَّیْتَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْنْ۔

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے مواقع اور مقامات میں سے یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر کرے یا آپ ﷺ کا اسم مبارک سنے یا لکھے یا اذان سنے (تو درود پڑھے)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ورسوا ہو) جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی کتاب جلد ۵ صفحہ ۲۱۰)

ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ جانور کے ذبح کرتے وقت نبی کریم ﷺ کے ذکر کو مکروہ جانتے ہیں اور سحون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت درود پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور کہا کہ حساب وکتاب اور ثواب کی نیت سے ہی درود شریف پڑھا جائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہا: دو مقام ایسے ہیں جہاں بجز ذکر الٰہی کے کچھ نہ کہا جائے۔ ایک وقت ذبح دوسرے چھینک کے بعد۔ ان دونوں جگہوں پر ذکر الٰہی کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہا جائے اور اگر ذکر الٰہی کے بعد "صلی اللہ علی محمد" کہا تو اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ اس درود کا ذکر نہ ہوگا۔ (یعنی بوقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ثابت نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں ذبح تسمیہ کے ساتھ ہی حلال ہوگا اور یہ اضافہ بہ نیت تقریب الٰہی ہوگا جو مکروہ نہیں ہے۔ مترجم) اس روایت کو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: یہ سزاوار نہیں کہ بوقت ذبح یا چھینک کے ابتداء میں حضور ﷺ پر درود پڑھے۔ (اس صورت میں ابہام وفساد کا خطرہ ہے)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی کہ بروز جمعہ کثرت سے درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔

(اسی طرح) درود وسلام کے بھیجنے کے مواقع میں سے دخول مسجد ہے۔ ابو اسحٰق بن شعبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس شخص کو لائق ہے (چاہئے) کہ جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجے اور آپ ﷺ کی آل پر رحمت و برکت کا خواستگار ہو اور آپ ﷺ کی آل پر سلام عرض کرے پھر کہے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (اے خدا میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو اسی طرح کرے کیونکہ مسجد کو اللہ ﷻ نے اپنے فضل و رحمت کا مقام گردانا ہے۔

عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ اسی آیہ کریمہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ. پھر جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو۔ (پ ۱۸ النور ۶۱) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو: اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادَ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ. اَلسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِ الْبَیْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بیوت (گھروں) سے مراد مسجدیں ہیں[1] اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہو: "اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ" اور جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادَ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ"

علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو کہتا ہوں: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ صَلَّی اللّٰهُ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ" اسی طرح کعب رضی اللہ عنہ

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۲۲۷

سے مروی کہ جب مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے تو یہ کہتے مگر درود بھیجنے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر کیا ہے تو ان کی دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے ایسا ہی کرتے اور اسی کی مثل ابوبکر بن عمرو بن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ انہوں نے سلام ورحمت کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم نے آخری قسم میں بیان کر کے لفظوں کے اختلاف کو ظاہر کیا ہے۔

مقامات درود میں سے جنازہ کے ساتھ درود پڑھنا بھی ہے۔ ابوامامہ ﷺ کی روایت سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہے اور انہی مقامات درود میں سے وہ مقامات جن پر امت کا عمل برابر چلا آ رہا ہے اور کسی نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجنے کا انکار نہیں کیا۔ مثلاً رسالوں اور کتابوں میں بسم اللہ کے بعد درود کے صیغے لکھنے کا تعامل (عمل) ہے۔ حالانکہ یہ عمل صدر اول میں نہ تھا بنی ہاشم کے دور حکومت کے وقت سے رائج ہوا۔ اس کے بعد تمام روئے زمین پر یہ عمل پھیل گیا اور انہیں سے یہ ہے کہ رسالوں کتابوں کے اختتام پر بھی درود لکھا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے فرشتے برابر ہمیشہ اس لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ (اللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا مِنْ ھٰذَا الفَضِیْلَۃ) اور مقامات درود میں سے نماز میں تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود پڑھنا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ آخر تک یعنی وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ. جب تم یہ پڑھو گے تو اس کی وہ رحمت جو آسمان وزمین کے ہر نیک بندے کے لئے ہے اسے ملے گی۔ سلام کے مواقع میں سے یہ ایک موقع ہے اور سنت یہ ہے کہ یہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سے پہلے کہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر ﷺ سے یہ روایت کی ہے کہ وہ یہ اس وقت پڑھا کرتے جب وہ تشہد سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرنے کا قصد کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں اسے مستحب رکھا کہ ایسا ہی قبل سلام بھی دوبارہ پڑھے۔ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کی مراد وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر ﷺ سے مروی ہے۔ وہ دونوں سلام پھیرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا کرتے تھے۔

اہل علم اسے مستحب جانتے ہیں کہ بوقت سلام انسان آسمان وزمین کے ہر صالح بندے خواہ وہ فرشتے ہوں' بنی آدم ہوں یا جن ہوں سب کی نیت کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مجموعہ'' میں فرمایا: میں مقتدی کے لئے مستحب جانتا ہوں کہ جب اس کا امام سلام کہے تو وہ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے۔

تیسری فصل

درود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات

☆ حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش کرے۔ چنانچہ

حدیث: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ پر ہم کس طرح درود بھیجیں؟ فرمایا: یوں کہو ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (بخاری' مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ' نسائی' بحوالہ تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۴۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت جو حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یوں کہو ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' اور سلام وہی ہے جیسا کہ تم کو سکھایا گیا ہے۔

اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''

اور حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ. (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۶۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اور اس کے معنی بیان کئے۔

حدیث: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان کلمات کو رسول اللہ ﷺ

نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور ارشاد فرمایا: ان کو جبریل علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور فرمایا کہ اسی طرح یہ رب العزت ﷻ کی جناب سے نازل ہوئے۔ وہ یہ کہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اسے پورا ناپ (ثواب) دیا جائے جب وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود پڑھے تو چاہئے کہ یہ پڑھے:
"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"

اور زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو فرمایا: درود پڑھو اور دعا میں خوب کوشش کرو پھر کہو: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

سلامہ کندی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا یوں سکھایا:

اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوْکَاتِ اِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِکَ وَنَوَامِیَ بَرَکَاتِکَ وَرَاْفَةَ تَحَنُّنِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَیْشَاتِ الْاَبَاطِیْلِ کَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِکَ لِطَاعَتِکَ مُسْتَوْفِزًا فِیْ مَرْضَاتِکَ دَاعِیًا لِوَحْیِکَ حَافِظًا لِعَھْدِکَ مَاضِیًا عَلٰی نَفَاذِ اَمْرِکَ حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسًا لِقَابِسٍ اٰلَاءَ اللّٰہِ تَصِلُ بِاَھْلِہٖ اَسْبَابُہٗ بِہٖ ھُدِیَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْھَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْاَحْکَامِ وَمُنِیْرَاتِ الْاِسْلَامِ فَھُوَ اَمِیْنُکَ الْمَاْمُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِکَ الْمَخْزُوْنِ وَشَھِیْدُکَ یَوْمَ الدِّیْنِ وَبَعِیْثُکَ نِعْمَةً وَّرَسُوْلُکَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰھُمَّ

اَفْسَحْ لَهُ فِيْ عَدْلِكَ وَاَجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ مُهَنَّاٰتٍ لَهُ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِّنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَحْلُوْلِ وَجَزِيْلِ عَطَائِكَ الْمَعْلُوْلِ اَللّٰهُمَّ اَعْلِ بِنَاءَ النَّاسِ بِنَاءَهٗ وَاَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهٗ وَاَتِمَّ لَهُ نُوْرَهٗ وَاَجْزِهٖ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهُ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ وَمَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ ذَامَنْطِقٍ عَدْلٍ وَ خُطَّةٍ فَصْلٍ وَبُرْهَانٍ عَظِيْمٍ.

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے میں یہ بھی منقول ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاةُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْئٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ.

اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ. اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهٗ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ جلد ا صفحہ ۲۹۳)

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ حوض مصطفیٰ ﷺ سے پورا پیالہ پیے تو وہ یہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَوْلَادِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِبَيْتِهٖ وَاَصْهَارِهٖ وَاَنْصَارِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ وَاُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرّٰاحِمِيْنَ.

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ پڑھا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَةَ الْعُلْيَا وَاٰتِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى.

وہب بن ورد رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا سَأَلَكَ لِنَفْسِهٖ وَاَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا اَنْتَ مَسْئُوْلٌ لَهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب تم نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا کرو تو بہترین درود پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے کہ کون سا درود حضور ﷺ پر پیش کیا جائے؟

یوں کہو: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ. اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

اور اہل بیت اطہار وغیرہ سے بڑی بڑی طول وطویل درودیں اور بکثرت تعریفیں منقول ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ سلام پڑھو جو تمہیں سکھایا گیا ہے تو اس سے تشہد میں وہ سلام مراد ہے جو آپ ﷺ نے سکھایا یہ کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ.

حضرت علی مرتضٰی ﷺ کے تشہد میں یوں آیا ہے: اَلسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مَنْ غَابَ مِنْھُمْ وَمَنْ شَھِدَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ وَّتَقَبَّلْ شَفَاعَتَہٗ وَاغْفِرْ لِاَھْلِ بَیْتِہٖ وَاغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَمَا وَلَدَ وَارْحَمْھُمَا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

حضرت علی مرتضٰی ﷺ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کے لئے دعائے مغفرت آئی ہے اور اس سے پہلے درود کی حدیث میں بھی انہیں کی حدیث میں دعائے رحمت وارد ہے لیکن ان کے علاوہ کسی مشہور مرفوع حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے دعائے رحمت نہیں مانگنی چاہئے بلکہ آپ کے لئے صرف اس درود و برکت کی دعا مانگنی چاہئے جو کہ حضور ﷺ کے لئے خاص ہے۔ البتہ دوسروں کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا مانگنی چاہئے۔

ابومحمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ پر درود کی حدیث میں ذکر کیا کہ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَآلِ مُحَمَّدًا کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ لیکن یہ بات بھی صحیح حدیث میں نہیں آئی۔ اس کی دلیل خود حضور ﷺ کا ارشاد حدیث سلام ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

چوتھی فصل

درود وسلام کی فضیلت

حضوراکرم ﷺ پر درود وسلام اور دعا کی فضیلت یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب مؤذن کی اذان سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی وہی کہو اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ ﷻ کی دس رحمتیں ہوں گی۔ پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف بندگان خدا میں سے کسی ایک کو حاصل ہوگا۔ میں خواستگار ہوں کہ وہ میں ہی ہوں تو جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگی تو اس پر شفاعت حلال ہو گئی۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۵)

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ﷻ اس پر دس رحمتیں فرمائے گا اور اس سے دس گناہ محو (معاف) کر کے اسے دس درجے بلند کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(مستدرک کتاب الدعاء جلد ۱ صفحہ ۵۵۰ سنن نسائی کتاب الصلوۃ علی النبی ﷺ جلد ۳ صفحہ ۵۰)

حضرت انس ؓ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ جس نے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ﷻ اس پر دس (رحمتیں) فرمائے گا اور دس درجے اسے بلند کرے گا۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۱)

اور ایک روایت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جبریل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کر کے کہا: میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے جس نے آپ ﷺ پر سلام پیش کیا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا اور جس نے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجا میں اس پر اتنی ہی رحمت نازل کروں گا۔ (مستدرک کتاب الدعا جلد ۱ صفحہ ۵۵۰)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ، مالک بن اوس بن حدثان، عبداللہ بن ابی طلحہ، زید بن حباب ؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۴)

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی کہ بروز قیامت میرے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا۔ (سنن ترمذی کتاب الطلوع جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا برابر فرشتے اس کے لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

حضرت عامر بن ربیعہ ﷺ سے مروی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے مجھ پر درود بھیجا تو فرشتے اس پر اس وقت تک طالب رحمت رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اب چاہے بندہ کم بھیجے یا زیادہ۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۴ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۵)

حضرت ابی بن کعب ﷺ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو کھڑے ہو کر فرماتے: اے لوگو ذکر الٰہی کرو فتنہ و فساد کا وقت آ گیا اور اس کے پیچھے علامات قیامت ظاہر ہو گئیں۔ موت اپنی تکلیفوں کے ساتھ آ گئی۔

حضرت ابی بن کعب ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ ﷺ پر درود کے لئے کتنا وقت مقرر کرلوں؟

فرمایا: جتنا تم چاہو۔ عرض کیا: چوتھائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: تہائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: دو تہائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اپنا تمام وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لئے وقف کرتا ہوں۔

فرمایا: اس وقت تمہیں کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی کتاب جلد ۴ صفحہ ۵۳)

حضرت ابو طلحہ ﷺ سے مروی کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ایسی رونق و بشاشت دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے استفسار کیا تو فرمایا: مجھے ایسی مسرت سے کون روک سکتا ہے۔ بیشک ابھی ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ میرے رب ﷻ کی طرف سے خوشخبری لائے۔ کہا کہ اللہ ﷻ نے آپ صلی اللہ علیک وسلم کی طرف مجھے بھیجا کہ میں آپ ﷺ کو بشارت دوں کہ آپ ﷺ کی امت میں سے ہر وہ شخص جو آپ ﷺ پر درود بھیجے اس پر اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے دس گنا رحمت فرمائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے سماعت اذان کے بعد پڑھا: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ. اس کے لئے بروز قیامت میری شفاعت حلال ہوگئی۔

(سنن نسائی باب الفضل فی الصلوۃ علی النبی ﷺ جلد ۳ صفحہ ۵۰، ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

حضرت سعد بن وقاص ؓ سے مروی جس نے سماعت اذان کے بعد کہا: "وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا." اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۰)

حضرت ابن وہب ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ مجھ پر سلام عرض کیا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔ (الترغیب والترہیب)

بعض حدیثوں میں مروی ہے کہ میری بارگاہ میں کچھ ایسے لوگ پیش ہوں گے کہ میں انہیں کثرت درود کی بنا پر جو انہوں نے مجھ پر پڑھا پہچان لوں گا۔ (کشف الغمہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ بروز قیامت اس کی سختیوں اور اس کی شدتوں سے نجات پانے والا تم میں سے وہی ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا ہوگا۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳ سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح ٹھنڈے پانی سے (پیاس یا آگ بجھتی ہے) اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَسَلَامُهٗ. (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳ سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

پانچویں فصل

درود و سلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ

جس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا اس کی برائی اور گناہ یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابوہریرہ ؓ سے بالاسناد مروی کہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس کی ناک خاک آلود ہو کہ ماہ رمضان آیا پھر وہ اس کے گناہ بخشائے بغیر گزر جائے (یعنی اس نے عمل خیر نہ کئے) اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کے بڑھاپے کو پایا پھر وہ اسے جنت میں داخل کئے

بغیر چلے جائیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد۵ صفحہ۲۱۰)

حضرت عبدالرحمٰن ﷛ نے کہا کہ غالباً حضور ﷺ نے والدین میں سے کسی ایک کے لئے فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ اس وقت حضرت معاذ ﷛ نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ جبریل ؑ حاضر ہوئے اور کہا:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام اقدس لیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے پھر وہ مر جائے تو اللہ ﷻ اسے جہنم میں داخل کرے گا اور اسے اپنے سے دور کردے گا۔ آپ فرمائیں آمین۔ اور کہا کہ جس نے رمضان المبارک پایا اور اس نے اس سے کچھ حصہ نہ لیا پھر وہ مر گیا۔ پھر ویسا ہی کہا (آخر میں) کہا کہ جس نے والدین کو یا کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت نہ کی پھر وہ مر گیا آگے وہی کہا۔ (یعنی آپ کہیے آمین) (مجمع الزوائد جلد۱۰ صفحہ۱۶۶)

حضرت علی ابن طالب ﷛ نے حضور ﷺ سے روایت فرمائی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن ترمذی کتاب الاعوات جلد۵ صفحہ۱۶۴)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی۔ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اسے جنت کا راستہ بھلا دیا جائے گا۔

(مجمع الزوائد جلد۱۰ صفحہ۱۶۴، القول البدیع)

حضرت علی بن طالب ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پورا بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (مجمع الزوائد جلد۱۰ صفحہ۱۶۴)

حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے پھر وہ اس سے پہلے کہ خدا کا ذکر کریں اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے بغیر اٹھ جائیں تو ان پر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں چاہے وہ عذاب کرے یا انہیں بخش دے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد۵ صفحہ۱۲۹ مستدرک کتاب الدعا جلد۱ صفحہ۴۹۶)

حضرت ابو ہریرہ ﷛ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا تو اللہ ﷻ اسے جنت کا راستہ بھلا دے گا۔ (تفسیر در منثور جلد۶ صفحہ۶۵۴، الاحزاب ۵۶)

حضرت قتادہ ﷛ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے کہ کسی شخص کے

سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (عبدالرزاق فی جامعہ کمانی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۲۰۵)

حضرت جابر ﷛ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے سے پہلے جدا ہو جائے تو مردار کی بدبو اس کے ساتھ جاتی ہے۔

(تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت ابوسعید ﷛ سید عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو قوم مجلس میں بیٹھے اور اس میں نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجے تو ان پر حسرت ہوگی اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں جب وہ اس کے ثواب کو دیکھیں گے۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳ الاحزاب ۵۶)

حضرت ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے نقل کر کے کہا جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ مجلس میں درود پڑھ لے تو جب تک وہ اس مجلس میں بیٹھے اسے اتنا ہی کافی ہے۔

چھٹی فصل

حضور ﷺ پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے

سید عالم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مخلوق میں سے جو بھی آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ چنانچہ

حدیث: ابوہریرہ ﷛ سے بالاسناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ ﷻ مجھ پر میری روح کو واپس کرتا ہے پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۳۴، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۸)

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت کی اور کہا کہ ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جو میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے اسے خود ساعت کرتا ہوں اور جو دور سے بھیجتا ہے اسے پہنچایا جاتا ہے۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۴ الاحزاب ۵۶)

حضرت ابن مسعود ﷛ سے مروی کہ اللہ ﷻ کے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں تاکہ وہ میرے حضور میری امت کا سلام پہنچائیں۔ (سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۴۳، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۸۷)

اسی کی مثل حضرت ابوہریرہ ﷛ سے مروی اور حضرت ابن عمر ﷛ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن تم اپنے نبی ﷺ پر کثرت سے سلام عرض کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری جانب سے ہر جمعہ کو (خصوصیت کے ساتھ) پیش کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جوبھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت اس کی فراغت کے بعد فوراً میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (جامع صغیر للسیوطی صفحہ)

حضرت حسن ﷺ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تم جہاں بھی ہو وہیں سے مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے حضور پہنچتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضور ﷺ کی امت میں سے جو کوئی درود و سلام آپ ﷺ پر بھیجا ہے وہ آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ (ابن راھویہ فی مسندہ کمافی منابل الصفا صفحہ ۲۰۶)

بعض علماء نے بیان کیا۔ بندہ جب نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا نام بھی پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے کاشانہ اقدس کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤں۔ تم مجھ پر درود بھیجو جہاں بھی تم ہو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت اوس ﷺ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن درود کی خوب کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

سلیمان بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سلام عرض کرتے ہیں۔ کیا حضور ان کے سلام کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور انہیں سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَیْلَۃُ الزَّهْرَاءِ اور یَوْمُ الْاَزْهَرُ (یعنی جمعرات اور جمعہ) کو خوب کثرت سے مجھ پر سلام بھیجا کرو کیونکہ یہ دونوں تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچتے ہیں اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین نہیں کھا سکتی۔ جو مسلمان بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس اس کے نام کے ساتھ لاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا عرض کیا ہے۔

ساتویں فصل

غیر نبی علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود

بھیجنا چاہیے یا نہیں؟

قاضی عیاض بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عام علماء حضور ﷺ کے سوا دوسروں پر بھی درود بھیجنے کے جواز پر متفق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو ناجائز گردانتے ہیں[1] اور ان میں سے یہ بھی مروی کہ انبیاء کے سوا کسی پر درود بھیجنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے بجز نبی کے اور بعض مشائخ کے خط میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب پایا کہ وہ بجز سید عالم ﷺ کے کسی پر بھی درود بھیجنے کو جائز نہیں بتاتے۔ حالانکہ یہ مذہب ان کا مشہور نہیں ہے۔ بلاشبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں یحییٰ بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ نبیوں کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو مکروہ جانتا ہوں اور ہمیں یہ سزاوار نہیں کہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کریں۔ یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں اس قول پر عامل نہیں۔ انہیں کوئی مضائقہ نہیں کہ تمام نبیوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر درود بھیجا جائے۔ انہوں نے حجت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آپ پر درود بھیجنے کی تعلیم دی ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کی ازواج اور آپ کی آل کا بھی ذکر ہے اور میں نے ابوعمران فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت پائی کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔[2] کہا کہ ہم یہی کہتے ہیں گزشتہ لوگوں کا اس پر عمل نہ تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے تمام نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجو[3] کیونکہ اللہ عزوجل نے انہیں بھی ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جیسے مجھے مبعوث کیا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو سندیں مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حالانکہ صلوٰۃ (درود) کے معنی زبان عرب میں رحم چاہنے اور دعا مانگنے کے ہیں اور یہ مطلق ہے جب تک کہ کوئی صحیح حدیث یا اجماع مانع نہ ہو اور بلاشبہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ. (پ۲۲ الاحزاب ۴۳) وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

۱۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶

۲۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶

۳۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۵۷

اور ارشاد ہوا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (پ ۱۱ التوبہ ۱۰۳) اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ. (پ ۲ البقرہ ۱۵۷) یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ﷻ ابو اوفیٰ کی آل پر رحمت فرما اور جب کوئی قوم آپ کی بارگاہ میں صدقہ لاتی تو فرماتے: اے اللہ ﷻ فلاں کی آل پر رحمت فرما اور حدیث صلوٰۃ (درود) میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ اور دوسری حدیث میں ہے کہ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

بعض علماء نے فرمایا کہ "آل" سے مراد آپ ﷺ کے تمام پیروکار ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمام امت (مستجاب) ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے متبعین، جماعت اور قبیلہ مراد ہے۔ کسی نے کہا کہ مرد کی آل اس کی اولاد ہے اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وہ اہل مراد ہے جس پر صدقہ کھانا حرام ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ "اٰلِ مُحَمَّد" کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی پرہیز گار۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں آئے گا کہ "آل محمد" سے مراد خود حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضور ﷺ خود اپنے پر درود میں پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ. اس سے مراد اپنی ذات اقدس ہوتی تھی۔ اس لئے کہ حضور فرض کو چھوڑا نہ کرتے اور نفل کو بجا لاتے تھے۔ کیونکہ فرض تو وہ ہے جس کا اللہ ﷻ نے حکم دیا وہ تو خود حضور کی اپنی ذات پر درود پڑھنا ہے۔ یہ فرمان خود حضور ﷺ کے قول کے موافق ہے کہ (آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے فرمایا کہ) یقیناً آل داؤد علیہ السلام کی لحن میں سے انہیں کچھ حصہ لحن عطا فرمایا گیا۔[1]

اس جگہ آل داؤد علیہ السلام سے خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔

ابو حمید ساعدی رحمۃ اللہ علیہ کی درود والی حدیث میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۶ صفحہ ۱۶۱ صحیح مسلم کتاب المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۴۶

وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجا کرتے تھے۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا'' میں ذکر کیا جو کہ یحییٰ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ہے اور اس کے سوا دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگا کرتے تھے اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم اپنے اصحاب کے لئے غائبانہ دعا مانگا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ﷻ اپنی طرف سے فلاں شخص پر اس قوم اَبْرَار (نیک) کی رحمتیں (درودیں) بھیجے جو راتوں کو قیام کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ اقوال ہیں جن کی طرف علماء محققین گئے ہیں اور میرا رجحان اس قول کی طرف ہے جسے امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ نے کہا اور وہ حدیث وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بکثرت فقہاء ومتکلمین کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے پر ان کے ذکر کے وقت درود نہ پڑھا جائے بلکہ درود وسلام انبیاء علیہم السلام کی عزت وتوقیر کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح اللہ ﷻ کے ساتھ اس کے ذکر کے وقت تنزیہہ تقدیس اور تعظیم خاص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک وسہیم نہیں۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور تمام نبیوں کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کی خصوصیت واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۶) (ترجمہ کنزالایمان)

انبیاء علیہم السلام کے سوا جو ائمہ وغیرہ ہیں ان کو غفران ورضوان کے ساتھ یاد کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

(پ ۲۸ الحشر ۱۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ۔ اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی۔

(پ ۱۱ التوبہ ۱۰۰) (ترجمہ کنزالایمان)

نیز یہ بات صدر اول میں معروف ومشہور نہ تھی بلکہ یہ روافض وشیعہ کی نو ایجاد ہے جو بعض ائمہ کے لئے کرتے ہیں لہٰذا وہ ان کے ذکر کے وقت صلوٰۃ وسلام میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کا شریک ومساوی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بدعتیوں کی مشابہت ہے جس کی

شریعت میں ممانعت ہے۔ اس بارے میں ان کے اس لزوم کی مخالفت واجب ہے۔ البتہ آل وازواج کا ذکر درود میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ آپ کے اتباع واضافت میں کر سکتے ہیں نہ کہ مستقلاً خصوصیت کے ساتھ۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جن پر صلوٰۃ استعمال فرمایا ہے تو وہ دعا کے قائم مقام اور ان پر توجہ خاص کے لئے ہے نہ کہ اس سے ان کی تعظیم و توقیر مراد تھی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط — رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(پ ۱۸ النور ۶۳) (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا اس لحاظ سے بھی حضور ﷺ کے لئے دعا کے الفاظ ایک دوسرے کی دعا کے الفاظ سے مخالف و مغائر ہونا واجب ہے۔ یہ مذہب مختار امام ابوالمظفر اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ اسے ابو عمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

آٹھویں فصل

قبرِ انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ کے قبۂ خضراء (سبز گنبد) کی زیارت کا حکم اور زائر حرم نبوی ﷺ کی فضیلت اور وہاں حاضر ہو کر کس طرح سلام و دعا عرض کرنا چاہئے تو واضح ہو کہ روضۂ انور کی زیارت کرنا تمام اہل اسلام کے لئے طریقہ مسنون ہے اس پر سب کا اجماع ہے اس میں ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی ہے کہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲)

حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بہ نیت ثواب مدینہ منورہ میں میری زیارت کی تو وہ میری پناہ میں ہوگا اور بروز قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔

(بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۴۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیاتِ ظاہری میں زیارت کی۔ (سنن دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اسے مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی یہ کہے ہم نے قبرِ انور کی زیارت کی ہے۔

اس (مکروہ جاننے) کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کی کراہت ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک میں ہے۔ اللہ ﷻ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر لعنت کرے[1] حالانکہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد خود حضور ﷺ کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ فرمایا کہ تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو[2] اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی۔'' تو حضور ﷺ نے خود اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس لئے مکروہ ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ زائر نے جس کی زیارت کی اس سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات بھی کچھ نہیں ہے اس لئے کہ ہر زیارت کرنے والا اس صفت کا نہیں ہوتا اور نہ یہ عام قاعدہ ہے۔ بلاشبہ جنتیوں کی حدیث میں آیا ہے کہ اہلِ جنت اپنے رب ﷻ کی زیارت کریں گے۔ لہٰذا زیارت کے لفظ کا اطلاق جنابِ باری کے لئے کہیں ممنوع نہیں۔

ابوعمران رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے طواف زیارت اور زیارت قبر نبی ﷺ کو اس لئے مکروہ کہا کہ عام لوگ ایک دوسرے کے لئے باہمی استعمال کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی عام لوگوں کے ساتھ ایسے لفظوں میں بھی برابری کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا مستحب یہ ہے کہ خاص طور پر یوں کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کیا۔

ایک وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کی زیارت کرنا مباح ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ کی طرف رختِ سفر باندھنا' سواریوں کو لے جانا واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وجوب سے وجوب استحباب ترغیب اور تاکید ہے نہ کہ وجوب بمعنی فرض کے اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ زیارت کو منع کرنا اور مکروہ فرمانا قبر نبی ﷺ کی طرف اضافت اور نسبت کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ''ہم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہے۔'' تو اسے وہ مکروہ نہ فرماتے۔

کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ ﷻ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ میرے بعد اس کی عبادت کرنے لگیں۔ اللہ ﷻ کا اس قوم پر بڑا غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو

۱۔ سنن ترمذی کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۲۵۰' مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۷۔ ۳۵۶ جلد ۳ صفحہ ۴۴۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۶۷

مسجدیں بنالیا یعنی ان کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر امام نے اس لفظ کی نسبت کو قبر کی طرف کرنے اور ان لوگوں کی مشابہت کے ذریعہ کو منقطع کرنے اور اس دروازے کو بند کرنے کے لئے مکروہ بتایا۔ واللہ اعلم۔

اسحٰق بن ابراہیم فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے مسلسل جاری ہے کہ جو حج کا ارادہ رکھے وہ مدینہ منورہ ضرور جائے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد کرے اور آپ ﷺ کے روضۂ انور، منبر، قبر شریف، مجلس اور جہاں جہاں آپ ﷺ کے دست اقدس نے مس فرمایا اور جہاں آپ کا قدم شریف پہنچا اور وہ ستون جس سے آپ ﷺ تکیہ لگایا کرتے اور جہاں جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر وحی لاتے اور وہ لوگ جو وہاں آباد ہیں اور جنہوں نے وہاں کا قصد کیا۔ صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین وغیرہ ان سب کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرے اور ان سب سے نصیحت حاصل کرے۔

ابن ابی فدیک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ان علماء سے جن سے ملا ہوں، سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہوا یہ آیہ کریمہ پڑھے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. (پ۲۲ الاحزاب ۵۶) پھر کہا: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ اور اسے ستر مرتبہ کہا تو فرشتہ اسے خبردار کرتا ہے کہ اے فلاں شخص تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تیری کوئی حاجت ضائع نہ جائے گی۔

یزید بن ابو سعید مہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو جب رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا: تم سے میری ضرورت ہے وہ یہ کہ جب تم مدینہ منورہ حاضر ہو تو بہت جلد روضہ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر میری طرف سے سلام عرض کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صرف سلام عرض کرانے کے لئے مستقلاً شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے، وہاں ٹھہرے اور دونوں ہاتھ اٹھائے میرا خیال ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ پھر وہ چلے گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا۔ جب نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرو اور دعا مانگو تو قبر شریف کے سامنے آپ کے چہرۂ انور کے مواجہ کی جگہ کھڑے ہو قبلہ کی طرف کھڑے نہ ہو اور قریب ہو کر سلام عرض کرو اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کو اپنے (گنہگار) ہاتھ سے نہ چھوؤ (کہ یہ ادب کے خلاف ہے)۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں فرمایا: میں اسے مناسب خیال نہیں کرتا کہ قبر نبی

ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگے لیکن وہ سلام عرض کرے اور گزر جائے۔

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ نبی کریم ﷺ کے مواجہ (کی جگہ) کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اس قندیل کو جو قبر شریف کے پاس قبلہ کی جانب ہے اپنے سر کے اوپر رکھے۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سو مرتبہ دیکھا کہ وہ قبر انور کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے: اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِی بَکْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ. اس کے بعد وہ واپس چلے جاتے۔

(بیہقی فی الحج جلد ۵ صفحہ ۲۴۵)

حضرت ابن عمر ﷺ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ منبر شریف کی اس جگہ پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے۔ وہ اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر مس کرتے۔ ابن قُسَیط اور عُتْبی رحمہم اللہ سے مروی کہ حضور کے صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے منبر کے اس کنارہ (کنگرہ) کو جو قبر انور کے قریب ہے اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگا کرتے تھے۔ "موطا" میں بروایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر نبوی ﷺ کے پاس کھڑے ہوتے پھر حضور ﷺ پر اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجتے۔

ابن قاسم اور قعنبی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابن وہب ﷺ کی روایت میں فرماتے ہیں کہ سلام عرض کرنے والا کہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" اور "مبسوط" میں فرمایا کہ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرے۔ قاضی ابوالولید باجی رحمہ اللہ نے کہا کہ میرے نزدیک نبی کریم ﷺ کے لئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے لفظ صلوٰۃ سے دعا مانگے۔ جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں خلاف وارد ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کہو۔

وَسَلَامٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا وَصَلَّی اللّٰہُ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَجَنَّتِکَ وَاحْفَظْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.

اس کے بعد روضہ مطہرہ کی طرف متوجہ ہو وہ قبر و منبر کے درمیان ہے۔ وہاں پہلے دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے یہ مواجہ شریف میں کھڑے ہونے سے پہلے ہے۔ ان میں اللہ ﷻ کی حمد کرے پھر اپنی وہ تمام حاجتیں خدا سے مانگے جس کے لئے نکلا ہے اور اس پر اس کی مدد مانگے۔ اگر یہ دو رکعتیں روضہ

شریف کے علاوہ کسی اور جگہ مسجد میں ہوں تو مضائقہ نہیں۔ مگر روضہ شریف میں افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ (روضہ) ہے۔[1]

پھر مواجہ شریف میں تواضع و وقار کے ساتھ کھڑا ہو اس کے بعد حضور ﷺ پر درود بھیجے اور جتنا ہو سکے آپ ﷺ کی تعریف و ثنا بیان کرے اور سلام کرے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے لئے دعا مانگے۔ پھر رات دن اکثر اوقات میں مسجد نبوی میں درود شریف پڑھے۔ مسجد قبا اور قبور شہداء کی زیارت کو نہ چھوڑے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ'' میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرے جب مدینہ منورہ میں داخل ہو یا نکلے یا وہاں رہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب مدینہ سے باہر نکلنے کا قصد ہو تو سب سے آخر میں مواجہ شریف میں کھڑا ہو اسی طرح مسافرین کریں جب وہ واپس لوٹیں۔

ابن وہب رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجو اور کہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اور جب مسجد سے نکلو تو تب بھی مجھ پر درود پڑھ کر کہو: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ مِنْ فَضْلِکَ[2] اور ایک اور روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ۔[3]

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے: صَلَّی اللّٰهُ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ بِاسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ دَخَلْنَا وَعَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْنَا اور جب وہ نکلتے تو اس کے مثل کہتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے پڑھتے صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ[4] اس کے بعد وہی الفاظ مذکور ہیں جو پہلے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گزرے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ عزوجل کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا اور اسی کے مثل ذکر کیا اور ایک روایت میں ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ''[5] ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَیَسِّرْلِیْ اَبْوَابَ رِزْقِکَ۔[6]

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۸

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ (۴)۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۲۸۳

۵۔ سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعت جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

۶۔ سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷

اور ابو ہریرہ ﷺ سے مروی کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور کہے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں فرمایا کہ اہل مدینہ کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ یہ تو مسافروں کے لئے لازم ہے۔ اس میں یہ بھی کہا کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلے تو اسے مضائقہ نہیں کہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے حضور ﷺ کے لئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے۔

کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اہل مدینہ نہ تو سفر کرتے ہیں اور نہ سفر سے آتے ہیں لیکن ہر روز ایک مرتبہ یا اکثر ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ کے دن ضرور مواجہ شریف میں حاضری دیتے ہیں یا کئی دنوں میں ایک یا دو مرتبہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور ایک گھڑی تک دعا مانگتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ بات کسی فقیہہ مدینہ سے نہیں پہنچی۔ اس کا ترک بہتر ہے۔ اس امت کے آخری لوگ جب ہی درست ہو سکتے ہیں جب کہ پہلے والے اپنی اصلاح کی درستگی کر لیں اور مجھے اس وقت کے صدر اول کے لوگوں سے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے لہٰذا یہ مکروہ ہے بجز اس کے کہ وہ سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلنے کا ارادہ کرے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب سفر کو نکلتے یا سفر سے داخل ہوتے ہیں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ کہا کہ یہ ایک رائے ہے۔ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق ہے کیونکہ مسافر تو اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہل مدینہ وہاں کے مقیم ہیں۔ انہوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہونے کے لئے سفر نہیں کیا اور حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ﷻ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اسے پوجیں۔ اس قوم پر اللہ ﷻ کا سخت غضب ہے۔ جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے[1] اور فرمایا کہ میری قبر کو عید بھی نہ بنانا (کہ سال میں صرف ایک مرتبہ حاضر ہو گئے یا یہ کہ حاضری پر اترانے لگو۔ مترجم)

احمد بن سعید ہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ جو شخص مواجہ شریف میں کھڑا ہو تو نہ اسے چومے اور نہ لپٹے اور نہ زیادہ دیر کھڑا ہو (کہ یہ ادب کے خلاف ہے) اور ''عتبیہ'' میں ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہونے کے بعد سلام عرض کرنے سے پہلے دوگانہ پڑھے اور نوافل پڑھنے کے لئے بہترین جگہ مصلّٰی نبوی ہے اور وہ ستون ہے جو مزین ہے اور فرض نمازوں میں سب سے اگلی صف افضل ہے اور مسافروں کے لئے گھر میں نفل پڑھنے سے مسجد میں نفل پڑھنا مستحب ہے۔

۱۔ جامع الصلوۃ امام مالک صفحہ ۱۴۲

نویں فصل

مسجد نبوی شریف کی فضیلت وآداب

مسجد نبوی میں داخل ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کے وہ آداب وفضیلت جو اس سبق کے سوا ہیں اور مسجد مکہ' قبرانور اور منبر شریف کا ذکر اہل مدینہ ومکہ کی فضیلت یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ (پ۱۱ التوبۃ ۱۰۶)	بے شک وہ مسجد کہ پہلے دن ہی سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟ فرمایا: یہ میری مسجد[1]۔ یہ قول ابن مسیب' زید بن ثابت' ابن عمر' مالک بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ مسجد قبا ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۸ التوبہ ۱۰۸)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کے لئے رخت سفر نہ باندھو۔ ایک مسجد حرام' دوسری یہ مسجد نبوی' تیسری مسجد اقصیٰ ہے[2]۔ (اس سے مطلقاً سفر یا کسی بزرگان دین کے عرس یا حضور سید عالم ﷺ کے روضہ کی زیارت کے لئے خصوصیت کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ہر اس سفر کی ممانعت ہے جو ان تین کے سوا نیت عبادت سے سفر کیا جائے روضۂ مقدسہ اور اعراس اولیاء وغیرہ کے لئے سفر بہ نیت عبادت نہیں ہوتا بلکہ زیارت کے لئے ہوتا ہے جو مستحب ہے مترجم غفرلہ)

اس سے پہلے ہم دخول مسجد کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ[3]۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی کی آواز سنی تو بولنے والے کو بلایا۔ پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ کہا: قبیلۂ ثقیف سے ہوں۔ فرمایا: اگر تم مکہ ومدینہ کی بستی کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا بلاشبہ ہماری ان مسجدوں میں آواز بلند کرنے کا حکم نہیں ہے[4]۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۵' مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۶

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۲۹' صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۱ صفحہ ۱۰۱۴' صحیح بخاری باب فضل الصلوۃ فی مسجد مکہ والمدینہ جلد ۱ صفحہ ۵۳

۳۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸

۴۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵

محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد میں قصداً آواز بلند کی جائے یا ایسی اذیت رساں کوئی چیز لائی جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ "مبسوط" کے باب فضل مسجد نبوی میں فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم باقی تمام مسجدوں کے لئے بھی ہے۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نمازیوں کو اتنی بلند آواز سے پکارنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو مکروہ ہے۔ اس طرح کے پکارنے میں کسی خاص مسجد کی خصوصیت نہیں۔ مسجد جماعت میں بلند آواز سے لبیک پکارنا بھی مکروہ ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد منیٰ کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں سے ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔[1]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس استثناء کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف مکہ و مدینہ کی باہمی فضیلت کے سلسلہ میں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں جو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیان کی ہے اور اسے ان کے شاگرد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کے اصحاب کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ایک نماز تمام مسجدوں سے بجز مسجد حرام کے ایک ہزار گنا افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا مکہ میں نماز پڑھنے سے ہزار سے کم افضل ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی نسبت سو درجہ افضل ہے۔ (مسند حمیدی جلد ۲ صفحہ ۳۲۰)

گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنی نو سو درجے مکہ کی مسجد میں نماز سے افضل ہوئی اور دوسری مساجد کی نسبت ہزار نماز کے برابر ہوئی۔ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ یہی قول سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہل مدینہ کا ہے۔

لیکن اہل مکہ و کوفہ کا مذہب مسجد مکہ کی افضلیت پر ہے اور یہی قول عطاء بن وہب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور اسے ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اور اوپر کی حدیث کے استثناء کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔

(جو علماء یہ کہتے ہیں کہ) مسجد حرام میں نماز افضل ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل بیان کیا ہے۔[2] اس میں یہ ہے کہ مسجد

۱۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۴، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۲

۲۔ مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۳۹۷۔۳۴۳، ابن حبان جلد ۳ صفحہ ۷۴

حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد سے سو درجے افضل ہے اور قتادہ ﷺ اسی کی مثل روایت کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا بہ نسبت اس کے باقی تمام مساجد سے ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قبر انور کی جگہ روئے زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے (بلکہ کعبہ و عرش سے بھی افضل ہے کذا فی الشرح مترجم)

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ مسجد مکہ تمام مساجد سے حکم میں مختلف ہے۔ اس سے اس کا حکم مدینہ کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ یہ تفضیل (فضیلت) صرف فرض نماز میں ہے اور مالکیوں میں سے مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تفضیل نوافل میں بھی ہے، کہا کہ وہاں کے جمعہ کا ثواب دیگر مقامات کے جمعہ اور وہاں کے رمضان کا ثواب دوسری جگہ کے رمضان سے افضل ہے۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں رمضان مبارک اور دیگر عبادات کی فضیلت کے بارے میں اسی کے مثل ایک حدیث بیان کی ہے[1] اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے حجرۂ شریفہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے[2]۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے مروی کہ انہوں نے اتنا زیادہ کیا کہ میرا منبر میرے حوض پر واقع ہے[3]۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میرا منبر جنت کے درجوں میں سے ایک درجہ پر ہے۔[4]

طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ بیت (گھر و حجرہ) سے مراد وہ ہے جہاں آپ ﷺ سکونت پذیر رہے اور یہ ظاہر معنی ہیں باوجودیکہ مروی ہے جو حدیث میں بیان ہوا کہ "میرے حجرے اور میرے منبر" دوسرے معنی یہ کہ بیت سے مراد قبر انور ہے۔ یہ قول زید بن اسلم ﷺ کا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مروی کہ "میری قبر اور میرے منبر کے درمیان اس کے بعد طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے گھر میں ہے تو ساری روایتیں متفق ہوئیں۔ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ رہا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے حجرۂ شریفہ میں ہے جو کہ آپ ﷺ کا گھر تھا۔ اب رہا حضور ﷺ کا ارشاد کہ "میرا منبر میرے حوض پر ہے۔" ایک قول کی بنا پر ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا بعینہٖ وہ منبر جو دنیا میں ہے مراد ہو اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۴۵
۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۴، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۱
۳۔ موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۶۰
۴۔ موطا امام مالک باب جاء فی مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۶۰

پر منبر ہوگا۔ تیسرے یہ کہ حضور کے منبر کی طرف قصد کرنا اور اس کے سامنے یا متصل اعمال صالحہ کی بجا آوری کے لئے حاضر ہونا یہ حوض پر لے آئے گا اور اس سے پانی پینا واجب کر دے گا۔

باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ "رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ" میں دو معنی کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ وہ دخول جنت کو واجب کرتا ہے اور یہ کہ اس جگہ دعا مانگنا، نماز پڑھنا، اس ثواب کا مستحق کر دیتا ہے جو مروی ہے کہ "جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔" دوسرے یہ کہ اللہ ﷻ بعینہ یہ بقعۂ طاہرہ جنت میں منتقل فرما دے گا جیسا کہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور حضرت ابن عمر ﷺ اور ایک جماعت صحابہ سے مروی کہ

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ کی سختیوں پر صبر کرے گا میں اس کا بروز قیامت گواہ یا شفیع ہوں گا اور حضور ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو مدینہ سے چلا گیا تھا کہ درحقیقت مدینہ ہی ان کے لئے بہتر تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا اور فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو میل و گند کو جلاتی ہے اور طیب و طاہر بناتی ہے اور فرمایا: مدینہ سے کوئی خوشی و رغبت سے نہیں نکلے گا لیکن اللہ ﷻ اس سے بہتر شخص کو وہاں لے آئے گا اور حضور ﷺ سے مروی کہ جو شخص دونوں حرم میں سے کسی ایک میں حج یا عمرہ کرتا ہوا مر گیا اللہ ﷻ روز قیامت بلا حساب و کتاب و عذاب اٹھائے گا۔ دوسری سند سے ہے کہ وہ بروز قیامت مامون لوگوں میں محشور ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی جو اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ میں وہ مرے تو وہیں اسے مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (الى قوله) اٰمِنًا. (پ۴ ال عمران ۹۶-۹۷) بیشک پہلا وہ گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ مبارکہ میں ہے (آخر آیت تک) (ترجمہ کنزالایمان)

بعض مفسرین نے فرمایا: نار جہنم سے وہ محفوظ رہے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص جس نے حرم سے باہر آگ کو طلب کیا اور جہالت کے زمانہ کی نئی باتیں پیدا کیں اور اس کی طرف پناہ لے گیا۔ یہ اللہ ﷻ کے اس قول کے مثل ہے کہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا. (پ۱ البقرہ ۱۲۵) اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بعض کا قول ہے۔ منقول ہے کہ کچھ لوگ سعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مقام مُنَسْتِیْر میں آئے اور اسے بتایا کہ قبیلہ کنامہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور اسے جلا دیا۔ وہ ساری رات جلتا رہا مگر اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا اس کا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شاید اس نے تین

حج کیے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس نے ایک حج کیا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے دو حج کیے اس نے اپنے رب کو قرض دیا اور جس نے تین حج کیے تو اللہ ﷻ اس کے بالوں اور بدن کو آگ پر حرام کر دے گا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف نظر مبارک ڈالی تو فرمایا: تجھے ایک گھر ہونے کی وجہ سے مرحبا' تیری کتنی بڑی عظمت ہے' تیرا کتنا بڑا احترام ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو بھی اللہ ﷻ سے رکن اسود کے نزدیک دعا مانگے گا اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

اسی طرح میزاب (پرنالہ) کے پاس ایک حدیث حضور ﷺ سے مروی کہ جس نے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بروز قیامت مامون ومحفوظ لوگوں میں حشر ہوگا۔

فقیہہ قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی حافظ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی کہ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے جو بھی دعا اس ملتزم کے پاس مانگی وہ ضرور قبول ہوگی۔

(سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے ملتزم کے پاس جو بھی دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی ہے۔ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سنا اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ مقبول ہوئی اور حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے جب سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو ملتزم کے پاس جو دعا مانگی قبول ہوئی اور ابوالحسن محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی قبول ہوئی۔ ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ کہا ہو لیکن میں نے جب سے حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ دنیا کے بارے میں قبول کی گئی مگر مجھے امید ہے کہ آخرت کے بارے میں بھی ضرور قبول کی جائے گی اور عذری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے ابو اسامہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا

مقام ملتزم پر جو دعا مانگی ضرور قبول ہوئی اور ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اس مقام پر بہت سی دعائیں مانگی ہیں۔ کچھ تو مقبول ہو گئیں اور جو باقی ہیں اللہ ﷻ کے وسیع فضل سے امید ہے وہ بھی قبول ہوں گی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم نے تھوڑے نکات بیان کئے ہیں اگر چہ ان کا تعلق اس باب سے نہ تھا بلکہ اس فصل سے تھا جو اس سے پہلے گزری مگر فائدے کی تکمیل کی خاطر لکھ دیا۔ واللہ الموفق للصواب برحمتہ۔

قسم سوئم

اس حصہ میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی کریم ﷺ کے لئے واجب، محال، جائز یا ممتنع ہیں اور ان کیفیات و حالات بشریہ کا بیان جن کی نسبت آپ کی جانب کرنا صحیح ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ. (پ۴ آل عمران ۱۴۴)

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ. (پ۶ المائدہ ۷۵)

مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ. (پ۱۸ ع الفرقان ۲۰)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد ہوا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ.

میں تمہاری طرح ہی انسان ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے اور انسانوں کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ ان سے جنگ و جدال کی طاقت نہ

رکھتے اور نہ وہ ان کی ہدایتیں قبول کرتے اور نہ ان کی جانب توجہ کرتے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا. (پ۷ الانعام ۹) — اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی وہ فرشتہ بھی انسانوں ہی کی صورت میں ہوتا تا کہ تم اس سے مل جل سکتے کیونکہ تم فرشتے سے جنگ وجدال سرور اُنس ومیلان اور فرشتے کی اپنی صورت دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے ہو۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا. (پ۱۵ الاسرٰی) — تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

سنت الٰہیہ یہ نہیں ہے کہ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جائے مگر یہ کہ وہ رسول اس نوع کی جنس میں سے ہو یا وہ شخص ہو جسے اللہ ﷻ رسالت کے لئے خاص کر لے اور اس کے لئے برگزیدہ کر کے اسے مقابلہ کی طاقت مرحمت فرما دے جیسے انبیاء ورسل ہیں (صلوات اللہ علیہم اجمعین) پس انبیاء ورسل اللہ ﷻ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں جو کہ مخلوق کو اللہ ﷻ کے احکام' منہیات اور وعدہ وعید پہنچاتے ہیں اور انہیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جان سکتے ہیں یعنی اس کے احکام' اس کی تخلیق' اس کا جلال' اس کی ہیبت وجبروت اور اس کی حکومت وملکوت وغیرہ۔

پس انبیاء علیہم السلام کے ظاہری اعضاء اجسام اور تخلیق انسانی بشری اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور ان پر وہ تمام باتیں طاری ہوتی ہیں جو انسانی عوارضات کے لئے خاص ہیں۔ مثلاً بیماریاں' موت' فنا وغیرہ۔ لیکن ان کی ارواح قدسیہ اور باطنی کیفیات انسانیت کی ان اعلیٰ درجہ کی صفات پر فائز ہوتی ہیں جو ملاء اعلیٰ سے متعلق ہوتی ہیں اور وہ صفات فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں۔ جو ہر قسم کے تغیر وآفات سے منزہ ومحفوظ ہیں۔ اکثر حالات میں بشری کمزوریاں اور انسانی ناطاقتی ان تک پہنچ ہی نہیں سکتیں کیونکہ اگر ان کا باطن بھی ان کے ظاہری انسانی اعضاء کی طرح خالص ہوتے تو یقیناً وہ ملائکہ سے (وحی) لینے' ان کو دیکھنے' ان سے کلام کرنے اور ان سے میل جول (دوستی وانس) کی طاقت نہ رکھتے جس طرح دوسرے عام انسان وبشر اس کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ان کے اجسام اور ظاہری حالت ملائکہ پر انسانی صفات کے خلاف ہوتے تو ہرگز انسان وبشر اور وہ لوگ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ہے ان سے ملنے جلنے کی طاقت نہ رکھتے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ کے ارشاد میں پہلے گزر چکا ہے۔

تو وہ اپنی ظاہری حالت اور اجسام کے لحاظ سے تو بشر و انسان کے مشابہ ہیں لیکن اپنی باطنی حالت اور ارواح کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ ملتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میں خلیل و دوست بناتا لیکن یہ اسلامی بھائی ہے۔ تمہارا مصاحب رحمٰن عزوجل کا خلیل ہے۔

اور فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے اور فرمایا کہ میں ہرگز تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام جلد ۳ صفحہ ۳۲۴، ۳۳۰، صحیح مسلم کتاب الصیام جلد ۲ صفحہ ۷۷۴)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ) ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی باطنی حالت (انسانی بشری حالت سے) پاک و منزہ اور ہر عیب و نقص اور علتوں سے مبرا ہے۔ یہ ایک ایسا مجمل بیان ہے کہ ہر ذی ہمت کے لئے اس کا مضمون ہرگز کفایت نہیں کرے گا بلکہ اکثر لوگ بسط و تفصیل کی ضرورت محسوس کریں گے۔ چنانچہ ہم آگے اس خصوص پر دو باب بیان کرتے ہیں۔ وَهُوَ حَسْبِىْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلِ.

پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام

حضور سید عالم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے امور دینیہ اور عصمت کے بیان اور جو اس سلسلہ میں گفتگو و کلام ہے۔ یہ ہے کہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ لوگوں پر جو تغیرات اور آفتیں آتی ہیں وہ اس سے باہر نہیں کہ یا تو بغیر قصد و اختیار ان کے جسم و حواس پر طاری ہوتی ہیں۔ جیسے امراض و عوارض وغیرہ یا قصد و اختیار کے ساتھ ہوں گی۔

درحقیقت یہ سب کے سب ہیں تو عمل و فعل لیکن مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ 1. عقد بالقلب 2. قول باللسان اور 3. عمل بالجوارح۔

انسان پر جو بھی آفت و تغیر واقع ہوتا ہے خواہ وہ اس کے قصد و اختیار سے ہو یا بغیر قصد و اختیار کے ان تین ہی قسموں پر منحصر ہیں۔

نبی کریم ﷺ اگرچہ نوع انسان میں سے بشر ہیں اور آپ ﷺ کی جبلت (طبیعت) پر ان باتوں کا اطلاق جائز و ممکن ہے جو دیگر انسانوں کی جبلت و طبیعت پر ہوتی ہیں لیکن یقینی طور پر دلائل قاطعہ

قائم ہوچکیں ہیں اور کلمۂ اجماع پورا ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ عام انسانوں کی جبلت وطبیعت سے باہر ہیں اور ہر اس آفت سے منزہ ومبرا ہیں جو قصد واختیار سے یا بغیر قصد واختیار کے واقع ہوں۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ﷻ تفصیل کے ساتھ ہم بیان کریں گے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی دلی پختگی

نبی کریم ﷺ کی دلی پختگی اظہار نبوت کے وقت سے ہی تھی۔ چنانچہ ہمیں اور تمہیں اللہ ﷻ کی توفیق کے ساتھ معلوم ہونا چاہیے کہ حضور سید عالم ﷺ کو توحید باری، علم وصفات الٰہی، ایمان باللہ اور جو کچھ آپ ﷺ پر وحی کی گئی ان سب پر اعلیٰ درجہ کی معرفت، علم واضح اور یقین کامل حاصل تھا۔ ان میں نہ تو کسی قسم کی جہالت تھی اور نہ شک وشبہ۔ اس معرفت ویقین کے جو مخالف ہوسکتا تھا ان سب سے آپ ﷺ معصوم اور منزہ تھے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین واضح سے یہ بات صحیح نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا اعتقاد اس کے سوا ہو۔ اب یہ اعتراض بے جا ہے اگر کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ پر معترض ہو کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ

بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ — یقیں کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آ جائے۔

(پ۳ البقرہ ۲۶۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اس لئے (۱) کہ اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ ﷻ کی خبروں میں قطعاً شک نہ تھا ان کی مراد تو اطمینان قلب اور مردوں کے مشاہدہ سے متنازعہ کو ختم کرنا تھا ورنہ انہیں اس واقعہ سے پہلے علم حاصل تھا۔ اب ان کیفیات احیاء موتیٰ کے مشاہدہ کے ذریعہ مزید علم کا حصول مقصود تھا۔

(۲) دوسری وجہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں اپنی قرب ومنزلت معلوم کرنی مقصود تھی اور یہ کہ اس کی بارگاہ الٰہی میں اپنے سوال کی مقبولیت کا علم حاصل کرنا تھا (کہ اپنا مرتبہ پہچانیں) اس وجہ کی بنا پر اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ (کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟) یعنی اے ابراہیم علیہ السلام کیا تم اس مرتبہ اور اپنی اس برگزیدگی وخلت پر یقین نہیں رکھتے جو میری بارگاہ میں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یقین کی زیادتی اور اطمینان کی تقویت کا سوال کیا اگرچہ انہیں پہلے ہی سے شک نہیں تھا کیونکہ علوم ضروریہ اور نظریہ کبھی اپنی قوت میں بڑھتے رہتے

ہیں اور ضروریات میں شکوک کا جاری رہنا محال اور نظریات میں جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا نظر یا خبر سے مشاہدہ کی طرف جانے اور علم الیقین سے عین الیقین تک ترقی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لئے کہ خبر ہرگز مشاہدہ کا مقام نہیں رکھتی۔ اسی بناپر تو سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے آنکھوں سے ظاہری پردے اٹھادینے کا سوال کیا تا کہ نور یقین کے ساتھ اپنی اس حالت پر مزید یقین حاصل ہوجائے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ مشرکوں پر اس طرح پر حجت قائم کردی جائے کہ یوں اللہ ﷻ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس بناپر انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا تا کہ اعلانیہ طور سے ان پر حجت قوی ہوجائے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ کہ بعض کا قول ہے کہ ان کا یہ سوال بطریق ادب تھا لیکن مراد یہ تھی کہ اے خدا تو مجھے مردے زندہ کرنے کی قدرت مرحمت فرما اور "لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ" سے یہ مراد تھی کہ میرا دل اس تمنا سے تسلی پائے۔

(۶) چھٹی وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے دل میں شک دیکھا۔ حالانکہ انہیں شک نہ تھا مگر یہ کہ اس طرح پر شک دور کرکے قرب مزید کا حصول ہوجائے۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْم (ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ مستحق ہیں) یہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی ہے اور کمزور طبیعتوں کی مقام معرفت سے دوری ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ایسے گمان کی نسبت کریں۔

مطلب یہ کہ ہم اٹھائے جانے اور اللہ ﷻ کے احیاء موتٰی پر یقین رکھتے ہیں۔ پس اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا تو یقیناً ہم ان سے زیادہ شک کریں گے یہ بطریق ادب فرمایا یا اس سے آپ کی وہ امت مراد ہے جن پر شک جائز ہے یا بطریق تواضع و شفقت فرمایا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ان کی اپنی حالت کی آزمائش یا یقین کی زیادتی پر محمول کیا جائے۔

اس کے بعد اگر تم یہ کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ. پس اگر تم شک میں ہو اس کے جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو...... (پ۱۱ یونس ۹۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اے پڑھنے والے تو اس سے خوفزدہ رہ اور تیرے دل کو اللہ ﷻ مضبوط رکھے کہ تیرے دل میں اس خطرے کی گنجائش نکلے جو بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا کہ جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو وحی کے بارے میں (معاذ اللہ) شک کا اثبات ہے اور یہ کہ آپ ﷺ بشر ہیں اس قسم کے خطرات کا آپ ﷺ پر اطلاق ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے وحی کے بارے میں ہرگز شک نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ نے کسی سے استفسار کیا۔[1]

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۸۹ یونس ۹۴

اسی طرح ابن جبیر اور جریج رحمہما اللہ سے مروی جسے قتادہ ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہ کبھی مجھے شک گزرا اور نہ اس بارے میں کسی سے دریافت کیا[1]۔ بالعموم مفسرین اسی قول پر ہیں۔ البتہ مفسرین نے اس کے معنی میں کئی قول بیان کئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ شک کرنے والوں کو فرمادیجئے اگر تم شک کے مریض ہو تو...... الآیۃ۔ مفسرین نے کہا کہ اس سورۃ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس تاویل پہ دلالت کرتی ہو اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ. (پ ۱۱ یونس ۱۰۴) اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل عرب کو خطاب ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ہی فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (پ ۲۴ الزمر ۶۵) اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اگر چہ اس آیت میں مخاطب تو حضور ﷺ ہیں مگر مراد حضور کے سوا ہیں۔ اسی کے مثل یہ قول باری ہے۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَاۤءِ. اے محبوب تم اس سے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں شبہ میں نہ پڑو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس طرح کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔

بکر بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تم نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ ﷻ فرما رہا ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ. (پ ۱۱ یونس ۹۵) اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ تو وہ ہیں کہ جس دعوت کی تبلیغ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں پھر آپ ﷺ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ان مکذبین کی ہمنوائی کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ تمام دلیل اس بات پر شاہد ہیں کہ بظاہر خطاب حضور ﷺ کو ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا. (پ ۱۹ الفرقان ۵۹) رحمٰن ہے پس اسے خبر دینے والے کو پوچھو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۳۸۹ یونس ۹۴

ایسا جنہیں حکم دیا جارہا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے سوا لوگ ہیں تا کہ وہ حضور ﷺ سے سوال کریں اور نبی کریم ﷺ تو خبر دینے والے اور مسئول عنہ ہیں نہ کہ خبر طلب کرنے والے اور سوال کرنے والے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ شک جس کے ساتھ غیر نبی ﷺ کو ان لوگوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا جو کتاب پڑھتے ہیں سو وہ اس بارے میں ہے جن کا اللہ ﷻ نے قصہ بیان کیا ہے یعنی امتوں کی خبریں وغیرہ نہ کہ وہ امر جس کی طرف آپ کو بلایا ہے یعنی توحید و شریعت۔اسی کے مثل اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا. اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ (پ۲۵ الزخرف۴۵) (ترجمہ کنزالایمان)

عُتبـــیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بموجب بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد مشرکین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم سے ان نبیوں کے بارے میں دریافت کرو جو آپ سے پہلے ہم نے بھیجے ہیں یہاں خافض (یعنی حرف جر عن مَنْ اَرْسَلْنَا میں) محذوف ہے اور کلام پورا ہو گیا۔پھر شروع کیا کہ

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ. کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے کچھ اور خدا ٹھہرا لئے...... (پ۲۵ الزخرف۴۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بطریق انکار ہے یعنی ہم نے نہیں کیا۔اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ شب معراج انبیاء علیہم السلام سے اس بارے میں استفسار فرمائیں۔مگر آپ کا یقین اس سے زیادہ پختہ تھا کہ آپ ان سے استفسار کے محتاج ہوں۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں سوال نہیں کروں گا مجھے اسی پر یقین ہے۔

اسے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے رسولوں کی امتوں سے دریافت کیجئے کیا وہ بغیر توحید کے آئے تھے۔اسی معنی میں مجاہدؒ سدیؒ ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اسی آیہ کریمہ اور ماقبل کی آیت کے معنی و مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ آگاہ فرمانا تھا کہ اسی کے ساتھ تمام رسول علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔بلاشبہ اللہ ﷻ نے کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں دیا۔دراصل اس میں مشرکین عرب وغیرہ کا رد فرمانا مقصود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس کر دیں۔'' (پ۲۳ الزمر۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا تو اے سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔

(پ۸ الانعام ۱۱۴) (ترجمہ کنز الایمان)

مطلب یہ کہ ان کے علم میں یہ شک ہے کہ آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نہیں۔ اگر چہ وہ زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا شک مراد نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں مذکورہ ہوا اور ممکن ہے یہ آیت بھی پہلے معنی کی طرح حامل ہو۔

یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں سے فرما دیں جو اس میں شک وتردد رکھتے ہیں کہ تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اس پر پہلی آیت دلیل بن جائے گی۔ ارشاد ہوا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا۔ تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں

(پ۸ الانعام ۱۱۴) (ترجمہ کنز الایمان)

بلاشبہ نبی کریم ﷺ اس طرح پر دوسروں کو خطاب فرما رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تقریر و بیان ہے جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے۔

وَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (پ۷ المائدہ ۱۱۶) کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یقیناً انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو تو شک نہیں ہے۔ پس سوال کرو تمہارا اطمینان وعلم اپنے علم واطمینان کے ساتھ زیادہ ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تم کو اس بارے میں شک ہے کہ جو ہم نے تم کو شرافت وفضیلت عنایت فرمائی تو ان سے اپنی صفت اور فضیلت کے بارے میں سوال کرو جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ سے مراد آپ ﷺ کے غیر وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے اتارا ہے۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں کہ

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔ یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔

(پ۱۳ یوسف ۱۱۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو ہم کہیں گے کہ اس کے وہ معنی ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ کیا رسول ﷺ اپنے رب ﷻ سے یہ گمان کریں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول ﷺ جب

مایوس ہو گئے تو گمان کیا کہ وہ متبعین جنہوں نے ان سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ اسی قول پر اکثر مفسرین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ظَنُّوْا کی ضمیر متبعین اور امتوں کی طرف راجع ہے نہ کہ انبیاء و رسل کی طرف۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور نخعی، ابن جبیر رحمہما اللہ اور ایک جماعت علماء کا ہے۔ اسی معنی کی رعایت سے مجاہد رحمہ اللہ نے کَذَبُوْا (فتح کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے بعد اب تیرا اول کسی شاذ تفسیر کی طرف راغب نہیں ہونا چاہئے۔ جب یہ علماء کے منصب کے لائق نہیں تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو سیرت کی حدیث اور ابتداء وحی کے حال میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''میرے دل میں خوف گزرا تھا''۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ کو فرشتہ کی رویت کے بعد اللہ ﷻ جو آپ کو عطا فرمائے گا اس میں کوئی شک تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ خشیت قوت تحمل و برداشت مقابلہ و ملک اور تنزیل وحی کی وجہ سے ہو کہ شاید کہ قلب اطہر برداشت نہ کر سکے یا جان چلی جائے۔ یہ اس روایت کی تاویل ہے جو صحیح حدیث میں وارد ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات فرشتہ کی ملاقات کے بعد فرمائی یا یہ کہ فرشتہ کی ملاقات اور اللہ ﷻ کی نبوت سے اطلاع کی خبر دینے سے پہلے جب کہ آپ ﷺ پر عجائبات پیش ہو رہے تھے کہ شجر و حجر آپ ﷺ کو سلام عرض کرتے، آپ ﷺ کو خوابیں اور بشارتیں آنی شروع ہوئیں۔ اس وقت فرمایا ہو۔ جیسا کہ اسی حدیث کی دیگر سندوں میں مذکور ہے کہ یہ باتیں پہلے تو خواب میں ہوئیں اس کے بعد بیداری میں۔ اسی طرح دوبارہ دکھائی گئیں تا کہ آپ ﷺ کو یکدم اعلانیہ اور بالمشافہ دیکھنے سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو اور خلقت بشری کی بنا پر ممکن ہے کہ برداشت نہ فرما سکیں۔

حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداء جو ہوئی تو رویائے صادقہ (سچی خواب) سے ہوئی۔ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو تنہائی (خلوت) محبوب ہو گئی۔ فرماتی ہیں یہاں تک کہ حق (قرآن یا فرشتہ یا وحی) غار حرا میں آنے لگا آخر حدیث تک۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی جلد ۱ صفحہ ۳ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے آواز سماعت فرماتے اور سات سال تک صرف روشنی ملاحظہ فرماتے کچھ اس میں نظر نہ آتا اور آٹھ سال تک آپ پر وحی کی گئی۔ (طبقات ابن سعد)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی سے روایت کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور قریبی مقام غار

حرا کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ پس میرے پاس فرشتہ آیا درانحالیکہ میں سو رہا تھا۔ مجھ سے کہا: اِقْرَاءْ (پڑھو) میں نے کہا: مَـا اَقْرَاءُ (میں نہیں پڑھوں گا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مثل بیان کیا کہ فرشتہ نے آپ ﷺ کو چپٹایا اور قرأت کرائی کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (پ۳۰ العلق ۱) تین مرتبہ ایسا کیا۔

فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا اور میں نیند سے بیدار ہو گیا گویا کہ وہ سورت میرے دل نشیں ہو گئی۔ حالانکہ میرے نزدیک شاعر اور دیوانہ پن سے بڑھ کر کوئی شخص مبغوض نہ تھی۔ میں نے خیال کیا کہیں قریش مجھ سے ہمیشہ ایسا گمان نہ کرنے لگیں اگر قریش نے ایسا گمان کیا تو یقیناً میں کسی بلند و بالا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے کو گرا کر ہلاک کر لوں گا۔ میں ایسا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آسمان سے ایک ندا اٹھی:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم تم اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہو اور میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ اس وقت اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ مرد کی صورت میں جبریل علیہ السلام ہیں[1] اور حدیث کو بیان کیا۔ اس کے بعد (راوی حدیث حضرت اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے) بیان کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا یا جو ارادہ کیا وہ تو اس وقت کا حال ہے جب کہ آپ ﷺ کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور اللہ ﷻ کے آپ ﷺ کو اپنی نبوت سے خبردار اور اس کے اظہار اور رسالت کے ساتھ سرفرازی کی خبر سے مطلع فرمانے سے پہلے کی بات تھی۔

اور اسی طرح عمرو بن شرجیل ﷫ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک ندا سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے خدا کی قسم کہ یہ کوئی خاص بات ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

حماد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں ایک آواز سنتا ہوں اور ایک (خاص قسم کی) روشنی دیکھتا ہوں مجھے خوف ہے کہ یہ کہیں میرا جنون[2] نہ ہو۔ اس کی اس طور پر تاویل کی جائے گی کہ آپ کا قول جو ان بعض احادیث میں ہے چونکہ ایسی باتیں شاعر اور مجنون سے بہت دور ہوتی ہیں اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جن سے شک کے معانی اس امر کی تصحیح میں جس کو آپ نے دیکھا سمجھے جاتے ہیں (اس کی یوں تاویل کریں گے کہ) یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جب کہ آپ ﷺ نے ابھی فرشتے سے ملاقات نہ فرمائی تھی اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دی تھی کہ آپ ﷺ اس کے رسول علیہ السلام ہیں اور ان الفاظ کے بعض طریقے صحیح نہیں ہیں لیکن اللہ ﷻ کی اطلاع اور فرشتے کی ملاقات کے بعد اس میں اصلاً شک نہ ہوا تھا اور اس پر شک

۱۔ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۴۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۴۱

جائز بھی نہیں ہے۔ جو آپ ﷺ پر القاء (وحی) فرمائی گئی تھی۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ حدیث سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ میں منتر تھا نزول قرآن سے پیشتر منتر کیا جاتا تھا جب قرآن پاک نازل ہوا اور آپ ﷺ کو وہی (آنکھ کی) تکلیف ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ کی خدمت میں اس شخص کو بھیجوں جو آپ ﷺ پر منتر کرے۔ فرمایا: اب کوئی ضرورت نہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ انہوں نے اپنا سر کھول کر جبریل علیہ السلام کا امتحان لیا[1]۔ (آخر حدیث تک) تو یہ حدیث صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خاص ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تحقیق کی آیا کہ جو شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہی ہے۔ (یا کوئی اور) سو ان کا شک جاتا رہا۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے لئے کیا تھا اور یہ کہ اس طرح پر آپ ﷺ کے حال کی خبر چاہی تھی بلکہ عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں جو کہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ تم اس معاملہ کا اس طرح پر امتحان کرو۔

اور اسماعیل بن ابوحکیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے ابن عم کیا آپ ﷺ یہ کر سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے صاحب (جبریل علیہ السلام) آئیں تو آپ ﷺ مجھے فرما دیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کو خبر دی۔ تب انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ میرے پہلو میں بیٹھیں اس کے بعد پوری حدیث بیان کی[2]۔ اس حدیث میں یہ ہے

کہ اے ابن عم! یہ شیطان نہیں فرشتہ ہی ہے آپ ﷺ ثابت قدم اور خوش رہئے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ یہ بات تو اس کی پختہ دلیل ہے کہ انہوں نے یہ جو کچھ کیا اپنے لئے طلب ثبوت تھا۔ اس طرح وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہتی تھیں نہ کہ یہ نبی کریم ﷺ کے لئے تھا۔

اِنقطاعِ وحی (وحی کا نہ آنا)

انقطاع وحی میں معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک اس کا اتنا غم کیا کہ کئی مرتبہ عزم کیا کہ بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ کر گر پڑیں۔ وہ اس کی اصلیت میں قدح

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸۔۱۴۷

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۵

نہیں کرتے کیونکہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک۔[1]" انہوں نے اس کی نہ تو حضور ﷺ تک اسناد کی ہے اور نہ اس کے راوی بیان کئے ہیں اور نہ اس کا ذکر کیا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے اور نہ یہ کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس قسم کی روایت نبی کریم ﷺ سے معروف ہے باوجودیکہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء امر کی بات ہو۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ کو ان لوگوں نے پریشان کیا ہو جن کو آپ ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ	تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے
اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا O	اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔
(پ ۱۵ الکہف ۶)	(ترجمہ کنزالایمان)

اس تاویلی معنی کی تصحیح وہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے شریک رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبداللہ بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے جابر بن عبداللہ ﷜ سے روایت کی کہ مشرکین مکہ جب دارالندوہ میں مشاورت کے لئے جمع ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے متعلق انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ سب کہیں کہ (معاذ اللہ حضور ﷺ) ساحر ہیں۔[2] یہ بات آپ ﷺ پر غایت درجہ گراں خاطر ہوئی اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور بدن اقدس کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور تلاوت کی کہ يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (اے جھرمٹ والے نبی) يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (اے کمبل پوش نبی) یا یہ کہ انقطاع وحی کا سبب کسی ایسے سبب سے نہ ہوا جس کا مسدور آپ ﷺ سے ہوا ہو تو اس سے خائف ہوئے کہ یہ انقطاع وحی کہیں خدا کی جانب سے بطور مواخذہ نہ ہو تو اس وقت آپ ﷺ نے ایسا ارادہ کیا حالانکہ اس وقت تک شریعت میں ایسے خیال کرنے کی بھی ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی جس کی بنا پر کوئی اس پر اعتراض لازم آ سکے۔

اسی سلسلہ میں سے حضرت یونس علیہ السلام کا اس اندیشہ سے بھاگنا کہ کہیں ان کی قوم ان کی تکذیب نہ کرائے۔ جو کہ انہوں نے عذاب الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ ﷻ کا فرمان کہ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷

[2] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۲، لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَیْهِ. تو گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔
(پ۱۷ الانبیاء ۸۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ہم ان پر سختی نہ فرمائیں گے۔ اس میں مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ انہوں نے اپنے فرار (چلے جانے میں) میں رحمت الٰہی کی خواہش سمجھی کہ ان کے چلے جانے سے اللہ ﷻ ان کی قوم پر تنگی نہ فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کی قوم پر وہ عذاب لائیں گے جس میں ان کی قوم مبتلا کی گئی۔ نَقْدِرَ کو نُقَدِّرَ (دال کی تشدید کے ساتھ) بھی پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے گمان کیا ہم ان پر یہ عذاب مقدر نہ کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے فرار اور غصہ پر مواخذہ نہ کریں گے اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ اَفَظَنَّ کیا انہوں نے گمان کیا یعنی یہ کلام بطور استفہام صادر ہوا ہے اور ہمزہ استفہام تخفیف کے لئے محذوف ہے (یہ مسلمہ امر ہے کہ) کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی نبی علیہ السلام پر یہ گمان کرے کہ نبی اپنے رب ﷻ کی صفات میں سے کسی صفت سے ناواقف ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا. (پ۱۷ الانبیاء ۸۷) جب چلا غصہ میں بھرا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ان کے کفر کی بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے یہی قول ابن عباس، ضحاک رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے رب ﷻ سے ناراض ہو کر چلے گئے اس لئے کہ اللہ ﷻ سے ناراضگی تو اس سے عداوت و بغاوت ہے اور اللہ ﷻ سے عداوت کفر ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم سے حیا کی وجہ سے چلے گئے کہ انہیں کوئی جھوٹا نہ کہہ دے یا انہیں قتل نہ کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی بادشاہ سے اس بات پر ناراض ہو کر چلے گئے کہ اس کو جو اللہ ﷻ نے کسی نبی علیہ السلام کی وساطت سے حکم الٰہی بجالانے کا حکم دیا تھا (اور اس نے ان کی نافرمانی کی تھی) تو اس سے حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے فلاں نبی علیہ السلام اس (بادشاہ) پر زیادہ قوی ہے تو اس نے ان پر سختی کی تو وہ اس بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت کی بعثت اس کے بعد ہوئی کہ مچھلی نے ان کو اپنے شکم سے باہر نکال دیا تھا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ وَّاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ. پھر ہم نے اسے میدان پر ڈال دیا وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اگایا اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ (پ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۴۵۔۱۴۶۔۱۴۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اوراس سے بھی استدلال کیا کہ

وَلَا تَكُنْ لِصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ اوراس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا۔

(پ ۲۹ ع ۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے بعد قصہ کو بیان کرتے ہوتے فرمایا:

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ O تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب

(پ ۲۹ الحاقۃ ۵۰) خاص کے سزاواروں میں کرلیا۔(ترجمہ کنزالایمان)

پس واقعہ قبل نبوت کا ہے۔

اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ میرے دل پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ (جس کی وجہ سے میں) اپنے رب ﷻ سے استغفار دن میں سو مرتبہ کرتا ہوں [1] اور ایک روایت میں ہے ستر مرتبہ سے زیادہ ہر دن کرتا ہوں۔

تو اے پڑھنے والے! تو اس وسوسہ سے اپنے کو محفوظ رکھ تا کہ تیرے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ ''غین'' وسوسہ یا شک ہے جو نبی کریم ﷺ کے دل میں گزرتا ہے بلکہ اس جگہ ''غین'' سے مراد وہ شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ابوعبید ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ''غین'' غین السما (آسمان کے بادل) سے مشتق ہے۔ وہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جو آسمان پر چھا جاتا ہے۔

دوسروں نے کہا کہ ''غین'' ایک ایسی شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے مگر اسے چھپاتی نہیں جیسے ہلکا بادل جو ہوا میں چھا جاتا ہے لیکن آفتاب کی شعاع کو روکتا نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ آپ ﷺ کے قلب اقدس پر ہر دن سو مرتبہ یا ستر مرتبہ سے زیادہ غین طاری ہوتا ہے کیونکہ لفظ مذکور جس کو ہم نے بیان کیا اس کا مقتضی نہیں ہے اور وہی اکثر روایتوں میں آیا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ یہ تعداد استغفار کی ہے نہ کہ غین کی۔

نبی کریم ﷺ کے لئے اس غین سے مراد غفلات قلبی، فترات نفسانی اور سہو انسانی ہے جو بوقت ذکر و مشاہدۂ حق آپ پر بوجہ مقاسات بشری، سیاستِ امت، شفقت اہل و عیال، مقارمت دوست و دشمن، مصالحت نفس کی وہ کلفتیں جو خاص آپ ﷺ کو عطا ہوئیں، ادائے رسالت، حمل امانت وغیرہ ہو۔

آپ ﷺ ان سب حالتوں میں اپنے رب ﷻ کی طاعت اور اپنے خالق کی عبادت ہی میں مشغول رہتے تھے لیکن چونکہ آپ ﷺ کا مرتبہ و مقام بارگاہ الٰہی میں تمام مخلوق سے زیادہ ارفع و اعلیٰ تھا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۲ صفحہ ۲۰۷۵

اور آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی معرفت سب سے زیادہ حاصل تھی اور آپ ﷺ کی وہ حالت جب کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک ملاحظۂ غیر سے خالی ہوتا اور آپ ﷺ کی ہمتِ رفیع اس کے ماسوا سے فارغ ہوتی اور آپ ﷺ اپنے رب ﷻ کے ساتھ متفرد اور ہمہ تن ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوتے اور آپ ﷺ کی وہ حالت ان دونوں حالتوں سے رفیع تر ہوتی تھی۔ تو آپ ﷺ اس حالت فترت اور شغل بالغیر کو اپنی حالت رفیعہ اور مرتبت جلیلہ کا نقصان اور انحطاط خیال فرماتے۔ اس بنا پر آپ ﷺ اپنے رب ﷻ سے استغفار کرتے تھے۔

اس حدیث کے معنی و مفہوم کے بیانات میں سے یہ معنی و مفہوم سب سے زیادہ قوی اور مشہور تر ہے۔ اسی معنی مذکور کی طرف اکثر علماء کا میلان ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ارد گرد گردش کرتے رہے ہیں لیکن جو بیان ہم نے کیا ہے اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ بلاشبہ ہم نے اس کے گہرے معنی کو فہم سلیم کے قریب کر دیا ہے اور اس شخص کے لئے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے بالکل روشن کر دیا ہے۔ یہ تاویل اور توجیح اس پر مبنی ہے کہ طریق تبلیغ کے سوا اور امور میں انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو و نسیان اور غفلت کا طاری ہونا جائز ہے جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔

اور ارباب باطن و مشائخ تصوف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس فہم کی غفلت اور فترت سے بھی مبرا اور منزہ ہیں ان کا مذہب ہے کہ اس سے وہ غم و انکار مراد ہیں جو کہ وفور شفقت و راحت کی وجہ سے امت کے لئے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر وارد ہوتے رہتے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ یہ استغفار ان کے لئے فرماتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں "غین" سے مراد سکینہ و اطمینان ہو جو کہ آپ کے قلب سلیم کو حاصل ہوتا تھا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔ (پ۱۰ التوبہ ۴۰) تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس توجیح پر آپ ﷺ کا استغفار کرنا اظہار عبودیت و احتیاج رب کے لئے ہوگا۔ ابن عطار حمہ اللہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا استغفار فرمانا تعلیم امت کے لئے ہے تا کہ انہیں استغفار میں رغبت ہو علاوہ بریں دوسروں نے بھی کہا کہ اس سے مقصود بچاؤ کی دریافت اور جائے امن کی طرف میلان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "غین" سے مراد حالت خشیت اور وہ عظمت الٰہی مراد ہو جو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر وارد ہوتی ہو ایسی حالت میں ادائے شکر اور التزام عبودیت کے لئے استغفار فرماتے ہوں جیسا کہ عبادت کے (دوام) پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار خدا کا بندہ نہ بنوں۔ انہیں آخری وجوہات پر وہ حدیث محمول ہے جو اس حدیث کی دوسری سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے دل میں ایک خاص حالت دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس وقت میں اللہ ﷻ سے استغفار کرتا

ہوں۔ اگر تم یہ دریافت کرو کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ سے جو یہ فرمایا تو اس کا کیا مطلب ہے کہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ. اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے ہرگز نادان نہ بن۔

(پ۷ الانعام ۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ O تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔

(پ۱۲ ہود ۴۶) (ترجمہ کنز الایمان)

تو واضح ہونا چاہئے کہ اس بارے میں اس قائل کی طرف توجہ نہ کی جائے گی جو ہمارے نبی ﷺ کے بارے آیت کی تفسیر میں کہتا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے جاہل ہیں۔ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہ آپ ﷺ ان میں سے نہ بنیں جو اس سے جاہل ہیں۔ یقیناً اللہ ﷻ کا وعدہ حق ہے کیونکہ فرماتا ہے:

اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ. (پ۱۲ ہود ۴۵) بیشک تیرا وعدہ حق ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس تفسیر کی طرف التفات اس لئے نہ ہوگا کہ اس میں اللہ ﷻ کی صفات میں ایک صفت (معاذ اللہ) "جہل" کا اثبات ہوتا ہے جس کا صدور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جائز نہیں اور مقصود تو ان کو نصیحت کرنا ہے کہ وہ اپنے امور میں جاہلوں کی روش کی مشابہت نہ کریں۔ جیسا کہ فرمایا: اِنِّیْٓ اَعِظُكَ (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اور ان آیتوں میں کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ وہ اس صفت پر تھے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا بھلا یہ کیسے ان سے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ آیت نوح علیہ السلام اس سے پہلے ہے کہ

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں۔

(پ۱۲ ہود ۴۶) (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا اس کے مابعد کو ماقبل پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا مثل اذن کا محتاج ہوتا ہے اور ابتداء میں اس کا سوال کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ نے ان کو اس سے منع فرمایا جسے اس کا علم حاوی اور اس کا غیب اس پر طاری جو ایسا سبب تھا جس میں ان کے بیٹے کی ہلاکت تھی۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان پر اپنی نعمت یہ بتا کر پوری فرمادی کہ

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ. وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (پ ۱۲ ھود ۴۶) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ معنی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے۔ اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو دوسری آیت میں آپ ﷺ کی قوم کی روگردانی پر آپ ﷺ کو لزوم صبر کی تلقین فرمائی تا کہ اس وقت آپ ﷺ تنگ دل نہ ہوں کہ لاعلمی میں کہیں شدت کے ساتھ افسردگی نہ فرمائیں۔ اسے ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب آپ ﷺ کی امت کے لئے ہے یعنی تم لوگ جاہلوں میں سے نہ بنو۔ اسے ابومحمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں اور اسی فضیلت کی بنا پر نبوت کے بعد قطعی طور پر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا قائل ہونا ضروری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی اس سے عصمت ثابت کی اور یہ کہ ان پر ان باتوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں تو پھر اس وقت اللہ ﷻ کی اس وعید کے کیا معنی ہوں گے جو حضور ﷺ کے لئے فرمائی اگر وہ ایسا کریں۔ چنانچہ فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. اے سننے والے اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل رائیگاں جائیں گے۔ (پ ۲۴ الزمر) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ. اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے اور نہ برا۔ (پ ۱۱ یونس ۱۰۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ. اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔ (پ ۱۵ الاسراء ۵۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔ (پ ۲۹ الحاقۃ ۴۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔ (پ ۸ الانعام ۱۱۶) (ترجمہ کنزالایمان)

فرمایا:

فَاِنْ یَّشَاءِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ. اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرمادے۔ (پ ۲۵ الشوریٰ ۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

فرمایا:

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ. اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔ (پ ٦ المائدہ ٦٧) (ترجمہ کنزالایمان)

فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہِ وَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ. اللہ کا یونہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا (پ ۲۱ الاحزاب ۱) (ترجمہ کنزالایمان)

تو بتوفیق الٰہی معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کی طرف اس امر کی نسبت جائز نہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ نہ کریں اور نہ یہ جائز کہ آپ ﷺ اپنے رب ﷻ کی مخالفت کریں یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں یا اللہ ﷻ پر وہ بات لگائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اس پر افتراء کریں یا خود گمراہ ہو جائیں یا اللہ ﷻ آپ ﷺ کے دل پر مہر لگادے یا آپ ﷺ کافروں کی پیروی کرنے لگیں (ان سب باتوں کا صدور آپ ﷺ سے ممکن ہی نہیں) لیکن یہ تمام باتیں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر منکشف کر کے اور ایک ایک کر کے بیان کر کے مخالفوں پر تبلیغ کرنا آسان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اگر آپ ﷺ کی تبلیغ اس نہج پر نہ ہوئی تو گویا آپ ﷺ نے تبلیغ ہی نہیں کی۔ اس طرح آپ ﷺ پر حقائق واقعیہ واضح کر کے آپ ﷺ کو خوش کر دیا اور آپ ﷺ کے دل کو مضبوط بنا دیا اور فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (پ ٦ المائدہ ٦٧) (ترجمہ کنزالایمان)

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم دونوں خوف نہ کرو تاکہ تبلیغ و اظہار دین میں ان کی بصیرت قوی ہو جائے اور دشمن کا خوف جاتا رہے جو دلوں کو کمزور بناتا ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا فرمان

لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ. اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔ (پ ۲۹ الحاقہ ۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ

اِذْ اِلَّا ذَقْنَاکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ. اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔

(پ۱۵ الاسراء ۷۵) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کا بدلہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ بھی ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا بھی یہی بدلہ ہوگا۔ حالانکہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

(پ۸ الانعام ۱۱۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت سے آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگ مراد ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا. اگر تم سب کافروں کی پیروی کرو گے تو......

(پ۲۵ الشوریٰ ۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان

فَاِنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ. یعنی اگر اللہ چاہے تو...... (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ

وَلَئِنْ اَشْرَکْتَ. اے سننے والے اگر تو نے شرک کیا۔

(پ۲۴ الزمر ۶۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کی قسم کی دیگر تمام آیتیں درحقیقت آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو شرک کرتے ہیں لہٰذا نبی کریم ﷺ کی طرف تو اس کی نسبت بھی جائز نہیں ہے اور اللہ ﷻ کا یہ قول کہ

اِتَّقِ اللّٰہَ. (پ۲۲ الاحزاب ۱) یعنی اللہ سے ڈرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور کافروں کی اطاعت نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ حقیقتاً اللہ ﷻ جس سے چاہے جیسا چاہے منع فرما سکتا ہے اور جو چاہے حکم فرما سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم. یعنی آپ ان لوگوں کی سرزنش نہ فرمائیں جو رب کو پکارتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ حضور ﷺ نے نہ ان کی سرزنش فرمائی تھی اور نہ واقعتاً آپ ﷺ ظالموں سے تھے۔

دوسری فصل

قبلِ اظہارِ نبوت انبیاء علیہم السلام کی عصمت

عقد قلبی میں سے انبیاء علیہم السلام کا نبوت سے پہلے معصوم ہونا بھی ہے۔ چنانچہ اس خصوص میں لوگوں کا اختلاف ہے اور مذہب حق وصواب یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی اللہ ﷻ کی ذات وصفات اور اس میں شک کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے ان کی ولادت کے وقت سے ہی نہایت قوی ومضبوط آثار واخبار ہویدا (ظاہر) ہوتے ہیں اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف توحید وایمان پر ہی پرورش پاتے ہیں بلکہ معارف کے انوار اور سعادت کے الطاف کی بارشوں میں ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے دوسرے باب میں خبردار کیا ہے۔

اہل سیر وتواریخ میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ کبھی بھی کوئی ایسا نبی چنا گیا ہو جو نبوت سے پہلے (معاذاللہ) کفر وشرک میں معروف ومشہور رہا ہو جو کہ اس باب میں نقل پر اعتماد کیا جائے۔ حالانکہ بعض علماء استدلال میں کہتے ہیں کہ جس میں اس قسم کی عادت ہوتی ہے اس سے لوگ نفرت کیا کرتے ہیں۔

لیکن میں (فقیہ قاضی عیاض) کہتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر قریش نے ہر قسم کے افتراءات اور بہتان اٹھائے اور آپ ﷺ پر ہر قسم کے طعن کئے اور نیز انبیاء وسابقین علیہم السلام کے کفار نے بھی اپنے اپنے نبی علیہ السلام پر جوان سے ممکن تھا قسم قسم کی الزام تراشی کی جیسا کہ اللہ ﷻ نے بیان فرمایا یا اہل سیر وتواریخ نے ہم سے نقل کیا۔ لیکن ہم نے ان پر اٹھائے گئے مطاعن میں یہ کہیں نہیں پایا کہ کسی نے ان پر یہ الزام لگایا ہو کہ انہوں نے اپنے معبود حقیقی یا اس حکم کی سرتابی کی ہو جو وہ لائے تھے اور اگر ایسا کہیں ہوا ہوتا تو یقیناً ایسے الزام دھرنے سے وہ کبھی نہ چوکتے اور اس پر انہیں عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے کہ ان کا کیا اعتبار! یہ تو اپنے معبود کے بارے میں ہی غیر مستقل ہیں۔ بلاشبہ وہ کفار اپنے نبی علیہ السلام کی اس پر زجر وتوبیخ کرنے میں، جس کی پرستش سے وہ نبی روکتے تھے ان کی حمایت کی خاطر زیادہ رسوا کن اور مضبوط دلیل ہوتی۔ حالانکہ انبیاء کرام ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کے معبودان باطل کی پرستش پر برابر منع کرتے رہے ہیں۔ اب ان تمام کفار کا بالاتفاق اس طعن سے اعراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کو ایسا اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور ہم تک منقول

ہوتا اور وہ کبھی اس سے پہلوتہی نہ کرتے جیسا کہ وہ بوقت تحویل قبلہ خاموش نہ رہے اور کہہ اٹھے جیسا کہ اللہ ﷻ نے نقل فرمایا کہ

مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا. (پ۲ البقرہ ۱۴۲)

کس نے مسلمانوں کو اپنے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت و تقدس پر اللہ ﷻ کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ. (پ۲۱ الاحزاب ۷)

اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. (پ۳ آل عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرماتے تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اسی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو روز میثاق پاک فرمایا اور یہ بات تو بعید ہے کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی ولادت سے قبل عہد لے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے اس پر عہد لے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی نصرت و مدد کریں گے۔ ایسے عہد کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر شرک و معاصی وغیرہ کی نسبت کرنا جائز ہو سکے۔ ایسی نسبت کو وہی شخص جائز رکھ سکتا ہے جو ملحد ہو۔ یہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اس کے علاوہ ایسا کیونکہ ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی صغر سنی میں آ کر شق صدر کر کے اس سے علقہ (لوتھڑا) نکالا اور آپ ﷺ سے کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کے بعد اسے غسل دے کر ایمان و حکمت سے پُر کر دیا[1]۔ جیسا کہ ابتدائی خبریں اس کی تائید کرتی ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا چاہئے جب کہ انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا: یہ ہے رب؟ اگرچہ اس پر ایک قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ ﷺ کی ابتدائی عمر تھی جو بچپنے کی فکر و نظر ہے اور یہ عمر تکلیفات شرعیہ کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۴۷

لازم ہونے کی نہیں ہوتی لیکن اعاظم تبحر علماء ومفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اپنی قوم کو عاجز کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا

اور اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے یہ ایسا استفہام ہے جو انکار کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے؟ (یعنی ہرگز نہیں!) اور زجاج رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ علیہ السلام کا قول "هٰذَا رَبِّیْ" کے معنی یہ ہیں تمہارے قول کے مطابق۔

جیسا کہ فرمایا "اَیْنَ شُرَکَآئِیَ" یعنی جو کہ تم میرا شریک بناتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ آپ علیہ السلام نے ایک آن کے لئے کبھی کسی معبود باطل کی عبادت نہ کی اور نہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو خدا کا شریک بنایا اس پر خدا کا یہ فرمان شاہد ہے کہ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ O (پ۱۹ الشعراء ۹۰) یعنی جب انہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کسے پوجتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔ فرمایا:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ O اَنْتُمْ وَ اٰبَآ ؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ O فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ. (پ۱۹ ع۱ الشعراء ۷۵۔۷۶۔۷۷)	کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ O (پ۲۳ الصّٰفّٰت ۸۴)	جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا تو غیر سے سلامت دل لے کر۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ط (پ۱۳ ابراہیم ۳۵)	اور بچا مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ وہ بتوں کی پرستش کریں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اگر تم کہو کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ

لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ O (پ۷ الانعام ۷۷)	اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کا جواب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ اگر وہ اپنی مدد سے میری نصرت نہ فرماتا تو میں گمراہی اور عبادت میں تمہاری طرح ہو جاتا۔ آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل خوف خدا تھا ورنہ آپ علیہ السلام تو روز ازل سے ہی ضلالت وغیرہ سے معصوم تھے اور اگر تم یہ کہو کہ اس فرمان الٰہی کے کیا معنی ہیں کہ

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ط
کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا یقیناً ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ (پ ۱۳ ابراہیم ۱۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے بعد اللہ ﷻ نے اپنے رسولوں کی جانب سے فرمایا:

قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ط
ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا۔ (پ ۹ الاعراف ۸۹) (ترجمہ کنزالایمان)

تو تم اس شک میں نہ پڑنا کہ "لوٹ آنا" (عود) اس کا مقتضی ہے کہ وہ اس دین پر لوٹ آئیں گے جس پر وہ پہلے سے تھے کیونکہ محاورہ عرب میں یہ لفظ کبھی اس محل پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ابتداء نہ ہوا اس وقت اس عود کے معنی صَیْرُوْرَتْ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جہنمیوں کے لئے فرمایا کہ عَادُوْا حُمَمًا[1] (یعنی وہ کوئلہ ہو جائیں گے) (اس جگہ پر عاد کا لفظ فرمایا گیا) حالانکہ وہ اس سے پہلے ایسے کوئلہ نہ تھے اور جیسا کہ شاعر نے کہا

تِلْکَ الْمَکَارِمُ لَا قَعْبَانِ مِنْ لَبَنٍ شِیْبَا بِمَاءٍ فَعَادَ ابَعْدُ اَبْوَالًا

یعنی یہ مکارم جمیلہ اس دودھ کے برتنوں کی مانند نہیں ہیں جس میں پانی ملایا گیا۔ پھر اس کے بعد وہ پیشاب بن گئے ہوں حالانکہ اس سے پہلے وہ بول نہ تھا۔

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں:

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰیO
اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (پ ۳۰ الضحیٰ ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

یہاں ضال کے معنی وہ گمراہی نہیں ہے جو کہ کفر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے وارفتہ تھے تو آپ ﷺ کو اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ اے محبوب آپ ﷺ کو گمراہوں میں پایا تو آپ ﷺ کی ان سے حفاظت کر کے ایمان و ارشاد کی راہ دکھائی اسی طرح سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی شریعت سے بے خبر تھے یعنی آپ جانتے نہ تھے تو ہم نے اس کی طرف ہدایت کی اور ضلال کے معنی اس جگہ حیرانی کے ہیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ غار حرا میں خلوت گزیں ہو کر اس چیز کے خواہش مند ہوتے تھے جو اپنے

[1] بخاری کتاب الرقاق الفتح جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۶، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۷۰

رب ﷻ کی طرف راہ دکھائے۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے اسلام کی طرف راہ دکھائی۔ یہ مطلب قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ حق کو نہ جانتے تھے تو اللہ ﷻ نے اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ یہ معنی خدا کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

(پ۵ النساء ۱۱۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اسے علی ابن عیسٰی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی گمراہی معصیت نہ تھی اور ایک قول یہ ہے کہ "ہدایت فرمائی" یعنی دلائل کے ساتھ احکام کو واضح کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مکہ یا مدینہ اختیار کرنے میں سرگرداں پایا تو اللہ ﷻ نے مدینہ کی طرف ہدایت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو پایا تو آپ ﷺ کے سبب سے گمراہوں کو ہدایت ہوئی۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کو اپنی محبت سے جو ازل میں آپ ﷺ سے تھی بے خبر پایا یعنی آپ ﷺ جانتے نہ تھے تو آپ ﷺ کو اپنی معرفت کرا کر آپ ﷺ پر احسان فرمایا اور حسن ابن علی رحمۃ اللہ علیہ نے وَوَجَدَکَ ضَال" فَهَدٰی پڑھا یعنی آپ ﷺ کو گمراہ نے پایا تو آپ کے سبب وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو وارفتہ پایا یعنی "میری معرفت کا دوست پایا" ضال کے معنی دوست کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ط یعنی آپ اپنی اسی پرانی محبت میں ہیں۔

(پ۱۳ یوسف ۹۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہاں دین میں گمراہی کے معنی نہیں ہیں اگر (برادران حضرت یوسف علیہ السلام) اس معنی میں اللہ ﷻ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کہتے تو یقیناً وہ سب کافر ہو جاتے۔ اسی طرح ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ ﷻ کا قول یہ ہے کہ

اِنَّا لَنَرٰھَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (پ۱۲ یوسف ۳۰) یعنی ہم (زلیخا) کو کھلی محبت میں دیکھتے ہیں۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس چیز کے بیان کرنے میں متحیر پایا جو نازل ہوئی تو اس نے اس کے بیان کی راہ دکھائی۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ. (پ۱۴ النحل ۱۶) اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن اتارا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کو نبوت کے ساتھ کوئی جانتا

ہی نہ تھا حتیٰ کہ ہم نے تمہیں ظاہر کر دیا اب آپ ﷺ کے سبب سے نیک بخت ہدایت یافتہ ہو گئے۔

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ) میں کسی ایسے مفسر کو نہیں جانتا جس نے اس جگہ ضلال کے معنی ایمان سے گمراہ کیے ہوں اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ

فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ. میں نے وہ کام یا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔

(پ ۱۹ الشعراء ۲۰) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی ان خطا کاروں میں سے تھا جو بلا قصد و ارادہ کوئی کام کر لیتے۔ اسے ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی "بھولنے والوں میں سے" بیان کئے ہیں اور ایک قول وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو بھولنے والا پایا تو راہ دکھائی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا. کہیں ان میں ایک عورت بھولے۔

(پ ۳ البقرۃ ۲۸۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ. اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل۔

(پ ۲۵ الشوریٰ ۵۲) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں کہا کہ آپ ﷺ وحی سے پہلے جانتے نہ تھے کہ قرآن کو پڑھو گے اور کیونکر مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دی جائے گی۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا اور فرمایا کہ اس ایمان کو نہ جانتے تھے جو فرائض و احکام ہیں۔ کہا کہ آپ ﷺ پہلے توحید الٰہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ فرائض نازل ہوئے جن کو آپ ﷺ پہلے جانتے نہ تھے۔ اب مکلف بنا کر ایمان میں زیادتی فرمائی اور یہی بہترین توحید ہے۔

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ O اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

(پ ۱۲ یوسف ۳) (ترجمہ کنزالایمان)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ O اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔

(پ ۱۱ یونس ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

بلکہ ابو عبداللہ ہروی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں بیان کیا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے بے خبر (غافل) تھے ایسے کہ آپ کو معلوم نہ تھا مگر جبکہ ہم نے وحی فرمائی۔ اسی طرح وہ حدیث جسے عثمان بن ابی شیبہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ ایک دن مشرکوں کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لے جا رہے تھے تو سنا کہ دو فرشتوں نے جو آپ کے پیچھے تھے ایک نے دوسرے سے کہا: تم جاؤ اور اس کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا: میں کیسے کھڑا ہو جاؤں حالانکہ اس کا زمانہ بتوں کے چھونے کے قریب ہے۔ اس کے بعد آپ کبھی ان کے جلسوں میں نہیں گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵، ابن عدی ضعفاء الرجال جلد ۴ صفحہ ۱۳۴۷)

یہ حدیث بھی وہ ہے جس کا امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے شدت سے انکار کیا ہے اور کہا کہ یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے اور دار قطنی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ عثمان (راوی حدیث نے) اس کی سند میں وہم کیا اور حدیث فی الجملہ منکر ہے اس کی اسناد پر اتفاق نہیں۔ لہٰذا یہ نا قابل توجہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس کے برعکس علماء میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے بت پرستی سے طبعی طور پر نفرت تھی اور دوسری اس حدیث میں جو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے چچا (ابو طالب) اور ان کی اولاد نے جب اپنی عید کے دن حضور ﷺ سے تشریف لے جانے کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے نفرت کا اظہار فرمایا تو انہوں نے قسم کے ساتھ اصرار کیا تب آپ ﷺ ان کے ساتھ گئے اور خوفزدہ واپس آئے۔

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: جب کبھی بھی میرا کسی بت کے نزدیک گزر ہوا تو ایک طویل قامت سفید روپ شخص نے ظاہر ہو کر چلا کر کہا: پیچھے ہٹو اسے نہ چھوؤ۔ اس کے بعد پھر کبھی ان کی کسی عید پر نہیں گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

اور بحیرہ کے قصہ میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کو لات وعزیٰ کی قسم دلائی تھی[1] اور یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ آپ ﷺ اپنے چچا (ابو طالب) کے ساتھ شام کے سفر میں صغر سنی میں تشریف لے گئے تھے اور آپ ﷺ سے علامات نبوت ہویدا ہوئے تھے تو اس بحیرہ نے امتحاناً آپ ﷺ کو قسم دلائی تھی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لات وعزیٰ کی قسم دے کر سوال مت کرو۔ خدا کی قسم! مجھے ان دونوں سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں ہے۔ اس پر بحیرا نے کہا: تمہیں خدا کی قسم تم مجھے وہ بات بتلاؤ جو میں دریافت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب جو چاہو پوچھو۔

اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت میں توفیق الٰہی سے یہ معروف و مشہور ہے کہ آپ ﷺ اظہار

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵

نبوت سے پہلے حج کے مواقعہ پر مزدلفہ میں مشرکین کے وقوف کے مخالف تھے اور آپ ﷺ عرفہ میں وقوف فرماتے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا۔

تیسری فصل

انبیاء علیہم السلام توحید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے

قاضی ابوالفضل توفیق الٰہی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے اس سے یہ بات ثابت اور ظاہر ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام توحید و ایمان اور وحی میں مضبوط تھے لیکن قطع نظر اس بات کے جو ان کے قلوب صافیہ کا اعتقاد و یقین ہے وہ تو علم یقین سے علی وجہ الکمال بھرا ہوا ہے اور یہ کہ یہ حضرات قدس دین و دنیا کے امور کی معرفت و علم میں اس قدر حاوی تھے کہ کوئی ان سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا۔ جس نے خبروں کا مطالعہ اور حدیث میں غور و فکر کیا ہے اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اس نے اس پر گہری نظر و فکر کی ہے تو اسے ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس کتاب کے چوتھے باب کی قسم اول میں جو تنبیہات کی ہیں اس کے لئے کافی ہیں مگر اب ہم ان کے ان حالات کو ظاہر کرتے ہیں جو بظاہر ان معارف سے مختلف اور امور دنیا سے متعلق ہیں۔

(تو معلوم ہونا چاہئے) انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیاوی امور کی معرفت میں عصمت شرط نہیں ہے کیونکہ انبیاء کو ان میں سے بعض امور کی یا تو اطلاع نہیں ہوتی ہے یا ان کا اعتقاد اس کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بات ان کے لئے اصلاً عیب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے تمام عزائم امور آخرت' ان کی خبریں، امور شریعت اور اس کے قوانین و احکام سے متعلق رہتے ہیں اور دنیاوی امور ان سب کی ضد اور غیر ہے بخلاف ان کے سوا اہل دنیا کے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ○ — جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(پ ۲۱ الروم ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

جیسا کہ ہم عنقریب دوسرے باب میں انشاءاللہ ﷻ بیان کریں گے لیکن بایں ہمہ انبیاء علیہم السلام کو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ وہ دنیاوی امور کو بالکل جانتے ہی نہ تھے۔ اگر ایسی بات ہو تو یہ ان کو غفلت اور نادانی کی طرف لے جائے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے پاک و منزہ ہیں بلکہ ان کو تو دنیا والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور ان کی سیاست (حکومت) و ہدایت اور ان کی دینی و دنیاوی اصلاح کی ذمہ

داری انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے اور ان امور کی بجا آوری کلیتہً دنیاوی امور سے لاعلمی کی صورت میں ہو نہیں سکتی۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات اور سیرتیں معلوم ہی ہیں۔

ان کی ان سب سے واقفیت مشہور ہے لیکن اگر یہ اعتقاد دین سے متعلق ہے تو نبی کریم ﷺ کو ان کا معلوم ہونا ہی کہنا صحیح ہوگا اور فی الجملہ ناواقفیت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لامحالہ اس کا علم اللہ ﷻ کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہوا ہوگا اور اس میں شک وشبہ کرنا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔ تو اب ناواقفیت کہاں رہی بلکہ آپ ﷺ کو علم الیقین ہو گیا یا یہ کہ آپ ﷺ نے اسے اپنے اجتہاد سے کیا ہوگا تو یہ اس وقت ہے جب کہ آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو تو اس قول کی بنا پر محققین کے نزدیک وقوع اجتہاد جائز ہے۔

جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اقتضاء ہے کہ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنے اجتہاد سے تمہاری ان باتوں کا فیصلہ کرتا ہوں جہاں مجھ پر وحی نہیں آتی[1]۔ اس کی تخریج ثقہ راویوں نے کی ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کا قصہ[2] اور جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کو اذن دے دینا ہے[3]۔ یہ بعض کی رائے پر ہے تو یہ بھی جس پر آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد کا نتیجہ ہے یقیناً حق وصحیح ہوگا اور یہ ایسا حق وصحیح ہے کہ کسی مخالف کی خلاف رائے کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے گی اور نہ اس شخص کے قول کے موافق جو کچھ مجتہدین کے صواب کی طرف گیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک حق وثواب ہے اور نہ دوسرے قول پر کہ حق ایک طرف ہوگا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا شرعیات میں اجتہاد فرمانا خطا سے معصوم ہونا ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ مجتہدین کی خطائے اجتہادی تو شریعت سے ثابت ہو جانے پر ہے اور نبی کریم ﷺ کی نظر واجتہاد تو ان امور میں ہوتی ہے جہاں آپ ﷺ پر وحی سے کچھ حکم نہ ملا ہو اور نہ اس سے قبل جب کہ آپ ﷺ نے دل سے ارادہ فرمایا کوئی حکم شروع ہوا ہو لیکن وہ امور شرعیہ جن پر آپ ﷺ کا دل مضبوط نہیں وہ بیشک ابتداء میں آپ ﷺ اس سے لاعلم تھے مگر جب ان کو اللہ ﷻ نے تھوڑا تھوڑا علم مرحمت فرما دیا تو اب ان کا علم بھی آپ ﷺ کو مکمل حاصل ہو گیا یا تو وحی کے ذریعہ یا کسی کام کو شروع کرنے کی اجازت مرحمت فرمانے کی صورت میں آپ ﷺ نے اس پر حکم فرمایا ہو جو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دکھایا اور بلاشبہ آپ اکثر امور میں وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۵

۳۔ تفسیر ابن جریر سورۃ توبہ آیت ۸۱ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹

باایں ہمہ آپ ﷺ نے اس وقت تک دنیا سے کوچ نہیں فرمایا جب تک کہ آپ ﷺ کو تمام علوم حاصل نہ ہو گئے اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ کو تمام معارف ثابت نہ ہوئے اور ہر قسم کا شک وشبہ اور علیٰ وجہ الکمال جہل کا انتفاء آپ ﷺ سے نہ ہو گیا۔ حاصل کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ سے وہ تفصیلات شرعیہ جن کی دعوت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔ ان سے ناواقفیت کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ آپ ﷺ نے ان امور کی دعوت دی جن کو آپ ﷺ (معاذ اللہ) خود نہ جانتے تھے۔

لیکن وہ امور جو آپ ﷺ کے اعتقاد سے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں زمینوں کے ملکوت مخلوقات الٰہیہ اس کے اسماء حسنیٰ اور آیات کبریٰ کی تعیین امور آخرت علامات قیامت نیک وبد کی حالت علم مَا کَانَ مَا یَکُوْنُ یعنی گزشتہ وآئندہ کی خبریں۔ ان سب کا علم آپ کو وحی الٰہی سے ہی حاصل ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے بیان کے موافق اس میں بھی آپ معصوم ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو علم دیا گیا اس میں اصلاً شک وشبہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کو وہ یقین کی اعلیٰ منزل پر معلوم ہے لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ ان سب کی تفصیل کا آپ ﷺ کو علم ہو۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اس کا اتنا علم ہے کہ کسی اور بشر کو ہرگز اتنا علم نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا کہ مجھے میرے رب ﷻ نے علم دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ کسی انسان کے دل پر گزرا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ. (پ ۲۱ السجدہ ۱۷) تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ کیا میں تمہارے ساتھ ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں معلوم ہوئی۔

(پ ۱۵ الکہف ۶۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور اکرم ﷺ کا قول ہے کہ اے خدا بواسطہ اپنے اسماء حسنیٰ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے اسماء کا علم سکھا خواہ میں اسے جانتا ہوں یا اس کا مجھے علم نہیں ہے[1] اور ارشاد ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس نام کا جو تو نے اپنا رکھا ہے یا اسے ترجیح دی ہے علم غیب میں جو تیرے پاس ہے[2] اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ○ (پ ۱۳ یوسف ۷۶) ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

۱۔ دیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۱۹

۲۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۱

زید بن اسلم ﷺ وغیرہ فرماتے ہیں کہ علم کی آخری حد اللہ ﷻ کی ذات پر ہے اس لئے کہ معلومات الٰہیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کی کوئی آخری حد ہے۔ یہ حکم تو نبی کریم ﷺ کے اس اعتقاد کے بارے میں ہے جو توحید شریعت اور امور دینیہ کے معارف ولطائف کے سلسلہ میں ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ اثرِ شیطان اور ہر شر وفساد پر معصوم تھے

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کا شیطان سے محفوظ ومعصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ ہی آپ ﷺ کا محافظ ہے شیطان نہ تو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کسی قسم کی اذیت پہنچا سکتا ہے اور نہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا ہمنشیں جن نہ بنایا گیا ہو اور ایک ہمنشیں فرشتہ نہ ہو۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کے لئے بھی ہے؟ فرمایا: ہاں۔ لیکن اللہ ﷻ نے میری مدد فرمائی اور وہ اسلام لے آیا۔ (صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۷)

دوسری حدیث میں منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زیادہ ہے کہ اب وہ مجھے صرف خیر کا ہی حکم کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے معنی میں مروی اور یہ کہ فَاَسْلَمُ میم کے پیش کے ساتھ یعنی میں اس سے بچتا ہوں اور بعض نے اس روایت کی تصحیح کی اور اس کو ترجیح دی ہے اور مروی ہے کہ وہ اسلام لے آیا یعنی وہ اپنی حالت کفر سے اسلام کی طرف منتقل ہو گیا ہے اب وہ صرف خیر کی تلقین کرتا ہے۔ فرشتہ کی طرح۔ یہ ظاہر حدیث میں ہے اور بعض نے فَاسْتَسْلَمَ یعنی "فرمانبردار ہو گیا ہے" روایت کی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کہ وہ شیطان جو آپ ﷺ کا ہمنشیں ہے اور جو کہ بنی آدم پر مسلط ہے اس کا یہ حکم ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو آپ ﷺ سے دور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی محبت کو لازم نہ کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ آپ ﷺ کے قریب بھی جا سکے

کیونکہ احادیث میں مروی ہے کہ شیاطین نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے نور کو بجھانا چاہا اور آپ ﷺ کو ہلاک کرنے اور شغل میں مبتلا کرنے کی کوشش میں آپ ﷺ کا پیچھا کیا تھا۔ جب وہ آپ ﷺ کے اغوا کرنے سے مایوس ہو گیا تو وہ ناکام ہو کر رہ گئے جیسا کہ آپ ﷺ کو نماز میں ورغلانا چاہا تو

آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور صحاح میں ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے پاس شیطان آیا۔ (صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۱ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۸۵)

عبدالرزاق رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ بلی کی صورت میں تھا تو اس نے مجھ پر حملہ کیا تا کہ نماز قطع کرا دے تو اللہ ﷻ نے مجھے اس پر غلبہ عنایت فرمایا اس کے بعد اسے چھوڑ دیا اگر چہ یہ قصہ ہوا کہ اسے ستون سے باندھ دوں تا کہ صبح کے وقت سب اسے دیکھیں۔ لیکن اس وقت مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا یعنی اے میرے رب مجھے ملک عنایت فرما غرضیکہ اللہ ﷻ نے شیطان کو ناکام لوٹا دیا اور ابو درداء ؓ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دشمن خدا ابلیس میرے پاس آگ کا شعلہ لایا تا کہ وہ میرے چہرہ پر مارے درانحالیکہ حضور ﷺ نماز میں تھے۔ آپ ﷺ نے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور اس پر لعنت کا ذکر کیا۔ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اس کے بعد مذکورہ حدیث کے مطابق ذکر ہے اور فرمایا:

بلاشبہ صبح کے وقت تک بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے[1] اسی طرح معراج کی حدیث میں ہے کہ عفریت (شیطان) نے ایک آگ کے شعلہ کی جستجو کی اس وقت جبریل علیہ السلام نے اعوذ باللہ کے پڑھنے کی ترغیب دی یہ موطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں مذکور ہے[2]۔ جبکہ شیطان آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے پر قادر نہ ہوا تو پھر اس نے آپ کے دشمنوں کو ایذا رسانی پر برانگیختہ کر کے ذریعہ بنایا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے معاملہ میں قریش کے ساتھ مکہ میں شہید کرنے کے قصہ میں ہوا اور شیطان شیخ نجدی کی صورت میں آیا اور دوسری مرتبہ یوم بدر میں سراقہ بن مالک کی صورت میں نمودار ہوا[3] اور خدا کا فرمان ہے:

اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ. جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے۔ (پ۱۰ الانفال ۴۸) (ترجمہ کنزالایمان)

ایک مرتبہ بیعت عقبہ کے وقت قریش کو آپ ﷺ کی شان و شوکت سے ڈراتا تھا ان تمام واقعات میں اللہ ﷻ نے شیطان کے شر اور نقصان سے آپ ﷺ کی کفایت کرتے ہوئے معصوم و مصئون رکھا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا جب کہ وہ آیا تھا کہ بوقت ولادت ان کو پہلو سے چھوئے مگر اس نے حجاب (پردے) میں چھوا[4] اور

۱۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۸۵

۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۹۵، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۱۹

۳۔ تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۵۱

۴۔ صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۳ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۸

حضور ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کو دوا (لد) پلائی گئی اور اس وقت آپ ﷺ سے باز پرسی کے وقت کہا گیا کہ اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ (خدانخواستہ) آپ کو ذات الجنب ہو گیا ہے۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: ذات الجنب تو شیطان کے چھونے سے ہوتا ہے اور مجھے تو اللہ ﷻ نے اس سے محفوظ رکھا ہے کہ شیطان مجھ پر غالب آ سکے۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۳۳)

اب اگر کہا جائے اس ارشاد باری کے کیا معنی ہیں کہ

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ "اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچی دے (کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ۔"

(پ ۹ الاعراف ۲۰۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا کہ یہ اللہ ﷻ کے اس قول کی طرف راجع ہے کہ

وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ ○ اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(پ ۹ الاعراف ۱۹۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کے بعد کہا کہ اگر تمہیں نزغ پہنچ جائے یعنی اگر تم کو غضب ہلکا کرے جو کہ ان سے اعراض کے ترک پر برانگیختہ کرے تو اللہ ﷻ سے پناہ مانگو۔ بعض نے کہا کہ نزغ کے معنی فساد کے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا: "اس کے بعد کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالے۔" اور ایک قول یہ ہے کہ نزغ سے مراد ابھارنا اور جوش میں لانا ہے اور نزغ وسوسہ کا ادنیٰ درجہ ہے تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جب دشمن پر آپ ﷺ کو غصہ حرکت میں لے آئے یا شیطان آپ ﷺ کو یوں پریشان کرے تو اللہ ﷻ سے پناہ مانگو اور خطرات تو وسوسہ سے کم درجہ پر ہے۔ آپ ﷺ پر تو اس کا بھی راستہ نہیں جب ہی تو پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ لہٰذا اللہ ﷻ اس میں بھی آپ ﷺ کی کفایت فرمائے گا اور یہ آپ ﷺ کی عصمت کی تکمیل کا سبب بنے گا کیونکہ آپ ﷺ کے اعراض سے بڑھ کر وہ غلبہ نہیں پا سکتا اور اسے آپ ﷺ پر ہرگز قدرت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کی تفسیر میں اقوال ہیں۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے شیطان فرشتہ کی صورت میں ظاہر ہو اور آپ ﷺ پر شبہ ڈالے نہ یہ قبل رسالت صحیح ہے اور نہ یہ بعد رسالت۔ اور اس میں اعتماد و دلیل معجزہ ہے بلکہ نبی کو اس میں قطعاً شک نہیں ہوتا۔ کہ فرشتہ جو کچھ اللہ ﷻ کی طرف سے لاتا ہے وہ حقیقتاً اسی کا قاصد ہے یا تو اس بدیہی علم سے کہ اللہ ﷻ ان کے لئے پیدا فرما دیتا ہے یا ان دلائل سے جس کو ان پر اپنی جانب سے

ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب ﷻ کے کلام کو سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا کر سکیں۔ اللہ ﷻ کے کلام میں تبدیلی نہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ ج

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے جب انہوں نے پڑھا شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا (پ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگوں کے لئے اس آیت کی تاویل میں چند قول ہیں ان میں سے کچھ تو نرم و سہل ہیں اور کچھ سخت و بھاری ہیں۔ سب سے بہتر وہ قول ہے جس پر جمہور مفسرین ہیں وہ یہ کہ آرزو سے مراد تلاوت ہے اور دخل شیطانی سے مطلب یہ کہ وہ پریشاں خاطر کرے اور تلاوت کرنے والے کو دنیاوی امور یاد دلائے یہاں تک کہ اس پر تلاوت میں وہم و نسیان داخل ہو جائے یا سننے والے پر اس کے سوا تحریف اور بری تاویل داخل کر دے جن کو اللہ ﷻ زائل اور منسوخ کر دیتا ہے اور اس کا شبہ دور کر دیتا ہے اور آیات کو محکم کر دیتا ہے۔ اس آیت پر عنقریب گفتگو آنے والی ہے۔ انشاءاللہ ﷻ۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کا انکار کیا جس میں یہ کہا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر شیطان نے تسلط کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اسی قسم کے تمام قصے غلط ہیں اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور اس شخص کا قول بھی ذکر کیا ہے جس نے یہ کہا کہ جسم سے مراد وہ لڑکا ہے جوان کے پیدا ہوا تھا۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے اور ان کے اس قول میں کہ

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگا دی۔ (پ۲۳ ص ۴۱) (ترجمہ کنز الایمان)

کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کوئی یہ تاویل کرے کہ شیطان نے انہیں بیمار کیا تھا اور ان کے بدن کو اذیت پہنچائی تھی۔ حالانکہ یہ صرف اللہ ﷻ ہی کے حکم سے ہوا تھا تاکہ وہ ان کا امتحان لے اور انہیں ثواب مرحمت فرمائے۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے جو انہیں تکلیف دی تھی وہ ان کی بیوی کا وسوسہ تھا۔

اگر تم یہ کہو کہ اللہ ﷻ کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ جو حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَمَآ اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ. (پ ۱۵ الکہف ۶۳) اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ. یعنی شیطان نے ان کے رب کے ذکر کو بھلا دیا۔ (پ ۱۲ یوسف ۴۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ہمارے نبی ﷺ کا فرمان جب کہ ایک وادی میں سوجانے کی وجہ سے نماز سے رہ گئے تھے کہ ''یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے'' [1] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول جب کہ انہوں نے گھونسا مارا تھا کہ

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (پ ۲۰ القصص ۱۵)

یعنی ''یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا'' (ترجمہ کنزالایمان)

تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ایسا کلام ہے جسے اہل عرب اپنے کلام میں ہر بری بات کو جو کسی سے صادر ہو یا کوئی برا فعل ہو جائے تو وہ اس کو ہمیشہ شیطان کی طرف سے سمجھا کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ○ اس کے پھن گویا شیطان کے سر ہیں۔ (پ ۲۳ الصّٰفّٰت ۶۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: (اس شخص کے لئے جو نمازی کے آگے سے گزرے) کہ اس سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے [2] اور یہ بھی ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے قول کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت تک ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی تھی اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ. اور جب حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا (پ ۱۵ الکہف ۶۰) (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی تب وہ نبی ہوئے اور ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ان کی نبوت سے پہلے تھے جو قرآن کی دلیل سے ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تو وہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا

۱۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲، موطا امام مالک صفحہ ۳۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۹۷، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۶۲

ہے اور اللہ ﷻ کے قول اَنْسَاهُ الشَّيْطٰنُ (پ۱۲ یوسف ۴۲) (ان کو شیطان نے بھلا دیا) کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے شیطان نے اپنے رب کے ذکر سے بھلا دیا تو وہ جیل خانے کے دو ساتھیوں میں سے ایک کے لئے ہے اور رب سے مراد بادشاہ ہے یعنی بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا حال بیان کرنے سے شیطان نے بھلا دیا اور یہ بھی ہے کہ اس قسم کے فعلِ شیطان سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام پر وسوسوں نے غلبہ کر لیا تھا بلکہ ان کا دل کسی دوسرے امور میں مشغول ہو گیا تھا۔ اب ان دونوں کو ان امور کو یاد دلانا مقصود ہے جس نے ان کو بھلا دیا تھا لیکن حضور ﷺ کا فرمان کہ

''یہ ایسی وادی ہے کہ جس میں شیطان ہے۔'' سو اس میں یہ کہاں ذکر ہے آپ ﷺ پر وہ غلبہ پا گیا تھا اور نہ یہ کہ اس نے وسوسہ میں مبتلا کر دیا تھا بلکہ اگر اس کو اس کے ظاہری معنی کے اقتضاء پر رکھیں تو اس سے تو صرف شیطان کا کام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ شیطان بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں تھپک تھپک کر سلا دیا جیسے بچے کو سلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ سو گئے[1] تو معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کا اس وادی پر غلبہ صرف بلال پر تھا جو کہ نماز فجر کے ادائیگی پر مقرر تھے۔

یہ اس صورت میں تاویل ہے جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد کہ ''اس وادی میں شیطان ہے۔'' قضاء نماز پر نیند کو سبب بنا کر تنبیہ قرار دیں لیکن اگر اس کو ہم وادی سے کوچ کرنے پر تنبیہ قرار دیں اور اس کوچ کو وہاں نماز نہ پڑھنے کی علت ٹھہرائیں تو یہ دلیل زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سیاق کی بنتی ہے تو اب اس پر اس باب میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیان ظاہر ہے اور اشکال اٹھ جاتا ہے۔

پانچویں فصل

حضور ﷺ کے اقوال میں عصمت

لیکن نبی کریم ﷺ کے اقوال میں عصمت کا ثبوت تو آپ ﷺ کی سچائی پر صحیح معجزہ کے ساتھ واضح دلائل قائم ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کے طریق تبلیغ پر امت کا اجماع ہے کہ جو خلاف واقعہ خبریں ہوں ان کی خبر دینے سے آپ ﷺ معصوم ہیں نہ تو قصداً نہ سہواً اور نہ بطور غلط لیکن عمداً خلاف کہنا تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ معجزہ دلیل ہے اس پر کہ وہ اللہ ﷻ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرے رسول نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا اور بالاتفاق تمام اہل ملت کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو قول غلطی و سہو

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۲۷۲، موطا امام مالک صفحہ ۳۲

سے واقع ہو جائے تو استاد ابو اسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے متبعین فرماتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے (اور حضور ﷺ اس سے بھی پاک ومنزہ اور معصوم ہیں۔ مترجم)

قاضی ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ محال ہونا بسبب اجماع اور شریعت میں اس کی نفی وارد ہونے اور عصمت نبی ﷺ کی جہت سے ہے نہ یہ کہ فی نفسہ معجزہ کے اقتضاء کی وجہ سے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ کی دلیل کے اقتضاء میں اختلاف ہے ہم اس بحث میں اپنے بیان کو طویل نہیں کرنا چاہتے ورنہ اس بحث میں ہم کتاب کی غرض سے خارج ہو جائیں گے لہٰذا جس پر مسلمانوں کا اجماع واقع ہو گیا ہے اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

یعنی یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ جائز نہیں کہ تبلیغ شریعت میں اور جو رب ﷻ کی طرف سے ہم کو پہنچائیں اور وہ جس کی وحی آپ ﷺ کی طرف آئے قصد وبلا قصد سے خلاف قول واقع ہو خواہ آپ ﷺ خوشی یا غصہ کی حالت میں ہوں یا صحت ومرض کی حالت میں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جو کچھ بھی آپ ﷺ سے سنوں اسے لکھ لیا کروں۔ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا: خواہ آپ ﷺ خوشی میں ہوں یا غصہ میں۔ فرمایا: ہاں۔ کیونکہ میں ان تمام حالات میں سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتا[1] اور مناسب ہے کہ معجزہ کے دلیل ہونے کے بیان میں جیسا اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کچھ مزید بیان کیا جائے۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کے صدق پر معجزہ قائم ہو چکا اور یہ کہ آپ ﷺ حق کے سوا کچھ نہیں فرماتے اور یہ کہ اللہ ﷻ کی جانب سے تبلیغ احکام میں صدق ہی صدق ہے اور یہ کہ معجزہ قائم مقام اللہ ﷻ کے اس فرمان کے ہے کہ "اے رسول ﷺ تم نے جو کچھ میری طرف سے پہنچایا سچ پہنچایا" چنانچہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کا قول نقل فرماتا ہے:

اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ. میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

(پ ۹ الاعراف ۱۵۸) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ. تا کہ جو میری طرف آیا اسے تم پر بیان کر دوں۔

(پ ۲۶ الاحقاف ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور جو تمہارے لئے اترا ہے اسے تمہارے لئے ظاہر کر دوں۔

۱۔ مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى O اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

(پ ۲۷ النجم ۳-۴) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز ارشاد ہے:

وَقَدْ جَآءَ كُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ. تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے۔

(پ ۶ النساء ۱۷۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. اور وہ رسول جو دیں اسے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(پ ۲۸ الحشر ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا اس باب میں خلاف واقع جو خبر بھی پائی جائے گی خواہ وہ کسی درجہ سے ہو صحیح نہ ہوگی۔ اگر معاذ اللہ ہم غلط اور سہو کو آپ ﷺ پر جائز رکھیں تو یقیناً ہمیں غیر سے فرق کی تمیز نہ ہوگی اور لامحالہ حق باطل کے ساتھ مل جائے گا لہٰذا فی الجملہ معجزہ آپ ﷺ کی تصدیق پر بغیر کسی تخصیص کے مکمل شامل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ان سب امور سے پاک و منزہ اور معصوم ہونا دلیل سے بھی واجب ہے اور اجماع امت سے بھی۔ جیسا کہ ابو اسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

چھٹی فصل

معترضین کے جوابات

اب ہم معترضین کے سوالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سورۃ نجم تلاوت فرمائی[1] اور ارشاد باری سنایا کہ

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى O وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى O تو کیا تم نے دیکھا لات اور عزیٰ اور اس تیسری منات کو

(پ ۲۷ النجم ۱۹-۲۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو کہا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتُهَا لَتُرْجٰى اور یہ بھی مروی کہ لَتُرْجٰى کی جگہ تُرْتَضٰى کہا اور ایک روایت میں ہے اِنَّ شَفَاعَتُهَا تُرْتَجٰى وَاِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِيْقِ الْعُلٰى اور ایک

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۳۹

روایت میں ہے وَالْغَرَانِقَةِ الْعُلٰى تِلْکَ شَفَاعَةَ تُرْتَجٰى پس جب سورۂ مبارکہ ختم فرمائی تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔

جب کفار نے سنا کہ حضور ﷺ ان کے معبودوں کی تعریف کرتے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر القا کر دیا (معاذ اللہ) اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہشمند تھے کہ کوئی ایسی چیز نازل ہو جائے جس سے آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی قوم کے درمیان نزدیکی ہو جائے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ (چاہتے تھے کہ) کوئی چیز ایسی نازل نہ ہو جس سے کفار کو نفرت پیدا ہو اور اس قصہ کو بیان کیا کہ اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے ان کو یہ سورۃ سنائی تو جب ان دو کلموں پر پہنچے تو کہا یہ تو میں لے کر نہیں آیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ غمزدہ ہوئے۔ اس پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ. ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔
(پ۱۷، الحج ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا کہ

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ. اور قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے۔
(پ۱۵، بنی اسرائیل ۷۳) (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ اس مشکل روایت میں کلام کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ماخذ (دلیلیں) ہیں ایک تو یہ کہ یہ روایت ہی کمزور ضعیف ہے دوسری یہ کہ ہم اس کو تسلیم کریں۔ لیکن پہلے ماخذ (دلیل) میں تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ روایت کسی صحاح میں محدث نے نقل نہیں کی اور نہ اس کی سند میں معتبر راوی ہیں اور نہ درستی کے ساتھ متصل ہے۔ صرف ان مفسرین و مورخین نے جو عجیب و غریب روایتوں اور خبروں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور وہ ہر صحیح و ضعیف روایت کو کتابوں سے نقل کر لیتے ہیں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

قاضی بکر بن العلاء مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا سچ بات کہی ہے کہ بلاشبہ کچھ اہل ہوا بیوقوف واحمق لوگ ان تفسیروں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور اس سے بعض ملحد باوجود ضعیف راویوں کے اور مضطرب و منقطع السند روایتوں کے اختلافی کلمات سے چمٹ گئے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ

(۱) آپ ﷺ نے اسے نماز میں پڑھا۔

(۲) اور کسی نے کہا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اپنی قوم کو بلا کر ان کے جلسہ میں پڑھا۔

(۳)اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی تھی اس میں یہ پڑھا۔
(۴)اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ دل میں باتیں کررہے تھے تب بھول کر یہ پڑھا۔
(۵)اور کسی نے کہا کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات ڈال دیئے تھے۔

جب آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے سامنے تلاوت کی تو اس نے کہا: میں نے یہ تو آپ ﷺ کو نہیں سنایا تھا اور جب یہ بات آپ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: واللہ اس طرح نازل نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ مختلف روایتیں ہیں اور جس مفسر یا تابعی نے اس حکایت کو آپ ﷺ سے نسبت دی ہے کسی نے بھی اس کی سند صحابہ تک یا آپ ﷺ تک متصل و مرفوع نہیں بیان کی اور ان سے اکثر طریقے اس میں ضعیف اور موضوع ہیں۔

اس سلسلہ میں صرف شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مرفوع ہے جو ابی بشر رحمۃ اللہ علیہ سے وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس حدیث میں گمان کرتا ہوں کہ یہ مشکوک ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے [1] اور پورا قصہ بیان کیا۔

اس بارے میں ابوبکر بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ حدیث حضور ﷺ تک متصل السند ہو جس کا بیان کرنا جائز ہو اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے امیہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی جس کو وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال بیان کرتا ہے۔ یہ حدیث صرف کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پہنچائی جاتی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا جو ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ یہ روایت کسی بھی ایسی سند سے مروی نہیں جس کی بنا پر اسے بیان کرنا بھی جائز ہو۔ سوائے اس طریق کے اور اس میں بھی کمزوری اور ضعف ہے جس پر انہوں نے تنبیہہ کی ہے نیز یہ مشکوک بھی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ لہٰذا یہ روایت نہ تو قابل اعتماد ہے اور نہ حقیقتاً اس میں کچھ واقفیت ہے۔ اب رہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث تو یہ اس قبیل سے ہے جس کی روایت اس سے جائز ہی نہیں اور انتہائی ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ متہم بالکذب ہے جیسا کہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا اور وہ جو ان سے صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم کو مکہ میں پڑھا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں اور مشرکوں اور جن وانسان کے ساتھ سجدہ کیا تو یہ نقل کے لحاظ سے ہی کمزور ہے۔

اب رہی اس کی معنوی حیثیت تو اس پر مضبوط دلیل قائم ہو چکی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ اس قسم کی رذیل روایتوں سے منزہ و معصوم ہیں لیکن آپ ﷺ کی یہ تمنا کہ آپ ﷺ پر

۱۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ النجم جلد ۶ صفحہ ۱۱۸

معبودان باطلہ کی تعریف میں آیتیں اتریں تو یہ کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ پر شیطان غالب آ جائے اور آپ ﷺ پر قرآن مشتبہ کر دے یہاں تک کہ آپ ﷺ قرآن میں وہ داخل کر دیں جو قرآن سے نہیں ہے اور آپ ﷺ اس قسم کا اعتقاد کر لیں کہ قرآن کی کچھ آیتیں ایسی ہیں جو قرآن کی نہیں ہیں حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام اس پر آپ ﷺ کو خبردار کریں۔ یہ تمام باتیں حضور ﷺ کے حق میں محال اور ممتنع ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ عمداً اپنی طرف سے ایسا فرمائیں یہ بھی کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ سہواً (بھول کر) ایسا فرمائیں آپ ﷺ ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

بلاشبہ ہم نے براہین اور اجماع سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب وزبان سے کلمہ کفر کا اجراء خواہ عمداً ہو یا سہواً یا آپ ﷺ کو جو فرشتہ وحی لائے اس میں شیطانی القا ہو جائے یا شیطان کو غلبہ کا آپ ﷺ پر کوئی راستہ مل جائے یا اللہ ﷻ پر آپ ﷺ اپنے دل سے ایسی باتیں گھڑ کر نسبت کریں جو آپ ﷺ پر نازل نہیں ہوئیں جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔

(پ ۲۹ الحاقۃ ۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا کہ

اِذًا لَّاَ ذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی موت کا مزہ دیتے۔

(پ ۱۵ الاسراء ۷۵) (ترجمہ کنزالایمان)

آپ ﷺ ان تمام باتوں سے پاک ومنزہ اور معصوم ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ نظر اور طرف کے لحاظ سے یہ قصہ ہی ناممکن الوجود ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ کلام ایسا ہو جیسا کہ قصہ میں مذکور ہے تو یہ باہمی اتصال سے بعید ہوگا کیونکہ یہ متناقض الاقسام ہے کہ تعریف ومذمت یکجا ہوں جو کہ تالیف ونظم کے خلاف ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو یقیناً نبی کریم ﷺ اور موجود مسلمانوں اور مشرکوں سے پوشیدہ نہ رہتی جبکہ یہ بات ادنیٰ تامل (غور) کرنے والے پر مخفی نہیں ہے تو اس ذات مبارکہ کا کیا حال ہوگا جس کا حلم سب سے زائد جس کا علم بیان ومعرفت اور فصاحت کلام میں اعلیٰ درجہ پر فائق ہو۔

اور تیسری وجہ کہ منافقوں، دشمن مشرکوں، کمزوردل اور جاہل مسلمانوں کی عادت معلوم ہے کہ پہلی ہی دفعہ ان کو نفرت ہو جاتی اور قلیل فتنہ کی خاطر نبی کریم ﷺ پر باتیں ملا دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو عار دلاتے تھے اور ان کے پے در پے مصائب پر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ جو دل کے روگی

ہوتے تھے مگر اسلام کا اظہار کرتے تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ ادنیٰ شبہ پڑ جانے سے مرتد ہو جایا کرتے تھے لیکن اس قصہ میں سوائے اس کمزور روایت کے اور کچھ منقول نہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یقیناً قریش اس بنا پر مسلمانوں پر غالب آ جاتے اور یہودی ضرور ان پر حجت قائم کرتے جیسا کہ انہوں نے قصۂ معراج میں مکابرہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ ضعیف الایمان لوگ مرتد ہو گئے تھے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر واقعہ ہوا۔ بلا شبہ اس فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہ ہوتا اگر اس کا وجود ہوتا اور اگر دشمن موقع پاتے تو اس سے زیادہ شدید موقع شور مچانے کا نہ ہوتا۔ مگر کسی دشمن سے اس قصہ میں ایک کلمہ بھی منقول نہیں اور نہ کسی مسلمان سے اس سلسلہ میں کوئی بات منہ سے نکلی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو اس قصہ کے باطل ہونے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کچھ شیاطین انس و جن نے اس روایت کو بعض بیوقوف نادان محدثین کے دل میں ڈال دیا تا کہ ضعیف الایمان مسلمان اس سے شبہ میں پڑ جائیں۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ کے راویوں نے بیان کیا کہ اس سلسلہ میں آیہ کریمہ لَیَفۡتِنُوۡنَکَ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۳) نازل ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں اس واقعہ کا رد کر رہی ہیں جو یہ بیان کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے تھے تا کہ آپ ﷺ اللہ ﷻ پر افتراء کریں۔ (معاذ اللہ) اگر آپ ﷺ کو خدا ثابت قدم نہ رکھتا تو مائل ہی ہو جاتے۔ اس کا مضمون و مفہوم بتلا رہا ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس امر سے معصوم رکھا کہ آپ ﷺ خدا پر افتراء کریں اور آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھا کہ ان کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی نہ ہو چہ جائیکہ زیادہ۔

وہ اپنی اس واہی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے معبودان باطلہ کی تعریف میں میلان و افتراء سے بڑھ کر حصہ لیا (معاذ اللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ ﷻ پر افتراء کیا اور وہ بات کہی جو نہ کہی گئی تھی۔'' (معاذ اللہ) حالانکہ یہ مفہوم آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو صرف یہی بات اس روایت کو بتا دیتی۔ اب جب کہ یہ بات سرے سے ہی درست نہیں تو اس کا حال ظاہر ہے اور یہ بات اس آیت کی مثل ہے جو دوسری جگہ ہے۔

اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ وَرَحۡمَتُہٗ لَھَمَّتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡھُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡکَ ؕ وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَھُمۡ وَمَا یَضُرُّوۡنَکَ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ

(پ۵ النساء ۱۱۳)

اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکہ دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی قرآن کریم میں لفظ کَادَ آیا ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ واقع نہ ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَکَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے۔ (پ ۱۸ النور ۴۳) (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ وہ نہیں لے گئی اور فرمایا: اَكَادُ اُخْفِيْهَا ''عنقریب اسے مخفی کر دوں گا'' حالانکہ نہیں کیا۔

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قریش اور بنی ثقیف نے اس وقت التجا کی جبکہ آپ ﷺ ان کے معبودوں کی طرف گزرے کہ آپ ﷺ ان کی طرف چہرۂ انور تو پھیریں اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر آپ ایسا کریں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ نہ تو ان کے قریب ہوئے اور نہ اظہار میلان کیا۔

اور اس آیت کی تفسیریں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں جیسا کہ ہم نے عصمت رسالت کے بیان میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر آپ کی عصمت بیان فرمائی ہے جو ان نادانوں کی بیوقوفی کی تردید کر رہی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مکر و فتنہ سے آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھ کر احسان فرمایا۔ اسی سے ہماری مراد آپ ﷺ کی پاکی اور آپ ﷺ کی عصمت ہے۔ یہی آیت کا مفہوم ہے۔

لیکن دوسرا ماخذ (دلیل) تو وہ بر بنائے تسلیم حدیث بشرط صحت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی صحت سے ضرور پناہ دی ہے لیکن بہرحال ائمہ مسلمین نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں جس میں کچھ ضعیف ہیں اور کچھ قوی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے جو قتادہ اور مقاتل رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کو اس سورۃ کی قرأت کے وقت اونگھ آ گئی تھی اور یہ کلام نیند کی وجہ سے آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر یہ کسی حال میں جائز نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی

زبان پر اسے پیدا کیا اور نہ یہ جائز ہے کہ خواب یا بیداری میں آپ ﷺ پر شیطان غلبہ پا سکے کیونکہ اللہ ﷻ نے اس باب آپ ﷺ کو میں ہر عمد و سہو سے معصوم کیا۔

اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے یہ بات بنائی لہٰذا یہ شیطان کا آپ ﷺ کی زبان پر القا ہے (معاذ اللہ) اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے ہے، کہا کہ آپ ﷺ کو سہو ہو گیا جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: اسے شیطان نے زبان پر جاری کر دیا اس قسم کی تمام باتیں غلط ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمداً یا سہواً ایسا فرمائیں اور نہ شیطان ہی آپ ﷺ کی زبان پر قابو پا سکتا ہے۔

ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تلاوت کے دوران کفار کی مضبوطی اور تنبیہ کے طور پر ایسا فرمایا ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ هٰذَا رَبِّیْ (یہ میرا رب ہے) اس کی کئی تاویلیں ہیں اور ان کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا. (پ۱۷ الانبیاء ۶۳)

بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(تو آپ نے) سکوت اور دو کلاموں کے درمیان وقفہ کر کے فرمایا۔ اس کے بعد تلاوت جاری رکھی۔ ایسے وقفہ و فعل کے بعد ممکن ہے اور قرینہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قرآن سے نہیں ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جسے قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو نماز میں پڑھنے کے بارے میں مروی ہے کیونکہ اس وقت تک نماز میں کلام کی مخالفت وارد نہ تھی۔

اور وہ بات جو قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین کے نزدیک اس کی تاویل میں ظاہر و قابل ترجیح تسلیم روایت میں ہے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمان الٰہی کے مطابق قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرتے اور اپنی قرأت میں ایک ایک آیت جدا جدا کر کے تلاوت کرتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کی۔ پس ممکن ہے کہ شیطان اس گھات میں رہتا ہو کہ حضور ﷺ کے سکتہ اور وقفہ کے درمیان اپنی طرف سے کلام بنا کر حضور ﷺ کی آواز کے مشابہ کر کے داخل کر دیتا ہو تا کہ قریب کے کفار سن لیں اور وہ گمان کر لیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے اور اس کی وہ اشاعت کرتے ہوں تو یہ بات مسلمانوں کے نزدیک ہرگز عیب نہیں کیونکہ سورۃ اترتے ہی اس واقعہ سے پہلے مسلمانوں نے اسے حفظ کر لیا تھا اور ان کو یہ بات ثابت تھی کہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں بتوں کی مذمت اور ان کے عیوب بیان کرتے ہیں یہ بات خوب مشہور تھی۔

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مغازی میں اس کے مثل بیان کر کے کہا کہ مسلمانوں نے

اسے نہیں سنا۔ وہ تو شیطانی القا ہے جسے مشرکین کے کان اور دلوں نے سنا تھا اور جو مروی ہے کہ اس کی اشاعت شبہ اور فتنہ کے سبب آپ غمزدہ ہو گئے تھے اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ. اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول اور نبی بھیجے۔ (پ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

تو معلوم ہوا کہ تَمَنّٰی کے معنی یہاں تلاوت ہے۔ اللہ ﷻ نے خود فرمایا:

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ. وہ نہیں جانتے کتاب کو مگر امانی یعنی تلاوت کو۔ (پ۱ البقرہ ۷۸)

اور فرمایا:

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ. تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو۔ (پ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی اسے محو کر دیتا ہے اور اس کے فریب کو زائل کر دیتا ہے اور دینی آیتوں کو محکم بنا دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جو سہو بوقت تلاوت ہو جاتا تھا معلوم ہونے پر اس سے آپ ﷺ رجوع کر لیتے تھے۔ سو یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے جو کہ آیت کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے دل سے باتیں کیں اور کہا: جب آپ ﷺ نے تمنا کی یعنی دل سے باتیں کیں اور ابو بکر بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ قرأت میں سہو جب ہی صحیح ہوتا ہے کہ اس کے معانی اور لفظوں میں تغیر و تبدل اور ایسی زیادتی ہو جو قرآن میں نہ ہو بلکہ سہو تو یہ ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا کلمہ کی تلاوت رہ جائے لیکن ایسا سہو قائم و باقی نہیں رہتا بلکہ اسی پر فوراً خبردار کر کے یاد دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب سہو کے جواز و عدم جواز پر آپ ﷺ کے حق میں بحث کریں گے۔

اس روایت کی تاویل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ میں بیان کیا کہ "وَالْغَرَانِقَةُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ تُرْتَجٰى" اس سے فرشتے مراد ہیں۔

اس روایت کے موافق کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی کہ اس سے فرشتے مراد ہیں یہ اس بنا پر کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے اور یہ بت اللہ ﷻ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ اللہ ﷻ ان کی حکایت کر کے اسی سورۃ میں رد فرماتا ہے:

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى. کیا تم کو بیٹا اور اس کی بیٹی (پ۲۷ النجم ۲۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے ان کی یہ تمام باتیں مردود فرمادیں اور فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے اور جب مشرکوں نے اس کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں ذَکَرَ سے مراد ان کے معبود ہیں اور شیطان نے انہیں فریب اور شبہ میں ڈال دیا اور ان کے دلوں کو یہ اچھی معلوم ہوئی جو ان کے دلوں میں شیطان نے ڈالی تو اللہ ﷻ نے اسے منسوخ کر دیا جسے شیطان نے ڈالا اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اور ان دونوں لفظوں کی تلاوت کو جن سے شیطان نے راہ پائی تھی اشتباہ کی وجہ سے اٹھالیا۔

جیسا کہ قرآن میں اکثر نسخ واقع ہوا اور اس کی تلاوت اٹھالی گئی۔ اللہ ﷻ کے اس اتارنے میں بھی حکمت تھی اور منسوخ کرنے اور اٹھانے میں بھی حکمت ہے تا کہ وہ یہ دیکھے اس طرح پر کون گمراہ ہوتا ہے اور کون راہ یاب ہوتا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔
(پ۱ البقرہ ۲۶) (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ اور بے شک ستم گار ادھر کے (پرلے درجے کے) جھگڑالو ہیں۔
(پ۱۷ الحج ۵۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے وہ اسے اپنے رب ﷻ کی طرف سے حق جانیں تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس پر اور مضبوط ہو جائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس سورۃ کی تلاوت کی اور اس آیت کریمہ اَللّٰتَ وَالْعُزّٰى پر پہنچے تو کفار ڈرنے لگے کہ اس کے بعد ان کی مذمت میں آیت آئے گی تو انہوں نے جھٹ ان کی مدح میں ان دو کلموں کا اضافہ کر دیا تا کہ نبی کریم ﷺ کی تلاوت میں گڈمڈ ہو جائے۔ پھر وہ کفار اپنی عادت کے مطابق حضور ﷺ پر طعنہ زنیاں کریں۔ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ شغل (شور) کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔
(پ۲۴ حم السجدہ ۲۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اس فعل کی شیطان کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ اس نے ان کو اس پر برانگیختہ کیا اور اس نے اسے شائع وذائع کیا تھا اور نبی کریم ﷺ سے جب اسے کہا تو آپ ﷺ ان کے اس افتراء اور کذب پر غمگین ہوئے۔

اس پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی یوں تسلی فرمائی کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَاکَ مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ۔ (پ۱۷ الحج ۵۲) اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور قرآن کی حفاظت فرمائی اپنی آیتوں کو محکم بنایا اور جو دشمنوں نے اشتباہ ڈالا اسے دفع فرمایا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ خود اس کا ضامن ہے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (پ۱۴ الحجر ۹) بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اسی قبیل سے وہ روایت ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے اپنے رب ﷻ کی طرف سے عذاب کا وعدہ کیا۔ جب انہوں نے توبہ کرلی تو ان سے عذاب دور کر دیا تب کہا کہ میں ان کی طرف جھوٹا بن کر کبھی نہ جاؤں گا اور غصہ ہو کر چلے گئے۔

خدا تمہیں عزت دے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بات کسی روایت تواریخ میں مذکور نہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے کہا ہو کہ اللہ ﷻ ان کو ہلاک کرنے والا ہے اس میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے ان کو ہلاک کر ڈالنے کی استدعا کی تھی اور دعا ایسی خبر نہیں جس کے صدق و پورا ہونے یا جھوٹے ہونے کا مطالبہ کیا جاسکے لیکن ان سے یہ کہا تھا۔

فلاں روز صبح کے وقت ایسا ایسا عذاب آنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے ان سے عذاب کو دور کر کے ان پر مہربانی فرمائی۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ط لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ۔ (پ۱۱ یونس ۹۸) یونس کی قوم جب ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اخبار و سیر میں ہے کہ انہوں نے عذاب کے دلائل و علامتیں دیکھی تھیں۔ اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا[1]۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم یونس کو عذاب نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا جس طرح چادر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ اس روایت کے کیا معنی ہیں کہ عبداللہ بن سرح جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا پھر وہ مرتد اور مشرک ہو کر قریش سے مل گیا۔ ان سے کہا کہ میں حضور ﷺ کو جس طرف چاہتا تھا پھیر لیتا تھا آپ اگر عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ لکھاتے تو میں کہتا یا عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ہے۔ فرماتے: ہاں ٹھیک ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اس سے فرماتے: ایسا لکھو۔ تو وہ کہتا: ایسا لکھ دوں۔ تب آپ ﷺ فرماتے: جیسا تو چاہے لکھ۔ مثلاً آپ ﷺ فرماتے: عَلِیْمًا حَکِیْمًا لکھو۔ تو وہ کہتا: کیا سَمِیْعًا بَصِیْرًا لکھ

۱۔ تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۳۹۲۔۳۹۱

دوں۔ فرماتے: جیسا چاہے لکھو اور صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک نصرانی اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ کا کاتب بنا پھر وہ مرتد ہو گیا اور وہ کہتا کہ حضور ﷺ تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں انہیں لکھ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

تو اے مسلم تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل ہمیں اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے اور شیطان کو ہم پر راہ نہ دے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کر دے کہ اس قسم کی حکایتیں اولاً تو مسلمان کے دل میں کسی قسم کا شک ڈال ہی نہیں سکتیں کیونکہ یہ حکایتیں ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو مرتد ہو گئے اور انہوں نے اللہ عزوجل کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ ہم اس مسلمان کی خبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو کذب وغیرہ کے ساتھ متہم ہو چہ جائے کہ اس کافر کے افتراء کو مانیں جس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھا۔ وہ تو اس سے بڑھ کر ہے اور ہر ایسے سلیم العقل پر تعجب ہے جس نے ایسی حکایتوں کی طرف توجہ بھی کی۔ بلاشبہ یہ حکایتیں دشمن، کافر اور دین اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھنے والے سے صادر ہوئیں اور کسی مسلمان سے اس قسم کی کوئی روایت منقول نہیں اور نہ کسی صحابی نے ایسا تذکرہ کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ اس نے کہا اس نے اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام پر افتراء کیا۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ (پ ۱۴ النحل ۱۰۵)	جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ ہی جھوٹے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور وہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو یہ ظاہر حکایت ہے اس میں یہ کہاں ہیں کہ وہ اس کا شاہد ہے کہ انہوں نے جو سنا حکایت کر دی۔ حالانکہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور کہا کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس پر اس کا کوئی تابع نہیں ہے اور اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور کہا کہ میرا گمان ہے کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ (واللہ اعلم) اسی وجہ سے کسی اہل صحاح نے اس روایت کو نہ تو ثابت رضی اللہ عنہ سے اور نہ حمید رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج کی اور صحیح حدیث عبداللہ بن عزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اسے اہل صحت نے تخریج کی ہے اور ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی قول نہیں ہے۔ صرف مرتد نصرانی کی حکایت

ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور نہ اس میں نبی کریم ﷺ کی نسبت جو آپ ﷺ پر وحی ہوئی وہم کا گمان ہوتا ہے اور نہ اس میں آپ ﷺ کی تبلیغ پر سہو، غلطی اور تحریف کا جواز ہے اور نہ کوئی نظم قرآن کے منجاب اللہ ﷻ ہونے میں طعن ہے۔

اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ کاتب نے آپ ﷺ سے کہا: يَاعَلِيْمُ حَكِيْمُ اسے لکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی ہے تو یہ ایک یا دو کلموں پر سبقت لسان یا قلم نہیں ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ آپ ﷺ کے اظہار فرمانے سے قبل اس لئے کہ جو کچھ آیت رسول اللہ ﷺ نے لکھائی ہے وہ اس پر دلالت کر رہی تھی اور اسی کلمہ کا تقاضا کرتی تھی۔ اس میں تو کاتب کے کلام کی معرفت وقوت اور ذہانت وفطانت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ بسا اوقات ایسا اتفاق کسی سمجھ دار آدمی کے لئے ہو جاتا ہے جبکہ وہ کوئی شعر سنتا ہے تو اس کے قافیہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے یا جب وہ کسی عمدہ کلام کے ابتدائی حصہ کو سنتا ہے تو ایسے جملہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے جس سے کلام پورا ہو جاتا ہے اور یہ اتفاق پورے کلام میں نہیں ہوتا جیسا کہ ایک آیت یا ایک سورۃ میں نہیں ہوتا۔

یہی صورت حضور ﷺ کے اس فرمان کی ہے اگر وہ صحیح ہو "کہ سب ٹھیک ہے" تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت کے آخر میں دو وجہیں یا دو قرأتیں ایک ساتھ حضور پر نازل ہوئی ہوں ان میں سے ایک تو لکھا دی اور دوسری کی طرف کاتب کی اپنی ذہانت اور دانائی کہ مقتضائے کلام کے موافق ذہن دوڑ گیا۔ تو اس نے اس کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا اس پر آپ ﷺ نے اس کی تصویب کر دی۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے جسے چاہا محکم فرما دیا اور جسے چاہا منسوخ اور محو فرما دیا۔ جیسا کہ بعض آیتوں کے آخری حصہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O (پ۷ المآئدہ ۱۱۸)	اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ جمہور کی قرأت ہے اور قاریوں کی ایک جماعت نے فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) پڑھا ہے حالانکہ یہ مصحف میں نہیں ہے۔ یہی صورت ان کلمات کی ہے جو درمیان میں دو وجہوں پر آئی ہیں۔ جس میں سے ایک کو تو جمہور نے پڑھا اور مصحف میں برقرار رکھا (اور دوسرا مصحف میں نہیں ہے) مثلاً وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا اور نُنْشِرُهَا دونوں ہیں۔ اور يَقُضِ

الْحَقُّ اور یَقُصُّ الْحَقَّ دونوں ہیں۔ یہ اختلافات شک کے موجب نہیں اور نہ نبی کریم ﷺ کی طرف غلطی اور وہم کی نسبت کی جا سکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے یہ ان خطوط میں لکھا گیا ہو جو حضور ﷺ کی طرف سے لوگوں کی طرف قرآن کے سوا لکھا گیا ہو اور اس میں اس نے خدا کی تعریف و تسبیہ میں جو چاہا لکھ دیا ہو۔

ساتویں فصل

دنیاوی امور میں صدقِ مقال اور احوالِ بشریہ

یہ بحث تو اس کلام میں تھی جو تبلیغ سے متعلق تھا لیکن وہ جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہے یعنی وہ خبریں جو نہ تو احکام سے متعلق ہیں اور نہ وہ امور آخرت سے اور نہ وحی کی طرف اس کی اسناد ہے بلکہ وہ دنیاوی امور اور آپ ﷺ کے حالات میں وارد ہیں تو ان میں بھی نبی کریم ﷺ کو منزہ سمجھنا واجب ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی خبر خلاف واقع ہو نہ عمداً نہ سہواً اور نہ غلطاً اور یہ کہ آپ ﷺ خوشی، غصہ، محبت، مزاج اور مرض وغیرہ ہر حالت میں معصوم تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔

یہ یوں ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صحابہ کے دین اور عادت یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے تمام حالات کی تصدیق میں سبقت کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ہر بات پر ان کو بھروسہ اور اعتماد تھا خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو اور کسی جانب سے واقعہ ہو اور ہرگز انہیں کسی وقت بھی توقف اور تردد نہ ہوتا تھا اور نہ وہ اس وقت اس بات کا ثبوت مانگا کرتے تھے کہ کہیں اس میں سہو ہے یا نہیں؟

جب ابن ابی الحقیق یہودی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر سے نکالا تو اس نے آپ ﷺ سے جھگڑا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو برقرار رکھا تھا (اور آپ نکال رہے ہیں) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا۔ تو یہودی نے کہا: یہ تو ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) کا مذاق تھا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط جلد ۳ صفحہ ۱۶۹)

آپ ﷺ کے اخبار و آثار، سیر و شمائل وہ ہیں جن کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور انہیں تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی غلطی کا تدارک کیا ہو یا جو فرمان بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یا جو خبر بھی آپ ﷺ نے دی ہے اس میں وہم کا اقرار کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ بھی منقول ہوتا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک مرتبہ انصار سے کھجور کے پیوند لگانے کے قصہ میں رجوع کرنا منقول ہے حالانکہ یہ بھی ایک مشورہ تھا نہ کہ خبر تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۵)

اس کے سوا اور بہت سے امور ہیں جو اس باب سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میں کسی معاملہ میں قسم کھا لوں پھر اس کے سوا دوسری طرف بھلائی کو دیکھوں تو قسم کو توڑ کر اسے کر لوں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا[1] اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم لوگ میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو۔[2] اور یہ فرمانا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ اپنی کھیتی کو اتنا پانی دے کہ پانی دیوار کو پہنچ جائے[3] وغیرہ۔

جیسا کہ ہم ہر وہ قصہ جو اس باب میں مشکل نظر آتا ہے اور جو اس کے بعد ہے ان دونوں شبہوں کے ساتھ انشاء اللہ ﷻ بعد میں بیان کریں گے۔

ایک یہ بھی بات ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی جھوٹی خلاف واقعہ خبر معروف ہو جائے تو اس کی باتوں میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ حدیث میں متہم کہلاتا ہے۔ اس کا قول لوگوں کے دلوں میں نہیں پڑے گا۔ لہٰذا محدثین اور علماء کرام نے باوجود ثقہ ہونے کے وہم و غفلت، سوء حفظ اور کثرت غلط کی وجہ سے ایسوں سے حدیث لینے کو ترک کر دیا ہے۔

ایک یہ بھی ہے کہ عمداً دنیاوی امور میں جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بکثرت جھوٹ بولنا بالاجماع گناہ کبیرہ ہے اور مروت کو ساقط کر دیتا ہے اور ان سب امور میں منصب نبوت پاک و منزہ ہے اور جبکہ ایک مرتبہ جھوٹ بولنا جس میں برائی اور شناعت ہو اسے (منصب نبوت) داغدار اور عیب دار بنا دیتا ہے اور اس کے قائل کو گنہگار کر دیتا ہے وہ اسی کے ساتھ ملتا ہے جو اس مرتبہ پر نہ پہنچے پھر اگر ہم اس کو صغیرہ میں شمار کریں تو کیا اس کا حکم ایک مرتبہ جھوٹ بولنے کے حکم میں ہوگا اور مختلف فیہ بن جائے گا؟

لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ نبوت کو اس کے تھوڑے اور بہت سے اور سہو و عمد سے منزہ رکھا جائے اس لئے کہ نبوت کا مقصود تبلیغ، اخبار اور تصدیق ہے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں۔ اگر اس میں (سہو و عمد) سے کچھ جائز رکھا جائے تو یہ منصب نبوت کے مخالف اور شک پیدا کرنے والی اور معجزات میں متناقض ہوگا۔

لہٰذا ہمارا یقینی طور پر اعتقاد ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال میں کسی وجہ سے خلاف نہیں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۹

[2] صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۷، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۷

[3] بخاری کتاب التفسیر جلد ۶ صفحہ ۳۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۰، سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۴ صفحہ ۵۲، سنن ترمذی کتاب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۴۰۸، سنن نسائی کتاب القضاء جلد ۸ صفحہ ۲۳۸، سنن ابن ماجہ کتاب الرحود جلد ۲ صفحہ ۲۸۹

ہے نہ قصداً اور نہ بدونِ قصد کے اور جولوگ سستی کرتے ہیں اور اس کو جائز رکھتے ہیں کہ جو امور تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں اس میں سہو ممکن ہے، ہم اس سے تسامح نہیں کرتے البتہ بعد نبوت ہرگز نہیں اور اس کے باوجود نبوت سے پہلے بھی ان پر جھوٹ جائز نہیں اور نہ ان کی طرف امور دنیا اور ان کے حالات میں اس کی نسبت کرنی جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ بات ان کو عیب دار اور شکی بناتی ہے لوگوں کے دل بعد کو ان کی رسالت وتبلیغ کی تصدیق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے ہم زمانہ قریش وغیرہ امتِ دعوت پر ذرا غور کرو اور ان کے سوالات کو دیکھو کہ وہ کس طرح آپ ﷺ سے حالات اور آپ ﷺ کی سچائی کے معترف تھے۔ انہوں نے معروف باتوں کا اقرار کیا تھا۔

ناقلین کا ہمارے نبی ﷺ کی عصمت پر قبل نبوت اور بعد نبوت اتفاق ہے اور ہم نے ان آثار کو اس کتاب کے پہلے حصہ کے دوسرے باب میں بیان کیا ہے اب اس بات کی صحت کو جس کی طرف ہم ارشاد کر چکے ہیں، بیان کرتے ہیں۔

آٹھویں فصل

سہو حدیث

اب اگر تم یہ کہو کہ سہو حدیث میں حضور ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ اس پر ذوالیدین ؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ نے نماز کو قصر فرمایا یا آپ کو سہو ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہیں[1]۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ سہو ہوا۔

آپ ﷺ نے دونوں حالتوں کی نفی فرمائی کہ ان میں سے کوئی بات نہیں حالانکہ ان میں سے ایک بات ضرور ہوئی جیسا کہ ذوالیدین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان میں سے کچھ تو ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں خیر کی توفیق بخشے کہ علماء کرام کے اس واقعہ میں چند جواب ہیں جن میں سے کچھ تو منصفانہ ہیں اور کچھ بنیت ظلم اور متعصبانہ ہیں۔

باخبر رہو میں کہتا ہوں کہ اس قول کے موافق جس میں آپ ﷺ پر وہم وغلط کو ان باتوں میں جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں جائز رکھا ہے تو اس کو تو ہم نے دو قولوں سے کمزور کر دیا ہے۔ لہٰذا اس بنا پر تو

[1] صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۶۰۔۵۹، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۲۰۲

اس قسم کی حدیث پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن اس مذہب کی بنا پر جس میں سہو ونسیان حضور ﷺ کے تمام افعال میں ممنوع ہے ان کے نزدیک تو اس قسم کی بظاہر نسیان کی صورتوں میں قصداً اور عمداً افعال کیے گئے ہیں تا کہ سہو میں سنت کی تعلیم مل جائے لہٰذا آپ ﷺ اپنی خبر میں صادق ہیں اس لئے کہ نہ تو آپ ﷺ سے سہو ہوا اور نہ قصر فرمائی لیکن اس قول پر یہ فعل قصد وارادہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تا کہ اس شخص کو جسے ایسی صورت پیش آجائے سنت ہو جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے ہم اسے اپنی جگہ پر بیان کریں گے۔ لیکن آپ ﷺ پر اقوال میں سہو کا محال ہونا اور غیر اقوالی میں سہو کا جائز ہونا ''ہم عنقریب انہیں بیان کریں گے'' اس (واقعہ مذکورہ) میں بھی کئی جواب ہیں۔

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اعتقاد اور اپنے ضمیر سے خبر دی لیکن قصر سے انکار کرنا تو یہ صحیح ہے جو ظاہر و باطن پر صادق ہے۔ رہا نسیان تو اس کی آپ ﷺ نے اپنے اعتقاد سے خبر دی کہ آپ ﷺ نے اپنے گمان میں سہو نہیں فرمایا گویا کہ اس خبر کو آپ ﷺ نے اپنے گمان سے قصد وعمد مراد لیا۔ اگرچہ الفاظ میں اس اعتقاد وظن کا ذکر نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ میں بھولا نہیں اسلام کی طرف راہ ہے یعنی میں نے قصداً سلام پھیرا ہے اور تعداد رکعات میں سہو واقع ہوا یعنی نفس سلام میں سہو واقع نہیں ہوا۔ یہ توجیہہ محتمل اور بعید ہے۔

اور تیسری توجیح اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس کی طرف علماء گئے ہیں کہ الفاظ ہی محتمل ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ان میں سے کچھ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قصر ونسیان دونوں جمع نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک ہے لفظوں کا یہ مفہوم دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے کہ آپ نے فرمایا: ''نہ تو نماز قصر کی ہے اور نہ سہو واقع ہوا۔'' یہ باتیں میں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں۔ یہ سارے وجوہ (وجہیں) لفظ کے لئے محتمل ہیں باوجود اس کے بعض بعید ہیں اور بعض میں تعسف وعناد ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ جو میں کہوں گا اور جو مجھے ظاہر ہوا وہ ان تمام وجوہات میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بھولا نہیں ہوں اس لفظ کا انکار ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے اپنے آپ سے نفی کی ہے اور دوسروں پر آپ ﷺ نے اپنے اس قول سے اس کا انکار کر کہ ''تمہارے لئے یہ بری بات ہے کہ تم یوں کہو کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں'' لیکن یوں کہو کہ میں بھلایا گیا ہوں۔ چونکہ آپ ﷺ نے دوسری حدیثوں کی

روایتوں میں فرمایا کہ میں بھولانہیں کرتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

پھر جب آپ ﷺ سے سائل نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے نماز قصر کی ہے یا سہو واقع ہوا تو آپ ﷺ نے قصر کا انکار کیا جیسا کہ واقعہ میں تھا اور آپ ﷺ کا نسیان سو یہ اپنے نفس کی جانب سے تھا اگر کوئی بات اس میں سے جاری ہوگئی تو یقیناً آپ بھلائے گئے۔ یہاں تک کہ دوسرے نے سوال کر ہی لیا تو یہ متحقق ہوگیا کہ آپ ﷺ بھلائے گئے تھے اور اس میں سے کچھ جاری کر دیا گیا تا کہ مسنون ہو جائے۔

اب حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ "نہ تو بھولا ہوں اور نہ قصر کی ہے ان میں سے کچھ بات نہیں۔" صدق وحق ہے کیونکہ آپ نے نہ تو قصر کیا اور نہ حقیقتاً بھولے ہیں لیکن آپ ﷺ بھلائے گئے ہیں۔

اور ایک اور وجہ بھی ہے جسے میں نے بعض مشائخ کے کلام سے اشارتاً سمجھا ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کو سہو تو ہوتا تھا لیکن بھولتے نہ تھے اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے نفس سے نسیان (بھول) کی نفی فرمائی۔

بعض مشائخ نے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ نسیان ایک غفلت اور مصیبت ہے اور سہو وہ ایک شغل ہے۔ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی نماز میں سہو ہو جاتا تھا لیکن اس سے غفلت اور نسیان واقع نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو نماز کی حرکات کی ادائیگی میں کمال استغراق ہوتا تھا لہٰذا اس مشغولیت کی وجہ سے سہو ہو جاتا تھا نہ کہ اس سے غفلت ولا پرواہی کی بنا پر۔

اب اگر یہ معنی متحقق ہو جائیں تو حضور ﷺ کے اس فرمان میں کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا کوئی اختلاف نہیں رہتا اور میرے نزدیک حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا۔ اس کے معنی اس ترک کے ہیں جو نسیان کی دو وجہوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم

کہ آپ ﷺ کی یہ مراد ہو کہ میں نے نہ تو دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اور نہ پوری نماز کا تارک ہوا ہوں لیکن میں بھلایا گیا ہوں اور یہ میرے نفس کی جانب سے نہ تھا اس پر آپ کی یہ صحیح حدیث دلالت کر رہی ہے جو آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۶ صفحہ ۱۵۹-۱۵۸، صحیح مسلم کتاب المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۴۵)

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں مذکورہ کلمات جو کہ تین کذب تھے جس میں سے دو قرآن میں منصوص میں ایک یہ کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (پ ۲۳ الصفت ۸۹) میں بیمار ہوں اور دوسرا یہ کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (پ ۱۷ الانبیاء ۶۳) بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا اور تیسرا وہ قول جو بادشاہ سے اپنی بیوی کے

بارے میں کہا کہ یہ "میری بہن ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد۵ صفحہ۱۱۲' صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد۲ صفحہ۱۸۳۰)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے یہ تمام باتیں کذب سے خارج ہیں نہ قصداً صادر ہیں نہ بغیر قصد کے بلکہ یہ ان معارضات میں داخل ہیں جو کذب سے خارج ہیں اِنِّــیْ سَــقِیْــمٌ (پ۲۳ الصّٰفٰت ۸۹) "میں بیمار ہوں" کے قول میں حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں یعنی ہر مخلوق کو مرض لاحق ہوا ہی کرتا ہے تو انہوں نے اپنی قوم سے ان کے ساتھ ان کے میلے میں جانے سے اس طرح عذر کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ میں بیمار ہوں یعنی موت مجھ پر مقدر ہو چکی ہے ایک قول یہ ہے کہ انہیں ایک ستارہ معلوم کے طلوع کے وقت بخار آ جایا کرتا تھا۔ پس جب انہوں نے وہ ستارہ طلوع ہوتا دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق عذر کر دیا۔ ان تمام صورتوں میں کذب کہاں ہیں بلکہ ایک خبر صحیح وصادق ہے اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بیماری کے ساتھ ان پر تعریضاً حجت قائم کی اور ان کی اس دلیل کو کمزور ثابت کیا جو وہ ستاروں کی وجہ سے مشغول رہا کرتے تھے اور یہ کہ آپ اسی دیکھنے کی حالت میں اور پہلے اس کے کہ آپ کی حجت ان پر قائم ہو کہ بیماری اور مرض کی حالت میں ہیں باوجودیکہ خود آپ کو شک نہ تھا نہ آپ کا ایمان ضعیف تھا لیکن جو استدلال ان کے سامنے پیش کیا تھا اس میں ضعف تھا اور اس کی دلیل کمزور تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے دلیل کمزور ہے اور نظر معلول ہے حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے انہیں ان کے استدلال کی صحت وحجت ہونے پر ستاروں' سورج و چاند کے ساتھ وحی فرمائی جس کا خدا نے ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اب رہا آپ علیہ السلام کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (پ۱۷ الانبیاء ۶۳) سو یہ خبر گویائی کے ساتھ مشروط فرمائی گویا کہ آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ اگر وہ بول سکتا ہے تو اس نے یہ کیا ہے لہٰذا یہ قول اپنی قوم کو جھڑکنے کے لئے تھا۔ یہ کلام بھی صادق ہے اس میں بھی کوئی خلاف واقع نہیں۔

اب رہا تیسرا قول یہ "میری بہن ہے" سو اس کی وجہ تو حدیث میں ہی مذکور ہے کہ آپ نے کہا کہ تو اسلام میں میری بہن ہے۔ یہ بھی سچ ہے کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے: اِنَّـمَـا الْـمُـؤْمِـنُـوْنَ اِخْوَةٌ". (پ۲۶ الحجرات ۱۰)

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے تو ان کا کذب رکھا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے ہیں اور حدیث شفاعت میں فرمایا کہ وہ اپنے ان کذبوں کو یاد کریں گے۔[1] سو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان تین کلموں کے سوا کبھی اور کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو سورۃً تو کذب ہو مگر باطن میں واقعتاً وہ حق ہو اور جبکہ ان کے ظاہری معنی ان کے باطنی مفہوم کے خلاف تھے بنا

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید جلد۹ صفحہ۱۰۶

برین حضرت ابراہیم علیہ السلام مواخذہ سے خوفزدہ ہو گئے لیکن وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے سوا دوسری طرف بطور توریہ ذکر کیا کرتے[1] تو اس میں بھی کوئی خلاف گوئی نہیں کیونکہ یہ تو اپنے ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے تھا تا کہ دشمن اپنے بچاؤ کا سامان نہ تیار کر لے اور اپنے جانے کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دوسری جگہ کا ذکر بطریق سوال کرتے اور اس کے حالات پر بحث اور اس کے ذکر کا توریہ کرتے تھے اور یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں جنگ کے لئے چلو اور ہمارا ارادہ فلاں مقام کا ہے جس جانب آپ ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ لہٰذا یہ نہ ہوتا تھا اور یہ توریہ خبر نہیں ہے جس سے خلاف گوئی پائی جائے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عالم ہے؟ فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں[2]۔ اس پر اللہ ﷻ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ ﷻ کی طرف نہیں کی۔

اسی میں یہ ہے کہ فرمایا بلکہ مجمع بحرین میں ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ وہ خبر ہے جسے اللہ ﷻ نے فرمایا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کی بعض دوسری صحیح سندوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ ہے کہ کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو تم سے زیادہ عالم ہے پس جبکہ ان کا جواب ان کے علم پر ہے تو وہ خبر حق و صادق ہے اس میں نہ خلاف گوئی ہے اور نہ شبہ ہے اور دوسری سندوں کی بنا پر تو اس کا محمول ان کا گمان و اعتقاد ہے جیسا کہ اگر آپ اس کی تصریح کر دیتے۔ اس لئے کہ نبوت و اصطفاء میں ان کی حالت اس کی مقتضی ہے۔ لہٰذا ان کا اس امر کی بابت خبر دینا بھی اپنے اعتقاد و گمان کے موافق سچ تھا اس میں کوئی خلاف گوئی نہیں ہے کبھی اَنَـا اَعْـلَـمُ ''میں زیادہ عالم ہوں'' سے مراد وہ امور لئے گئے ہیں جو ان کے مقتضی تھے یعنی نبوت کے وظائف مثلاً علوم توحید امور شریعت اور سیاست امت اور حضرت خضر علیہ السلام دوسرے امور کو ان سے زیادہ جانتے تھے جنہیں کوئی نہیں جانتا مگر عطائے الٰہی کے ساتھ علوم غیبیہ کا جاننا۔ جیسے وہ قصے جو ان دونوں کے حال میں مذکور ہیں۔ لہٰذا فی الجملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلم تھے جیسا کہ گزرا اور حضرت خضر علیہ السلام خصوصی طور پر اعلم تھے جیسا کہ انہیں سکھایا گیا۔

اس پر اللہ ﷻ کا یہ فرمان شاہد ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاO (پ۱۵ الکہف ۶۵) اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ صفحہ ۳۹ صحیح مسلم کتاب التوبہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۲۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۱۲۳ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۴۷

اور اللہ ﷻ کا ان (موسیٰ ؑ) کو اس پر عتاب کرنا جیسا کہ علماء نے کہا تو یہ ان کے اس قول کے انکار پر ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا:

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔

(پ۱ البقرہ ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

یا یہ اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول شرعاً اللہ ﷻ کو پسند نہ آیا (واللہ اعلم) کیونکہ وہ شخص جو ان کے کمال کو ان کے تزکیۂ نفس اور ان کے بلند درجے تک امت میں سے نہیں پہنچا اس میں ان کی اقتداء کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اس میں انسان کا اپنے نفس کی تعریف کرنا پایا جاتا ہے جس سے اس کو کبر و عجب، تعاطی اور دعوی پیدا ہو جائے گا۔

اگر چہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ان رزائل سے منزہ ہے لیکن دوسرے لوگ اس راہ پر چل سکتے ہیں اور ان کا اندھیرے میں گر پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے مگر جسے اللہ ﷻ اپنی حفاظت میں لے۔ لہٰذا اپنے نفس کی اس سے حفاظت کرنا بہتر ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسی بنا پر ان جیسی باتوں سے حفظ ماتقدم کے لئے نبی کریم ﷺ نے ان باتوں میں جن کو آپ نے جان لیا تھا۔ فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ. میں اولاد آدم کا سردار ہوں فخریہ نہیں کہتا۔ اور یہ حدیث قائلین نبوت حضرت خضر علیہ السلام کے دلائل میں سے ایک ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عالم ہوں حالانکہ ولی نبی سے زیادہ عالم نہیں ہوتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام معرفتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اور حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر) اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ ''یہ کام میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا۔'' تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے وحی سے کیا اور جو حضرت خضر علیہ السلام کو نبی نہیں کہتے انہوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ ان کا یہ کام کسی دوسرے نبی کے حکم سے ہوا اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی اور نبی موجود ہو اور کسی اہل سیر نے اس بارے میں ایسی کوئی بات نقل نہیں کی جس پر اعتماد کیا جا سکے اور جبکہ ہم نے اَعْلَمُ مِنْکَ ''تم سے زیادہ عالم'' کو عموم پر نہیں رکھا بلکہ اسے خصوص پر محمول کیا جو خاص خاص واقعات میں ہے تو اب ہمیں حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کے ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ اسی بنا پر بعض مشائخ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اللہ ﷻ سے احکام لینے میں زیادہ عالم تھے اور حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان قضایا میں جو انہیں دیے گئے تھے زیادہ عالم تھے اور کچھ نے یہ کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حصول ادب کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مجبور کیے گئے تھے نہ کہ حصول تعلیم کے لئے۔

نویں فصل

حضور ﷺ کے اعضاء جوارح کی عصمت

نبی کریم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے عمل سے متعلق عصمت کا بیان یہ ہے اور اسی قبیل سے وہ زبانی ارشادات بھی ہیں جو پہلے خبروں میں بیان ہو چکے ہیں اور وہ قلبی اعتقادات توحید کے ماسوا جو مخصوص معارف کے ضمن میں پہلے مذکور ہو چکے ان کے سوا ہیں۔ (یہ تمام اعضاء مبارکہ کے اعمال میں سے ہیں)

کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے فواحش اور گناہ کبیرہ مہلکہ سے معصوم ومنزہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جمہور کی دلیل یہی اجماع ہے جسے ہم نے بیان کیا اور یہی قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور دیگر علماء نے اجماع کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے بھی ان سب کی ممانعت اور عصمت ثابت کی ہے یہی قول سب کا ہے اور اس کو استاذ ابواسحق رحمۃ اللہ علیہ نے مختار رکھا ہے۔

اسی طرح تمام علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام رسالت کے چھپانے اور تبلیغ میں کمی کرنے سے معصوم ہوتے ہیں کیونکہ عصمت کا اقتضاء ہی یہ ہے اور اسی سلسلہ میں سب سے اجماع کے ساتھ معجزہ (ثابت) ہے۔

اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام ان برائیوں سے جہاں وہ اللہ ﷻ کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں وہاں وہ با اختیار خود اور بکسب خویش بھی معصوم ہوتے ہیں سوائے حسین نجار رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں معاصی پر سرے سے قدرت ہی نہیں ہوتی۔

اب رہا گناہ صغیرہ! تو سلف صالحین وغیرہ کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کو جائز رکھا ہے اور یہی مذہب ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء ومحدثین ومتکلمین کا ہے۔ ہم عنقریب ان کے دلائل بھی بیان کریں گے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں اور ایک گروہ توقف کی طرف گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ محال عقلی نہیں ہے اور نہ شریعت سے کوئی قطعی دلیل متعدد وجوہ سے وارد ہے اور محققین فقہاء ومتکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ سے عصمت کی طرح گناہ صغیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف و اشکال ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ جس سے خدا کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ

ہے اوران میں سے وہ صغیرہ ہے جو کبیرہ کی نسبت چھوٹا ہو اور جس میں کسی امر الٰہی کی مخالفت ہو ضروری ہے کہ وہ کبیرہ ہو[1] اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانیاں چھوٹی (صغیرہ) ہیں بجز اس معنی کے کہ جب کبیرہ سے اجتناب کیا جائے تو وہ بخشے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے بھی یہ بات نہیں کہ اس کے بخشے جانے پر کوئی خدا کا حکم ہے۔ بخلاف کبائر کے کہ جب تک وہ ان سے توبہ نہ کرے تو کوئی شے ان کو نہیں مٹا سکتی۔ البتہ ان کی معافی اللہ ﷻ کی مشیت پر موقوف ہے۔ یہی قول قاضی ابو بکر رحمتہ اللہ علیہ اور ائمہ اشعریہ کی ایک جماعت اور بکثرت ائمہ فقہا کا ہے اور کچھ مالکی ائمہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ دونوں قولوں کی بنا پر ضروری نہیں کہ اس میں اختلاف ہو کہ انبیاء علیہم السلام صغائر کی تکرار اور ان کی کثرت سے بھی معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان (صغائر) کی تکرار اور کثرت کبیرہ تک پہنچا دیتی ہے

اور اس صغیرہ میں بھی اختلاف نہیں جو حیا و عزت کو زائل کرے مروت کو کم کرے اور برائی و کمینہ پن کو لازم کرے لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام ان سب سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر اجماع ہے اس لئے کہ یہ باتیں ان کے بلند و بالا مرتبے کو گراتیں، عیب دار بناتیں اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام ان باتوں سے منزہ و پاک ہیں۔ بلکہ ان کی اس عصمت و تنزیہہ میں کچھ مباح چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جو پھر اس مباح کے کرنے سے اسم مباح سے نکل کر حرام تک نوبت پہنچتی ہے۔

اور کچھ علماء کا یہ مذہب ہے کہ مکروہات میں قصداً پڑنے سے معصوم ہیں۔ بعض ائمہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے صغائر سے معصوم ہونے پر اس سے دلیل پکڑی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ ان کے افعال کی پیروی اور ان کے نقش قدم کا اتباع اور ان کی خصلتوں، سیرتوں اور عادتوں کا مطلقاً اتباع کیا جائے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اصحاب بدون التزام قرینہ شرعیہ کے اور بعض کے نزدیک مطلقاً ہے۔ اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے۔

ابن خُوَیْزَ مِنْدَاز اور ابو الفرج رحمہم اللہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے اس میں التزام کو واجب نقل کرتے ہیں۔ یہی قول ابہری، ابن قصار رحمہما اللہ اور اکثر مالکیوں کا ہے اور یہ قول اکثر اہل عراق ابن سریج، اصطخری اور ابن خیران رحمہم اللہ شوافع کا ہے اور اکثر شوافع استحباب پر ہیں اور ایک گروہ اباحت کی طرف گیا ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ جو امور دینیہ ہیں اور اس سے قربت کا مقدر پایا جائے اس میں اتباع ہے۔

1۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۱۲، صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۶

اور جو افعال میں اباحت کے قائل ہیں انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی اور کہا کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کو جائز رکھتے ہیں لیکن ان میں ان کے افعال کی پیروی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ آپ کے افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں آپ کے مقصد میں تمیز ہو سکے۔ آیا کہ اس میں قربت ہے یا اباحت، منع ہے یا گناہ اور یہ صحیح نہیں کہ کسی شخص کو کسی حکم کے بجا لانے کا حکم ہو پھر اس میں گناہ بھی ہو۔ خصوصاً اصولیوں کے قواعد کی روشنی میں کیونکہ وہ فعل کو قول پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ عمل و فعل میں تعارض واقع ہو۔

ہم اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جس نے صغائر کو جائز رکھا اور جس نے اس کی نفی کی سب اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کسی قولی یا فعلی منکر (برائی) پر کسی کو قائم نہیں رہنے دیتے تھے اور آپ ﷺ کی شان سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جب کسی شے کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس پر آپ ﷺ خاموش رہتے تو وہ اس کے جواز پر دلیل بن جاتی تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے تو آپ ﷺ کی یہ شان ہو اور خود آپ ﷺ سے منکر (برائی) کا وقوع جائز رکھا جائے۔ اسی بنا پر مکروہات کے مقامات سے آپ ﷺ کی عصمت واجب ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کے افعال کی پیروی کا واجب یا مستحب ہونا فعل مکروہ پر زجر و نہی کے منافی ہے۔ نیز صحابہ کرام کے دین و طریقے سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ آپ ﷺ کے تمام افعال کی ایسی ہی پیروی کرتے تھے خواہ وہ کسی جہت سے ہوں یا کسی فن میں ہوں جس طرح کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی کرتے تھے۔

بلاشبہ (ایک مرتبہ) جب آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی انگوٹھیاں اتار ڈالیں[1]۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے اپنی کفش مبارک اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی جوتیاں اتار دیں[2] اور صحابہ نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رویت کو حجت قرار دیا جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا[3]۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ نے عبادت و عادت کے بکثرت امور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو دلیل و ماخذ قرار دیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور فرمایا:

کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں بتائی کہ فرمایا کہ روزے کی حالت میں تقبیل کرتا ہوں[4]

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطور دلیل فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے[5]

۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۱۲، صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۶

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۴۲۶، مستدرک کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۶۰

۳۔ صحیح بخاری کتاب الوضو جلد ۱ صفحہ ۳۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۵

۴۔ موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۷

۵۔ موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۸۔۲۳۷

اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر غصہ فرمایا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو چاہا حلال کر دیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے بڑھ کر اس کی حدود کو جانتا ہوں۔

اس باب میں بکثرت احادیث و آثار ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بحیثیت مجموعی قطعی طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے افعال کی پیروی اور اتباع کیا کرتے تھے۔ اگر وہ اس میں آپ ﷺ کی مخالفت کسی فعل میں جائز سمجھتے تو یہ انتظام نہ ہوتا اور ضرور یہ بھی ان سے منقول ہوتا اور ان سے اس میں ان کی بخششیں ظاہر ہوتی اور یقیناً دوسروں پر ان کے قول و اعتذار پر انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

البتہ انبیاء کرام علیہم السلام سے مباحات جائز الوقوع ہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس پر کوئی برائی نہیں آتی بلکہ مباحات میں وہ اجازت یافتہ ہیں اور ان کے ہاتھ دوسروں کے ہاتھوں کی مانند مباحات پر مسلط ہیں بجز اس کے کہ انہیں کسی رفیع المنزلت مرتبہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہو اور ان کے سینے انوار معرفت سے کشادہ کر دیئے گئے ہوں اور وہ خدا اور دار آخرت سے اپنے دلی تعلق کی وجہ سے برگزیدہ کر دیئے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ مباحات کی طرف بھی توجہ نہیں فرماتے مگر اتنا ہی جتنی کہ ان کی ضرورت پوری ہو سکے جس سے کہ ان کو راستہ کے چلنے کی طاقت اور دین کی اصلاح کرنے کی قوت اور دنیاوی ضرورت حاصل ہو جائے اور جو چیز بھی اس راہ میں لے جاتی ہے وہ بھی طاعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ قربت و عبادت بن جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع کتاب میں اپنے نبی کریم ﷺ کی خصلتوں کے بیان میں ظاہر کیا ہے تو اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمارے نبی ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر اللہ ﷻ کا کتنا فضل عظیم ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ان کے افعال بھی عبادت اور بندگی میں شامل ہیں جو کہ مخالفت اور معصیت کی راہ سے بہت دور ہیں۔

دسویں فصل

قبلِ اظہارِ نبوت کی عصمت

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام قبل نبوت بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ چنانچہ کچھ نے تو اسے محال کہا اور کچھ نے اسے جائز رکھا۔ لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ مشیت

الٰہی سے ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں اور ہر اس برائی سے بھی پاک ہوتے ہیں جو شک کا موجب ہو یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ اس مسئلہ کا تصور بھی محال ہے۔ اس لئے کہ گناہ اور منہیات تو شریعت کے تقرر کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ نزول وحی سے قبل ہمارے نبی کریم ﷺ کے حال میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ اس سے پہلے بھی متبع شریعت تھے یا نہیں؟

اس پر ایک جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کسی شے کے متبع نہ تھے یہی قول جمہور کا ہے۔ اس قول کی بنا پر تو معاصی کا وجود ہی نہیں پایا جاسکتا اور اس وقت آپ ﷺ کے لئے یہ معتبر ہی نہ تھے۔ اس لئے کہ احکام شریعت اوامر ونواہی اور تقرر شریعت سے متعلق ہیں۔ پھر اس امر کے قائلین کے دلائل میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ سیف السنۃ جماعتہائے امت کے مقتدیٰ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے باخبر ہونے کے لئے نقل اور بطریق سماعت حدیث کا وارد ہونا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی اور عادتاً اس کا چھپانا ناممکن ہے کیونکہ آپ ﷺ کی روش میں یہ ایک مہتم بالشان اور بڑا معتبر امر تھا اور اس شریعت کے پیروکار اس پر فخر کرتے اور یقیناً وہ لوگ آپ ﷺ پر اس سے حجت لاتے۔ (کہ آپ نے پہلے تو اس شریعت پر عمل کیا اب کیوں اسے چھوڑتے ہیں وغیرہ) لیکن اس باب میں اصلاً کوئی شے مروی ہی نہیں ہے

اور ایک جماعت ممتنع عقلی کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے محال عقلی ہے کہ جو متبوع ہو کر مشہور ہو جائے پھر اس کا تابع بننا بہت دور کی چیز ہے ان کی بنیاد حسن وقبح پر ہے اور یہ راستہ سیدھا نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر ''نقل'' سے حجت لانا جیسا کہ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا قول گزرا بہت عمدہ اور ظاہر ہے۔

ایک اور جماعت حضور ﷺ کے لئے توقف کی قائل ہے اور اس میں کسی قسم کے قطعی حکم کی آپ ﷺ پر متروک (رخصت ظاہر) کرتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں وجہوں کو عقل محال نہیں جانتی اور ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی نقل ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ مذہب ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے۔ آپ ﷺ پہلی شریعت کے عامل تھے۔ اس کے بعد وہ شریعت کی تعیین میں مختلف ہو گئے۔ آیا آپ کسی خاص شریعت کے پابند تھے یا نہیں؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو شریعت کی تعیین میں توقف اختیار کیا اور کچھ نے دلیری اور جزم کیا اور کچھ لوگوں نے متعین ومقرر کیا۔ پھر یہ تعیین کرنے والے بھی اس پر مختلف ہو گئے کہ آپ ﷺ نے کس کی شریعت کا اتباع کیا چنانچہ کسی

نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کہا۔ یہ خلاصہ ان مذاہب کا ہے جو اس سلسلہ میں ہیں لیکن سب سے زیادہ ظاہر وہ مذہب ہے جس پر قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں یعنی پہلے آپ ﷺ نے کسی متعین شریعت پر عمل نہ فرمایا۔

اور سب سے زیادہ بعید مذہب 'شریعت کی تعین کرنے والوں کا ہے۔ اس لئے اگر یہ بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ پہلے گزرا اور اصلاً یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہتی اور ان کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر الانبیاء (بنی اسرائیل) ہیں تو لازم آتا کہ جو نبی بعد کو آیا اس نے بھی ان کی شریعت کا اتباع کیا ہو جیسا کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عام تھی۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ کسی نبی کی بھی دعوت عام نہ تھی بجز ہمارے نبی ﷺ کی دعوت کے (کیونکہ آپ کی ہی دعوت سارے عالم کے لئے ہے) نیز دوسروں کے لئے یوں بھی حجت نہیں کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ (پ ۱۴ النحل ۱۲۳) دین ابراہیم کی پیروی کیجئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور نہ دوسروں کے لئے حجت ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا. تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا۔ (پ ۲۵ الشوریٰ ۱۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اس لئے کہ اس آیت میں اس کا محل یہ ہے کہ ان کا اتباع صرف توحید میں ہے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کا بھی نام لیا جو مبعوث نہ تھے اور وہ بھی ہیں جن کی کوئی خاص شریعت نہ تھی جیسے کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام اس قول کے بنا پر جو ان کی رسالت کا قائل نہیں ہے اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس آیت میں اس جماعت کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی شریعتیں باہم مختلف تھیں۔ جن کا اجتماع ممکن ہی نہیں

لہٰذا اب دلیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ان سب کا مجتمع ہونا توحید و عبادت باری تعالیٰ میں ہی مراد ہے۔ اس کے بعد اب کیا اس شخص پر یہ قول لازم نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ اب ہمارے نبی ﷺ کے سوا کسی نبی کی پیروی لازم نہیں ہے یا وہ اس میں مختلف ہیں۔ لیکن جس نے اتباع کو عقلی طور پر ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا یہ قاعدہ بلا تردد ہر رسول علیہ السلام میں جاری ہوگا اور جو لوگ نقل کی طرف مائل ہوئے ہیں تو اس کے لئے جہاں بھی ایسی صورت پائی گئی وہ اس کا اتباع کرے گا اور جو توقف کے قائل

ہیں وہ اپنی اصل پر ہیں اور جو اتباع کے وجوب کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کسی پہلی شریعت کا اتباع کرتے تھے تو انہوں نے اس کا التزام کیا کہ وہ اپنی دلیل کو ہر نبی علیہ السلام کے لئے جاری کرے۔

گیارھویں فصل

وہ افعال واعمال جو بلا قصد وارادہ صادر ہوئے

یہ حکم تو ان مخالفتوں کا ہے جنہیں بالقصد عمل میں لایا جائے جن کا نام معصیت ہے جو تحت تکلیف ہیں لیکن وہ عمل جو بلا قصد وعمد صادر ہوں جیسے وہ معمولات شرعیہ جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے جن کا تعلق خطاب سے نہیں ہے اس میں سہو ونسیان واقع ہو جائے تو ان پر (جب عوام سے) کوئی مواخذہ نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان پر ترک مواخذہ اور عدم عصیان لازمی ہے۔ اس معاملہ میں وہ امتوں کے ساتھ مساوی حکم میں ہیں۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ امر طریقہ تبلیغ، بیان شریعت، متعلقات احکام اور اس عمل کے ذریعہ تعلیم امت مقصود ہو کہ ان کو دلیل بنا کر ان کی پیروی کی جائے اور دوسرا یہ کہ وہ عمل ان سے خارج ہو اور صرف انبیاء علیہم السلام کی اپنی ذات کے لئے خاص ہو

لیکن اول قسم کا عمل علماء کی جماعت کے نزدیک اس باب میں قولی سہو کا حکم رکھتا ہے حالانکہ پہلے ہم نے بالاتفاق نبی کریم ﷺ کے لئے اس کا محال ہونا اور آپ پر قصداً یا سہواً جواز کی نسبت سے آپ ﷺ کا معصوم ہونا بیان کر دیا ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں اسی زمرۂ قول میں آپ ﷺ کے افعال ہیں جن میں کسی طرح بھی خلاف جائز نہیں ہے۔ خواہ بالقصد ہوں یا بطور سہو۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے اعمال بھی ادائے تبلیغ کی جہت سے قول کے معنی میں ہیں۔ اب اگر ان عوارض کو آپ کے اعمال پر جاری کر دیا جائے تو یہ شک وشبہ کا باعث اور طعنہ زنی کا موجب بنے گا اور سہوی احادیث میں علماء کرام نے کئی طرح کی تاویلیں کر کے عذر کیا ہے جن کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ اسی طرف ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے

لیکن اکثر فقہاء ومتکلمین کا یہ مذہب ہے کہ بطور سہو بلا قصد، افعال بلاغیہ اور احکام شرعیہ میں مخالفت کا صدور آپ ﷺ سے جائز ہے۔ جیسا کہ نمازیں کہ سہو کی حدیثوں سے ثابت ہے اور انہوں نے عمل کے اور اقوال بلاغیہ کے درمیان تفریق کی ہے کیونکہ معجزہ قول کے صدق پر قائم ہے اور قول میں مخالفت اس کے برخلاف ہے لیکن افعال میں سہو کا وقوع وہ اس کے برخلاف نہیں ہے اور نہ وہ

نبوت کے منافی ہے بلکہ افعال میں غلطی اور دل کی غفلت لازمۂ بشریت ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جو بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

(سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۷۹ ، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۲۰۲)

البتہ یہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نسیان و سہو کی حالت طاری ہونا افادۂ علم اور بیان شرع کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں خود بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ وہ تمہارے لئے سنت بن جائے بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں خود نہیں بھولتا مگر بھلایا جاتا ہوں تا کہ اسے سنت بناؤں[1] اور آپ ﷺ پر ایسی حالت واقع ہونا تو آپ ﷺ کی تبلیغ کی زیادتی اور آپ ﷺ پر اتمامِ نعمت ہے جو کہ نقص کی نشانیوں اور طعن کی غرضوں سے بہت بعید ہے کیونکہ اس کے جواز کے ماننے والے حضرات بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ بلاشبہ رسول سہو و غلط پر قائم و ثابت نہیں رہتا بلکہ انہیں اس پر فوراً خبردار کر دیا جاتا ہے اور اسی وقت اس کے حکم کی معرفت ہو جاتی ہے۔ یہ بعض کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور دوسرے قول پر کہتے ہیں کہ وصال شریف سے پہلے آگاہ کئے جاتے ہیں۔

لیکن وہ افعال جو طریقۂ تبلیغ اور بیان احکام سے متعلق نہیں ہیں مگر وہ آپ کے امور دینیہ اور اذکار قلبیہ کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اس میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے تو ایسے امور میں علمائے امت کے اکثر طبقے آپ ﷺ پر سہو، غلط، تساہل و تغافل قلبی کے جواز کے قائل ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اس امر کی تکلیف دی گئی ہے کہ آپ ﷺ مخلوق کے امور، امت کی سیاست، اہل خانہ پر شفقت اور اعداء کا لحاظ فرمائیں پھر بھی ایسے امور پے در پے اور متواتر نہیں ہوتے تھے بلکہ شاذ و نادر ہی واقع ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بعض اوقات میرے قلب پر ایسی کیفیت واقع ہوتی ہے کہ میں اللہ ﷻ سے پناہ مانگتا ہوں اور یہ بات ایسی نہیں کہ آپ ﷺ کے مرتبے میں اس سے کوئی کمی واقع ہو اور معجزات کے مخالف ہو اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ کی طرف سہو، نسیان، غفلت، تساہل کی نسبت بھی محال ہے۔ یہی مذہب جماعت صوفیاء اور قلوب و مقامات کے عرفاء کا ہے اور اس بیان میں اور بھی مذاہب ہیں جن کو ان شاء اللہ ﷻ بعد میں ذکر کریں گے۔

۱۔ موطا امام مالک کتاب السہو صفحہ ۹۷

بارھویں فصل

سہوی احادیث پر مکمل بحث

ہم نے اس سے پہلے متعدد فصلوں میں بیان کر دیا ہے کہ سہو سے متعلق جواز و محال کے بارے میں حضور ﷺ کے لئے کیا صورت ہے اور یہ کہ ہمارے نزدیک تمام حدیثوں میں اور تمام دینی ارشادات میں بالکل سہو جائز ہی نہیں ہے اور یہ کہ افعال میں صرف اس حد تک جائز رکھا ہے جس کو ہم نے سلسلۂ کلام میں اشارہ کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں جو سہوی حدیث نماز میں مروی ہے وہ تین ہیں۔ پہلی حدیث وہ جو ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا[1] اور دوسری حدیث ابن بُحَیْنَۃَ کی ہے جس میں آپ نے دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے قیام فرمایا تھا[2] اور تیسری حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں۔[3]

یہ تینوں حدیثیں سہو پر مبنی ہیں جو کہ افعال میں واقع ہوا جسے ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ کہ اس میں خدا کی یہ حکمت مضمر تھی اس طرح آپ ﷺ کی سنت ثابت ہو جائے کیونکہ افعال کے ساتھ تبلیغ بہ نسبت قول کے زیادہ روشن اور احتمال کو زیادہ اٹھانے والی ہے۔ پھر بھی یہ شرط ہے کہ آپ کو سہو پر ثبات نہیں رہتا۔ بلکہ فوراً آپ ﷺ کو محسوس ہو جاتا ہے تاکہ اشتباہ جاتا رہے اور حکمت کا فائدہ ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس قسم کے نسیان اور سہو کا حضور کے افعال میں واقع ہونا آپ ﷺ کے معجزے کے مخالف اور تصدیق کے منافی نہیں ہے

اور بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہی ہوں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہٰذا جب بھول واقع ہو تو یاد دلا دیا کرو اور فرمایا کہ اللہ ﷻ فلاں شخص پر رحم فرمائے کہ اس نے فلاں فلاں آیت مجھے یاد دلائی جس کو میں نے (سہواً) چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی مروی ہے کہ مجھے وہ بھلا دی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ میں سنت کر دوں۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۵۹، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۴۰۴

۲۔ صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۹۹

۳۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۷، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۴۰۱

یہ لفظ شک راوی سے ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ میں بذات خود نہیں بھولتا ہوں لیکن بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔ ابن نافع اور عیسیٰ بن دینار رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شک واقع نہیں ہے اور یہ کہ اس کے معنی میں ہی تقسیم ہے یعنی یہ کہ میں خود نہیں بھولتا اور مجھے اللہ ﷻ بھلا دیتا ہے۔

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دونوں ارشادات میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ ہو کہ بیداری میں تو خود بھولتا ہوں اور خواب میں مجھے بھلایا جاتا ہے یا یہ کہ میں بشری طور پر تو بھول جاتا ہوں کیونکہ انسان سے کسی شے کا ذہول اور سہو ہوتا ہی ہے یا یہ کہ اس طرف پوری طرح انہماک اور فارغ بال کی بنا پر بھلایا جاتا ہوں۔ پس آپ نے دونوں نسیان میں سے ایک کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ آپ ﷺ کے لئے اس میں ایک سبب تھا اور دوسرے کی اپنی طرف سے نسبت کے وقوع کی نفی فرمائی کیونکہ اس میں مضطرب کی طرح تھے۔

اور اصحاب معانی وکلام کی ایک جماعت اس حدیث میں اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حالت نماز میں جو سہو واقع ہوا وہ آپ ﷺ خود نہیں بھولے تھے کیونکہ نسیان تو ذہول' غفلت اور مصیبت ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ ان تمام حالتوں سے پاک ومنزہ ہیں جو سہو لے آتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ نماز کی حرکات وسکنات میں خوب انہماک فرماتے تھے۔ تو یہ نماز میں غایت انہماک کی بنا پر ہے نہ کہ غفلت کی وجہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ کے دوسرے قول سے حجت پکڑی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں خود نہیں بھولتا ہوں (بلکہ بھلایا جاتا ہوں)

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ پر یہ تمام باتیں سرے ہی سے محال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ (بظاہر) آپ ﷺ کا یہ سہو تو قصد وعمد کے ساتھ ہوتا تا کہ یہ مسنون بن جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے اور اس کے مقاصد متناقض ہیں۔ یہ قول بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک حال میں آپ قصداً ساہی (بھولنے والے) بن جائیں۔ تو ان کے اپنے اس قول میں کوئی وزن نہیں کہ آپ قصداً نسیان کی صورت اختیار کر لیتے تھے تا کہ وہ مسنون ہو جائے۔ اس لئے کہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میں خود نہیں بھولتا بھلا دیا جاتا ہوں'' بلاشبہ دونوں وصفوں میں سے کوئی ایک وصف ضرور پایا جاتا ہے۔ جس سے تعمد وقصد کے تناقض کی نفی ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ میں بھی بشر ہی ہوں جو تمہاری طرح بھول میں واقع ہوتا ہوں۔ اس پر ہمارے بڑے بڑے ائمہ کرام مائل ہیں اور وہ ابوالمظفر اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس کے سوا کوئی اس تاویل کو قبول نہیں کرتا اور نہ میں ہی اسے مختار جانتا ہوں اور ان دونوں گروہوں کے لئے حضور ﷺ کے اس فرمان میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں خود

نہیں بھولتا ہوں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بالکل نسیان کی نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس میں صرف لفظ نسیان کی نفی اور اسی لفظ کی کراہت ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں وہ شخص بہت برا ہے جو یہ کہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا۔ البتہ میں بھلایا گیا ہوں [1] (یہ کہنا چاہیے) یا یہ بات ہے کہ امر صلوٰۃ میں آپ ﷺ کے قلب اطہر کی طرف سے غفلت اور قلت اہتمام بسبب انہماک تام فی الصلوٰۃ کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بعض حصہ کو اس کے بعض سے سہو فرما گئے۔ جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر نماز کت ترک کرنے کا واقعہ ہوا یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا اور آپ ﷺ دشمن کی مدافعت میں مشغول رہے [2]۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک امر کی طاعت میں مشغول رہنے کی بنا پر دوسری طاعت میں تاخیر فرما دی۔ ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر چار نمازیں قضا ہوئی تھیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء [3]۔ اسی سے خوف کی حالت میں تاخیر نماز کے جواز میں دلیل پکڑی گئی ہے جبکہ نماز کو اس کے وقت میں ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہوں یہ شامیوں کا مذہب ہے لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نماز خوف کا حکم اس کے بعد نازل ہوا لہٰذا یہ حکم پہلی صورت کا ناسخ ہے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ وادی (جنگل) کے دن تو نبی کریم ﷺ کے خواب استراحت کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ دونوں آنکھیں سو رہی تھیں مگر میرا دل بیدار تھا [4]۔ تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ علماء کرام کے اس باب میں کئی جواب ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ حکم تو بوقت خواب آپ ﷺ کے قلب اطہر اور آپ ﷺ کی چشم ہائے مبارک کا اکثر اوقات کے بارے میں ہے نادر وقت میں آپ ﷺ کا اور حال ہوتا تھا۔ جیسا کہ نادر صورت میں کسی دوسرے سے کوئی عمل خلاف عادت ہو جائے اس تاویل کی تصحیح آپ ﷺ کے فرمان سے ہی نفس حدیث کے ذریعہ ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ کبھی مجھ پر ایسی نیند طاری ہی نہیں ہوئی جیسی کہ اب ہوئی۔ اسی قسم کی باتیں اسی وقت صادر ہوتی ہیں جبکہ اللہ ﷻ کسی امر میں اثبات حکم تاسیس سنت اور اظہار شریعت کے لئے ایسا ارادہ فرمائے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ضرور ہم بیدار ہو جاتے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الشہادات جلد ۳ صفحہ ۱۵۱، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۳۷

۲۔ صحیح بخاری کتاب المواقیت جلد ۱ صفحہ ۱۰۲، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۴۳۷

۳۔ سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۵، سنن نسائی جلد صفحہ ۲۹۷

۴۔ صحیح بخاری کتاب الوضو جلد ۱ صفحہ ۳۳

لیکن اس نے تمہارے بعد والوں کے لئے ایسا ارادہ فرمایا۔

دوسرا جواب یہ کہ آپ کے قلب اطہر پر گہری نیند طاری نہیں ہوتی تھی تا کہ آپ پر نیند میں حدیث واقع نہ ہو کیونکہ مروی ہے کہ آپ اس سے محفوظ تھے حالانکہ آپ سو جاتے تھے اور نیند کی آواز بھاری ہو جاتی یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز معلوم ہونے لگتی تھی۔ پھر بیدار ہو کر یونہی نماز پڑھ لیا کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے[1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جس میں اٹھنے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے تو وہ خواب اپنی زوجہ (بیوی) کے ساتھ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۵۸، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲۹)

لہٰذا اس سے محض سو جانے سے آپ ﷺ کے وضو کرنے پر حجت نہیں لائی جا سکتی کیونکہ ممکن ہے اپنی زوجہ سے ملامت یا کسی اور حدث کی بنا پر وضو کرنا ہو۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اسی حدیث کے آخری حصہ میں یہ ہے کہ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز سنی گئی۔ اس کے بعد اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا قلب اطہر اس لئے نہیں سوتا تھا کہ خواب کی حالت میں وحی ہوتی تھی۔ لہٰذا وادی کے قصہ میں صرف آپ ﷺ کے چشم ہائے مبارک کی نیند سورج کے نہ دیکھنے میں ہے اور یہ قلبی کیفیات میں سے نہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے ہماری روحوں کو قبض فرما لیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت کے سوا (نماز کے وقت) لوٹا دیتا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر آپ کی نیند میں استغراق کی عادت نہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت بلال ؓ سے یہ کیوں فرماتے کہ تم ہماری صبح کا خیال رکھنا۔ تو اس کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ صبح کو اندھیرے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور جس کی آنکھ سو جائے اس پر اول فجر کی رعایت آسان نہیں ہوتی یہ تو بدیہی بات ہے کہ ظاہری اعضاء سے اس کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اول وقت کی رعایت کی خاطر حضرت بلال ؓ کو نگہداشت کا حکم فرمایا تا کہ وہ آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دیں۔ جیسا کہ آپ نیند کے سوا میں بھی اگر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو اس کی رعایت کراتے تھے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کا اس سے منع فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ ''میں بھول گیا ہوں'' حالانکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرح بھول جاتا ہوں پس جب بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس سے میں بھلا دیا گیا تھا۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۲۹، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۵

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کا ایسا کہنے سے منع فرمانا کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں تو یہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کی تلاوت قرآن سے منسوخ ہوگئی ہے یعنی اس میں آپ ﷺ کی جانب سے غفلت نہیں ہے لیکن اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس پر مجبور فرمایا تا کہ وہ جو چاہے (لوح قلب سے) محو فرما دے یا جو چاہے باقی و ثابت رکھے اور جو سہو و غفلت آپ ﷺ کی جانب سے ہو تو اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یوں کہا جائے میں بھول گیا ہوں (حالانکہ سہو و غفلت آپ ﷺ سے واقع ہوتا ہی نہیں بلکہ اللہ ﷻ کی طرف سے بھلا دیا جاتا ہے۔ مترجم)

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ سے یہ بات بطریق استحباب وارد ہوتی ہے کہ فعل کو اپنے خالق کی طرف منسوب کریں اور دوسری حدیث میں بطریق جواز ہے کیونکہ اس میں بندے کا عمل ہے اور حضور ﷺ کا تبلیغ شریعت اور بندوں تک پہنچا دینے کے بعد کسی آیت کو چھوڑنا پھر امت کو آپ ﷺ کو یاد لانا یا خود بخود یاد آ جانا جائز ہے بجز اس کے کہ اللہ ﷻ ہی اسے منسوخ کر کے دلوں سے محو فرما دیتے اور اس کے ذکر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ فرما دے۔

بلاشبہ یہ جائز ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مرتبہ ایسے طریقہ پر بھلا دیئے جائیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کے پہنچانے سے پہلے ہی اسے جو نظم میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سے حکم میں خلط ملط نہ ہو اور وہ جو خبر میں خلل نہ ڈالے آپ سے بھلا دے۔ پھر اسے اللہ ﷻ ہی یاد دلا دے اور یہ محال ہے کہ آپ ﷺ اسے ہمیشہ ہی بھول جایا کریں کیونکہ اللہ ﷻ اپنی کتاب (قرآن) کی خود حفاظت فرماتا اور اس کے پہنچانے کی تکلیف نبی کریم ﷺ کو خود دیتا ہے۔

تیرھویں فصل

انبیاء کرام علیہم السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں

اس فصل میں ان لوگوں کا رد ہے جو گناہ صغیرہ کو انبیاء علیہم السلام پر جائز بتاتے ہیں اور ان دلیلوں پر بھی بحث کی ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

واضح ہونا چاہئے کہ جو فقہاء و محدثین اور ان کے متبعین متکلمین میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کا صدور جائز رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس پر قرآن و حدیث کے بکثرت صریح نصوص سے استدلال کیا ہے۔ اگر وہ ظاہر نصوص کا التزام کریں تو اس سے گناہ و کبیرہ اور خرق اجماع تک

نوبت پہنچی ہے جس کا کوئی مسلمان قائل ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ وہ جن نصوص سے استدلال کرتے ہیں اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے اقتضاء میں متعدد احتمالات متقابل ہیں اور ان کے اس التزام کے برخلاف سلف کے بہت سے اقوال وارد ہیں۔ اب جبکہ ان کے مذہب پر اجماع نہیں اور ان کے استدلال پر پرانا اختلاف چلا آتا ہے اور ان کے اس قول کے خطا وغلط پر اور دوسرے قول کی صحت پر دلائل موجود ہوں تو اس کا ترک واجب اور قول صحیح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اب ہم انشاء اللہ ﷻ ان کے دلائل پر بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے استدلات میں سے ایک اس آیات کریمہ میں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (پ۲۶ الفتح ۲)

تاکہ اللہ آپ کے سبب آپ کے اگلے اور پچھلوں کے گناہ بخشے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط (پ۲۶ محمد ۱۹)

اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ o الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ o (پ۳۰ الم نشرح ۲،۳)

اور تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ. (پ۱۰ التوبہ ۴۳)

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (پ۱۰ الانفال ۶۸)

اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانوں تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى o اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى o (پ۳۰ عبس ۱،۲)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور کچھ ان قصوں میں مروی ہیں جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ ﷻ کا قول ہے:

وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوٰى. (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَلَمَّا اٰتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ. (پ ۹ الاعراف ۱۹۰) پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہئے بچہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا. (پ ۸ الاعراف ۲۳) اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں کہ

سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. (پ ۱۷ الانبیاء ۸۷) پاکی ہے تجھے بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے:

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ. (پ ۲۳ ص ۲۴) اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر اور رجوع لایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا. (پ ۱۲ یوسف ۲۴) بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی اس کا ارادہ کرتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور وہ قضیہ جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے مابین واقع ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ o (پ ۲۰ القصص ۱۵) پس اس کو موسیٰ نے گھونسہ مارا وہ اس پر مر گیا کہا کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ کا اپنی دعا میں یہ الفاظ لانا۔ اے میرے خدا میرے اگلے پچھلے چھپے ظاہر سب گناہ معاف کر دے۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳۶) اسی قسم کی دیگر آپ ﷺ کی دعائیں ہیں اور حدیث شفاعت میں ہے کہ بروز قیامت انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ذنوب کا ذکر کریں گے اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا

کہ بعض وقت میرے دل کی عجیب حالت ہوتی ہے اس وقت اپنے رب ﷻ سے استغفار کرتا ہوں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں اللہ ﷻ سے استغفار کرتا ہوں اور اس سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔" اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے فرمایا:

وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَ تَرْحَمْنِیْ. (پ۱۲ ھود۴۷) اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور بیشک اللہ ﷻ نے ان سے کہا تھا کہ

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (پ۱۸ المومنون ۲۷) ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈوبائے جائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○ (پ۱۹ الشعراء۸۲) اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہ

تُبْتُ اِلَیْکَ. (پ۹ الاعراف۷) تیری طرف رجوع کرا ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا کہ

لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ. (پ۲۳ ص۳۴) بیشک ہم نے حضرت سلیمان کو جانچا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس قسم کی بہت سی ظاہر مثالیں ہیں۔ (اب ان سب کا جواب سنو) لیکن اللہ ﷻ کے اس فرمان سے حجت پکڑنا کہ لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ. (پ۲۶ الفتح۲) تو اس کے معنی و تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔

چنانچہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ اس سے قبل نبوت اور بعد نبوت مراد ہے اور کچھ نے یہ کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ سے جو لغزشیں واقع ہوگئی ہیں اور وہ جو واقع ہوں گی ان سب کی اللہ ﷻ نے اطلاع دے دی کہ آپ ﷺ بخشے ہوئے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور جو بعد کو ہیں آپ ﷺ سب سے معصوم ہیں اسے احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ ﷺ کی امت مراد ہے اور بعض نے کہا: آپ ﷺ کا سہو و غفلت اور تاویل مراد ہے۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختار جانا اور بعض نے یہ کہا کہ "مَاتَقَدَّمَ" (جو پہلے ہوئے) سے مراد آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور وَمَا تَاَخَّرَ (جو پیچھے ہوئے) سے مراد آپ ﷺ کی امت کے گناہ ہیں اسے سمرقندی اور سلمی رحمہما اللہ نے ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ اسی تاویل کے مطابق اللہ ﷻ کے اس قول کی تاویل کی جائے گی کہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. چنانچہ مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضور ﷺ سے خطاب بھی دراصل آپ ﷺ کی امت سے ہی خطاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرمانے کا حکم دیا کہ آپ فرما دیں: (تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۵)

مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ط اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا
(پ۲۶ الاحقاف ۹) اور تمہارے ساتھ کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس پر کفار بہت خوش ہوئے۔ تب اللہ ﷻ نے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ. نازل فرمائی اور مومنین کے انجام کے بارے میں دوسری آیت میں اس کے بعد فرمایا۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ لہٰذا آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر طرح مغفور ہیں اگر کوئی لغزش ہو بھی تب بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ مغفرت سے مراد ہر عیب و نقص سے برأت ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ. (پ۳۰ الم نشرح ۲) اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ قبل نبوت کی آپ ﷺ کی گزشتہ لغزشیں مراد ہیں۔ یہ قول ابن زید اور حسن رحمہما اللہ کا ہے۔ اسی معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نبوت سے پہلے بھی محفوظ و معصوم تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر بوجھل ہو جاتی۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور بعض نے کہا کہ کمر توڑنے والے بوجھ سے مراد رسالت کی مشقت ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے ادا فرمایا۔ اسے ماوردی اور سلمی رحمہما اللہ نے بیان کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے ایام جاہلیت کے بوجھ کو دور فرما دیا۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کی خفیہ مشغولیتیں، آپ ﷺ کی حیرتیں اور آپ کی شریعت میں جستجو و طلب کا بوجھ مراد ہے یہاں تک کہ ہم نے شریعت کو آپ ﷺ پر واضح فرما دیا۔ اسی معنی میں قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر وہ بوجھ ہلکا کر دیا جو آپ ﷺ کے ذمہ کیا گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی حفاظت کی جس کا آپ ﷺ کو محافظ بنایا گیا تھا اور اَنْقَضَ ظَھْرَکَ (آپ کی کمر کے بوجھل ہونے) کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی کمر بوجھ سے دوہری ہو جائے اور جس نے اس کے معنی نبوت سے پہلے کے کئے ہیں تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے آپ ﷺ کے قبل (اظہار) نبوت وہ امور جن میں آپ پہلے مشغول تھے۔ اب (اظہار) نبوت کے بعد آپ ﷺ پر وہ ممنوع قرار دے دیئے گئے۔ پھر اس کو بوجھ شمار کیا اور آپ ﷺ پر وہ بوجھل ہوئے تو انہیں دور کیا۔ یا ''وضع'' سے مراد اللہ ﷻ کی کفایت و عصمت تمام گناہوں سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر ٹوٹ جاتی یا یہ کہ رسالت کا بوجھ مراد ہے یا امور جاہلیت سے جو آپ کا دل بوجھل اور مشغول تھا مراد ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ کو مطلع کر دیا کہ جو وحی آپ پر ہوگی اس کی میں حفاظت کروں گا۔ لیکن اللہ ﷻ کا فرمان کہ

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ. اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن
(پ۱۰ التوبہ ۴۳) دے دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو یہ تو ایسی بات ہے کہ اس سے قبل اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ممانعت فرمائی ہی نہیں تھی جس کو گناہ یا نافرمانی کہا جائے اور نہ اسے اللہ ﷻ نے ہی معصیت شمار فرمایا بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب بھی شمار نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو وہ اس طرف گئے ہیں۔

اور نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس سے مبرا رکھا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس کی اجازت دی تھی جس میں کوئی وحی نازل نہ ہو جیسا چاہیں عمل کریں۔ یہ کیونکر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ. (پ ۱۸ النور ۶۲) جسے تم چاہو اجازت دے دو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

چنانچہ جب آپ ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تب اللہ ﷻ نے آپ کو مطلع فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کے دل کے بھیدوں سے واقف نہیں۔ اگر آپ ان کو اذن نہ بھی دیتے تب بھی وہ ضرور بیٹھے رہتے اور آپ کو اس پر بھی مطلع فرمایا کہ اب جو کچھ ہو گیا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس آیت میں عَفَا یعنی معافی کے معنی غَفَرَ یعنی بخشنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ویسے ہی معنی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عَفَا اللّٰهُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ یعنی گھوڑے اور غلاموں کی زکوٰۃ سے اللہ ﷻ نے تم کو معاف فرما دیا[1]۔ حالانکہ ان پر پہلے سے کوئی فرض نہیں ہوا تھا۔ یعنی تم پر یہ لازم نہیں ہے۔ اسی طرح امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "عفو" کو صرف اسی معنی میں لینا کہ گناہوں سے ہی معافی ہوتی ہے۔ اسے وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کلام عرب کے محاورات سے نابلد (ناواقف) ہے اور فرمایا: درحقیقت عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کی عزت و تکریم ہے۔ مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے کلام کے طریق پر ارشاد فرمایا گیا جیسے یوں کہا کرتے ہیں۔ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ "خدا تمہیں نیکی کی توفیق دے" یا یہ کہ اَعَزَّكَ یعنی تمہیں عزت بخشے وغیرہ اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ عَافَاكَ اللّٰهُ یعنی خدا آپ کو عافیت سے رکھے لیکن بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ آیہ کریمہ کہ

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ (پ ۱۰ الانفال ۶۷)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خود نہ بہائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

[1] سنن ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵، سنن ترمذی کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۶، سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۷

تو اس آیت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے بلکہ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ خدا نے آپ کو اس کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کو تمام نبیوں پر اس میں فضیلت عطا فرمائی۔ گویا کہ اللہ ﷻ نے یوں فرمایا کہ آپ کے سوا یہ کسی نبی علیہ السلام پر جائز نہ تھا۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاص میرے ہی لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا حالانکہ پہلے یہ کسی نبی علیہ السلام پر حلال نہ تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے معنی ہیں کہ

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا (پ۱۰ الانفال ۶۷) تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

سو اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا جو اسی کو مقصود اصلی خیال کرتے تھے اور محض دنیاوی غرض اور اس کی بہتری کے خواستگار تھے اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ یقینی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین بدر کے دن بھاگ گئے تھے اور لوگ مال غنیمت لوٹنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول اور خطرات جنگ سے بے پرواہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خوف پیدا ہو گیا کہ ان پر پھر کفار واپس نہ لوٹ پڑیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ. اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا۔
(پ۱۰ الانفال ۶۸) (ترجمہ کنزالایمان)

(تو کفار لوٹ ہی پڑتے) چنانچہ مفسرین کے اس آیت کے معنی میں مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر میری طرف سے یہ بات نہ گزر رہی ہوتی کہ میں کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دوں گا جب تک کہ انہیں منع نہ کر دوں تو یقیناً تم کو عذاب دیتا۔ سو اس قول کی بنا پر قیدیوں کا معاملہ تو گناہ رہتا ہی نہیں۔ اس کی نفی یہ تفسیر کر رہی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا کہ وہی پہلی کتاب ہے پھر تم نے درگزر کرنے کو واجب کر لیا تو یقیناً تم کو مال غنیمت لینے پر عذاب کیا جاتا۔ اس تفسیری قول اور اس بیان کی مزید وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ اگر تم قرآن پر ایمان نہ رکھتے اور ان لوگوں میں سے ہوتے جن کے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں تو یقیناً تمہیں بھی ویسا ہی عذاب دیا جاتا جیسا ظالموں کو دیا گیا تھا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ بات پہلے سے نہ ہوتی کہ تمہارے لئے یہ مال غنیمت حلال ہے تو لازماً تمہیں سزا دی جاتی یہ تمام تفسیری اقوال گناہ اور معصیت کی نفی کر رہے ہیں اس لئے کہ جو شخص وہ کام کرے جو اس کو حلال ہے تو وہ نافرمان اور گنہگار نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔ تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔

(پ ۱۰ الانفال ۶۹) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ اس میں مختار تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت یقینی طور پر مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں بدر کے دن آئے اور کہا کہ آپ کے صحابہ قیدیوں کے بارے میں مختار ہیں چاہے وہ انہیں قتل کریں چاہے وہ فدیہ لے لیں بایں شرط کہ ان میں سے آئندہ سال ان کے برابر قتل کئے جائیں۔ تو انہوں نے فدیہ کو قبول کرتے ہوئے اسے منظور کیا کہ ہم سے قتل کئے جائیں۔

(سنن ترمذی کتاب السیر جلد ۳ صفحہ ۶۴ تحفۃ الاشراف جلد ۷ صفحہ ۴۳۱)

یہ قول اس بات کی صحت پر دلیل ہے کہ جو ہم نے کہا ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا ہے جس کی انہیں اجازت دی گئی ہے لیکن بعض صحابہ نے دو وجہوں میں سے زیادہ کمزور درجہ کی طرف میلان کیا حالانکہ اس کے سوا دوسری وجہ زیادہ درست و صحیح تھی یعنی انہیں جوش و خروش سے قتل کیا جاتا۔ اس پر انہیں عتاب فرمایا گیا اور ان پر ان کے کمزور پہلو کے اختیار کرنے پر واضح کیا گیا اور دوسرے پہلو کی صحت و درستگی بتائی گئی۔ لہٰذا یہ سب نافرمان اور گنہگار نہیں ہوئے۔ اسی طرف طبری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اشارہ ہے۔

لیکن حضور ﷺ کا اس قضیہ میں یہ ارشاد "اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو ہم میں سے بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا۔" سو یہ بھی اس رائے کی صحت و درستگی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس شخص کی رائے کی طرف جو اس کے موافق ہو کہ اس میں دین کی عزت، اس کے کلمہ کا غلبہ و اظہار اور اس کے دشمن کی ہلاکت و بربادی ہے اور اس طرف بھی مشیر (اشارہ) ہے کہ یہ قضیہ اگر عذاب کو واجب کرنے والا ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے ہی نجات پاتے ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تخصیص و تعیین اس لئے ہے کہ کفار کے قتل کرنے کا مشورہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دیا تھا لیکن اللہ ﷻ نے ان پر عذاب اس قضیہ میں اس لئے مقدر نہیں فرمایا کہ یہ ان کے لئے حلال تھا جیسا کہ گزرا۔

داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اختیار کی یہ روایت ثابت ہی نہیں اگر ثابت ہوتی تو کیونکر یہ گمان کرنا نبی کریم ﷺ پر جائز ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی حکم ایسا جس میں کوئی اشارہ یا صریح دلیل نہیں دیا ہو اور نہ اس میں آپ کی طرف کوئی حکم ہو۔ یقیناً اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس سے منزہ فرمایا ہے۔

اور قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ آپ کی تاویل مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کی فرضیت کے موافق ہے۔ بلاشبہ اس سے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس لشکر میں جس میں کہ ابن حضرمی رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تھے تو حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے فدیہ لیا گیا تھا[1]۔ اس وقت تو اللہ ﷻ نے ان پر عتاب نہیں فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ بدر کے سال سے پہلے ہوا۔

لہٰذا یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فعل آپ ﷺ کی تاویل اور اپنی بصیرت کی بنا پر تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو اس وقت اللہ ﷻ نے ان پر انکار نہیں کیا لیکن اللہ ﷻ نے بدر کے معاملہ کو بڑا بنایا چونکہ اس میں قیدی بہت زیادہ تھے اور اللہ ﷻ ہی اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید زیادہ جانتا ہے ان کی تعریف لوح محفوظ میں مرقوم ہے کہ ان کے لئے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہے۔ اس میں کوئی عتاب، انکار اور گناہ نہیں ہے۔ یہ اس کے کلام کا مفہوم و مراد ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝ (پ۳۰ عبس ۱) تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس میں بھی حضور ﷺ کے لئے معصیت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس میں تو اللہ ﷻ خبر دے رہا ہے کہ آپ کا جو مقابل ہے وہ تو ان میں سے ہے جو کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ پر اصل حال منکشف کر دیا جاتا تو آپ ﷺ بطریق اولیٰ ان دونوں مردوں میں سے نابینا کی طرف توجہ فرماتے۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم ﷺ نے اس کافر کی طرف رخ انور پھیر کر پوری توجہ فرمائی تو یہ اللہ ﷻ کی طاعت احکام الٰہی کی تبلیغ اور کافر کی تالیف قلب کے لئے تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے مشروع فرمایا تو یہ کوئی معصیت اور اس کی مخالفت نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے جو بات بیان فرمائی ہے وہ تو دو مردوں کی حالت کا اظہار اور آپ ﷺ کے سامنے کافر کی توہین کرنا اور کافر سے پہلوتہی کرنا مقصود تھی۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے خود ہی فرمایا:۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔

(پ۳۰ عبس ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ایک قول یہ ہے کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰى سے وہ کافر مراد ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا اسے ابوتمام (صاحب دیوان حماسہ) نے بیان کیا۔

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۷

لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ

فَاَكَلَا مِنْهَا. ان دونوں نے اس میں سے کھالیا۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

بعد اس کے کہ یہ فرمادیا تھا کہ

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ مگر اس پیڑ کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والے ہوجاؤ گے۔

(پ ۱ البقرہ ۳۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ. کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا۔

(پ ۸ الاعراف ۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ تعالیٰ کا "معصیت" صاف طور پر فرمانا کہ

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

ایک قول یہ کہ اس نے خطا کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کو بیان فرمایا کہ

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۱۵) (ترجمہ کنزالایمان)

ابن زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام ابلیس کی عداوت کو جو وہ آپ کے ساتھ رکھتا تھا اور اس عہد کو بھول گئے جو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے اپنے اس قول کے بارے میں لیا تھا۔

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ. بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۱۷) (ترجمہ کنزالایمان)

ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اس عہد و دشمنی شیطان کو بایں سبب بھول گئے جو اس نے ان دونوں کو دھوکا دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان کو اسی لئے انسان کہا جاتا ہے کہ اس سے جو عہد لیا گیا تھا وہ اسے بھول گیا تھا[1] اور ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے حلال جان کر اس کی

[1] تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۶۰۳ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵

مخالفت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو شیطان کی قسم سے دھوکا ہوا کہ اس نے بقسم کہا کہ "میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں"۔ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ عذر بعض آثار میں بھی مروی ہے اور ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیطان نے ان دونوں سے خدا کی قسم کھائی یہاں تک ان دونوں کو دھوکا دے دیا اور مومن (صادق الایمان) دھوکے میں آ ہی جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کا نسیان تھا مخالفت کی نیت نہ تھی۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا. (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۱۵) اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اکثر مفسرین اسی پر ہیں اس جگہ عزم کے معنی حزم وصبر کے ہیں۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس کے کھاتے وقت نشہ میں تھے اس میں ضعف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نشہ میں نہیں لاتی۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ علیہ السلام سے بھول ہو گئی تھی اور بھول معصیت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ علیہ السلام پر غلطی سے یہ امر مشتبہ ہو جائے جب بھی معصیت نہیں کیونکہ بھولنے والا اور سہو میں مبتلا ہونے والا حکم تکلیف سے بالاتفاق نکل جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ امر نبوت سے پہلے ہوا ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی ۝ اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱۔۱۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجتبا اور ہدایت کو "عصیان" کے بعد ذکر فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تاویلاً کھایا کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ وہی درخت ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی تاویل یہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایک مخصوص درخت کی ممانعت فرمائی ہے نہ کہ جنس درخت کی۔ اسی لئے کہ کہا گیا کہ تو یہ ترک تحفظ سے تھی نہ کہ مخالفت و نافرمانی سے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت اس قسم کی نہیں تھی جس سے حرام ہو جانا پایا جائے۔

اب اگر یوں کہا جائے کہ بہر حال اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا:

وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ○ اور آدم سے اپنے رب کے حکم بارے لغزش واقع ہوئی تو جومطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى. اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ حدیث شفاعت میں ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یاد کرینگے اور کہیں گے کہ مجھے درخت کے کھانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی مگر میں نے نافرمانی کی۔

اس جیسے دیگر اعتراضات کا جواب مجملاً آخر فصل میں انشاء اللہ ﷻ آئے گا۔

جبکہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا کچھ حصہ تو ابھی گزر چکا ہے اور اس قصۂ یونس علیہ السلام میں بھی گناہ کی کوئی صراحت نہیں ہے اس واقعہ میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور ناراض ہو کر چلے گئے ہم اس پر بھی بحث کر چکے ہیں۔

اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ نے ان پر اپنی قوم سے خروج کی بنا پر کہ ان پر عذاب اترے گا ناراضگی فرمائی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ ﷻ نے ان سے عذاب کا وعدہ فرما کر اللہ ﷻ نے انہیں معاف کر دیا تب کہا کہ خدا کی قسم میں جھوٹا بن کر کبھی ان سے نہ ملوں گا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے یوں وہ خوفزدہ ہو گئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بار رسالت کے اٹھانے سے کمزور ہو گئے۔

بلاشبہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ ان تمام باتوں میں کوئی اس کی صراحت نہیں کہ انہوں نے معصیت کی۔ بجز اس قول کے جو ناپسندیدہ ہے۔ اور اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے کہ

اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ جب وہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔

(پ ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۴۰) (ترجمہ کنزالایمان)

تو مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ دور ہو گئے۔ لیکن اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (پ ۱۷ الانبیاء ۸۷) بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو ظلم کی تعریف تو "وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ" یعنی کسی چیز کو اس کے غیر محل میں

رکھ دیتا ہے۔ تو اب ان کا اپنے گناہ کا اقرار کرنا بعض کے نزدیک تو یہ ہے کہ یا تو اس وجہ میں کہ وہ اپنے رب ﷻ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکلے تھے یا بایں وجہ کہ وہ بارِ رسالت کے تحمل کی برداشت نہ رکھتے تھے یا یوں کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا مانگی تھی۔ (اور وہ معاف کر دیا گیا تھا) حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا مانگی تھی مگر اس پر تو مواخذہ نہیں ہوا تھا۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ کہ انہوں نے ظلم کی نسبت اپنے رب ﷻ کی طرف کرنے سے خود کو منزہ رکھا اور اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت کر کے اقرار کیا اور خود اس کو (نفس) اس کا مستحق جانا۔ اسی طرح حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا یہ قول ہے کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا.

اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا۔

(پ ۸ الاعراف ۲۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اس لئے کہ یہ دونوں جہاں اتارے گئے تھے اس کے غیر موضع پر پڑنے اور جنت سے نکلتے اور زمین پر اترنے کا سبب بنے تھے۔

جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس قصہ کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے جسے اہل کتاب کے ان مورخین نے لکھا ہے جنہوں نے تغیر و تبدل کیا ہے اور اسے ان سے مفسرین نے نقل کر لیا ہے۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے اس پر کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں آیا ہے اور وہ جسے اللہ ﷻ نے صراحت سے بیان فرمایا وہ تو صرف یہ ہے کہ

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○

اب داؤد سمجھا کہ ہم نے اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا تو ہم نے اسے پھر معاف فرمایا بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

(پ ۲۳ ص ۲۴-۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس کا یہ فرمان کہ فِيْهِ اَوَّاب یعنی وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے پس فَتَنّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمایا اور اَوَّاب کے معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ مطیع ہے۔ یہ تفسیر بہت بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے اس سے زیادہ نہیں فرمایا کہ میری خاطر اپنی بیوی سے جدا ہو یا اسے میرے ذمہ کر دے اس پر اللہ ﷻ نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آگاہ کیا کہ تم دنیا میں مشغول نہ ہو اس معاملہ میں یہی بات

زیادہ مناسب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پیغام دے دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ دل سے اسے پسند کیا کہ وہ حاضر ہو اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا آپ نے جس گناہ سے استغفار کی وہ دو شخصوں کا جھگڑا تھا (آپ نے فرمایا) کہ اس نے تم پر ظلم کیا تو انہوں نے مقابل کے قول سے ہی ظالم بنایا۔ ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے استغفار کی کہ انہوں نے اپنی جان سے خوف کھایا اور آزمائش کا گمان کیا کہ انہیں ملک اور دنیا دی گئی۔

اور وہ جو کچھ مؤرخین نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اس کی نفی میں احمد بن نصر اور ابو تمام رحمہما اللہ وغیرہ محققین گئے ہیں۔ چنانچہ داؤدی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کے قصہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور کسی نبی سے ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محبت کی خاطر کسی مسلمان کو قتل کرا دیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو شخصوں کا جھگڑا آپ علیہ السلام سے بکریوں کے بچوں کے بارے میں تھا ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ! تو اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اب رہے ان کے بھائی تو ان کی نبوت ہی کب ثابت ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے افعال پر بحث کریں اور قرآن کریم میں اسباط (اولاد) کا ذکر کرنا اور انہیں انبیاء میں شمار کرنا سو اس بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے وہ نبی مراد ہیں جو ان کی اولاد میں ہوئے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ وہ فعل کیا تھا تو اس وقت ان کی عمریں چھوٹی تھیں اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ. (پ ۱۲ یوسف ۱۲)	کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لیکن اللہ عزوجل کا یہ ارشاد کہ

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (پ ۱۲ یوسف ۲۴)	بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس میں بھی اکثر فقہاء و محدثین کا یہ مذہب ہے کہ نفس کی خواہش پر مواخذہ نہیں ہوتا اور نہ یہ گناہ ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے رب عزوجل کی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ

کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے[1] تو معلوم ہوا کہ صرف نفس کی خواہش پر گناہ نہیں ہے لیکن فقہاء محققین اور متکلمین کے مذہب کے نزدیک جب قصد پر نفس کا مصمم ارادہ ہو جائے تو وہ گناہ ہے اور جس پر اس کا نفس پختہ نہ ہو تو وہ معاف ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

لہٰذا انشاء اللہ ﷻ حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ اسی قبیل سے ہوگا اور فرمان الٰہی کہ

مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ. اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔

(پ ۱۳ یوسف ۵۳) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی میں اپنے نفس کی اس ارادے سے برأت نہیں کرتا یا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے بطریق تواضع فرمایا ہو جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں نفس کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے پاک و منزہ تھا اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ارادہ کیا ہی نہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَلَوۡ لَا اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا "زلیخا نے ان کی طرف قصد کیا اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب ﷻ کی دلیل نہ دیکھتے تو ضرور اس کی طرف قصد فرماتے۔" کیونکہ اللہ ﷻ نے زلیخا کے لئے فرمایا کہ

وَلَقَدۡ رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچایا۔ (پ ۱۲ یوسف ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۱۲ یوسف ۲۴)

اور فرمایا:

وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَ قَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَاىَ ؕ اور دروازے سب بند کر دیے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں کہا اللہ کی پناہ وہ عزیز تو میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ (پ ۱۲ یوسف ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور رَبِّیۡ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ ﷻ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ بادشاہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ هَمَّ بِهَا اس نے ارادہ کیا یعنی زلیخا کو تنبیہ کرنے کا قصد کیا ہے اور اسے نصیحت کی اور ایک قول یہ ہے کہ هَمَّ بِهَا کے یہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو اس سے باز رہنے میں غمزدہ

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۷

کر دیا اور ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام نے اس کی جانب (غصہ سے) دیکھا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے دھکا دے کر دور کر دیا اور بعض نے کہا کہ یہ تمام قصہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ عورتیں ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مائل بشہوت ہوتی ہیں یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا فرما کر اس کی ہیبت ڈال دی پھر ہیبت نبوت نے ہر دیکھنے والے کو ان کے حسن و جمال سے غافل کر دیا۔

اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مقتول کا قصہ جسے انہوں نے مکا مارا تھا[۱] اور اللہ ﷻ نے بیان فرمایا کہ وہ آپ علیہ السلام کا دشمن تھا۔ سو ایک قول تو یہ ہے کہ فرعونی دین پر قائم ایک قبطی تھا۔ پوری سورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہوں نے عصا سے پیٹا تھا اور جان سے مار ڈالنے کا قصد نہ تھا۔ اس بنا پر تو اس میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ط یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔

(پ۲۰ القصص ۱۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ. میں نے اپنی جان پر زیادتی کی۔

(پ۲۰ القصص ۱۶) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کی تفسیر میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ کسی نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بلا حکم قتل کر دے اور نقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ارادۂ قتل سے انہوں نے قصداً قتل نہیں کیا۔ انہوں نے مکا اس لئے مارا کہ اس کے ظلم کو کسے سے دور کر دیں اور کہا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے اور یہی اقتضاء تلاوت ہے۔ اسی قصہ میں اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا (پ۱۶ طٰہٰ ۴۰) اور تجھے خوب جانچ لیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ابتلا کے بعد دوبارہ ابتلا میں ڈالا اور ایک قول یہ ہے۔ اس قصہ میں وہ مراد ہے جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈالنا وغیرہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو خوب خالص کر دیا۔ اسے ابن جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنہما نے کہا اور یہ اس محاورۂ عرب پر مبنی ہے کہ فَتَنَتِ الْفِضَّةُ فِي النَّارِ اِذَا خَلَّصَتْهَا یعنی چاندی کو آگ میں ڈال کر صاف کر لیا جبکہ وہ خوب صاف ہو جائے دراصل فتنہ کے معنی ہی آزمائش اور شئی پوشیدہ کے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۲

اظہار کے ہیں۔ سوائے اس جگہ کے جہاں عرف شریعت، میں اختیار میں کسی ناپسند و مکروہ معنی میں بولا گیا ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث میں یہ ہے کہ ملک الموت علیہ السلام ان کے پاس جب آئے تو طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ گدھی پر چلی گئی۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعدی یا کوئی فعل غیر واجب ثابت ہوتا ہو۔ کیونکہ یہ ایک ظاہر اور کھلی بات ہے جو عقلاً بھی جائز ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ان سے مدافعت کی ہے جو ان کی جان لینے آئے تھے اور یقیناً وہ آدمی کی صورت میں آئے تھے۔ اس وقت علم کی کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ وہ جان لیتے کہ وہ ملک الموت علیہ السلام ہے انہوں نے اپنی پوری پوری مدافعت اس طرح پر کی ہو کہ اس سے اس صورت کی آنکھ پھوٹ گئی ہو جس صورت میں وہ ان کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب دوبارہ وہ آئے اور اللہ ﷻ نے انہیں علم دیا کہ یہ اس کا قاصد ہے تب انہوں نے سر جھکا دیا۔

اس حدیث کے علماء متقدمین و متاخرین نے کئی جواب دیے ہیں جس میں میرے نزدیک یہ جواب سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ جواب ہمارے شیخ امام ابو عبداللہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اور متقدمین میں سے ابن عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے طمانچہ مارنے اور آنکھ باہر آ جانے کی یہ تاویل کی ہے وہ اس پر حجت میں غالب آ گئے اور انہوں نے اس کی دلیل کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس قسم کا کلام اس باب میں لغت اور محاورۂ عرب میں منقول ہے۔

اب رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا اور یہ ان کی آزمائش تھی اور وہ روایتیں جنہیں مفسرین نے ان کے گناہ میں بیان کیا کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ. (پ ۲۳ ص ۳۴) بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کے معنی یہ ہیں ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور ان کا امتحان یہ تھا جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں آج کی رات سو عورتوں یا ننانوے عورتوں پر گشت کروں گا اور ان سب سے ایک ایک سوار پیدا ہوگا جو اللہ ﷻ کی راہ میں جہاد کرے گا۔

اس پر ان کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ آپ انشاء اللہ ﷻ بھی فرمائیے۔ تو انہوں نے یہ نہ کہا جس پر صرف ایک ہی عورت حاملہ ہوئی اور وہ بھی نصف بچہ پیدا ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر

وہ انشاء اللہ ﷻ کہہ دیتے تو یقیناً وہ سب پیدا ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اصحاب معانی نے کہا کہ حدیث میں جو لفظ شق وارد ہے اس سے وہ دھڑ مراد ہے جو کرسی پر ڈال کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے یہ ان کی عقوبت و محنت کا ثمرہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ وہ مر گیا تھا اور اسے مردہ کرسی پر ڈال کر پیش کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس پر حرص و تمنا کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غلبہ حرص و تمنا میں انشاء اللہ ﷻ نہ کہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی عقوبت یہ تھی کہ ان کا ملک مسلوب ہوا اور ان کا گناہ یہ کہ انہوں نے دل میں یہ چاہا کہ ان کے سسرال کا حق ان کے دشمنوں پر ثابت ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کے گناہ پر مواخذہ کیا گیا تھا۔

اور یہ بات صحیح نہیں جسے بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر ان کے ملک پر مسلط ہو گیا تھا اور ان کی امت پر ظلم و ستم کا حکم کرنے لگا تھا[1] کیونکہ ایسے امور پر شیاطین کو قدرت نہیں دی جاتی اور نیز انبیاء کرام علیہم السلام ایسے امور سے معصوم رکھے جاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قصہ مذکورہ میں انشاء اللہ ﷻ کیوں نہ کہا تو اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک وہ کہ جو حدیث صحیح میں مروی ہے کہ وہ کہنا بھول گئے تھے تاکہ اللہ کی مراد پوری ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنے مصاحب کی آواز سنی ہی نہیں کیونکہ کسی اور طرف مشغول ہو گئے تھے۔

اور ارشاد کہ

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ. اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (پ ۲۳ ص ۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

تو یہ سوال دنیا طلبی اور اسی سے رغبت کی بنا پر نہ تھا لیکن ان کا اس سے مقصد وہ تھا جسے مفسرین نے بیان کیا کہ اس پر کوئی غلبہ نہ پا سکے جیسا کہ اس ملک پر وہ شیطان مسلط کر دیا گیا تھا جس نے زمانہ امتحان میں آپ سے (ملک) چھین لیا تھا۔ اس قول کی بنا پر جو اس کا قائل ہو اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ انہوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ ﷻ کی جانب سے کوئی ایسی فضیلت اور خصوصیت عطا ہو جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بعض خصوصیتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور یہ خصوصیت ان کی نبوت کی دلیل اور حجت سے ہو۔

مثلاً آپ کے والد ماجد کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۱۷۹

مردوں کا زندہ کرنا اور حضور ﷺ کو شفاعت عظمٰی سے مخصوص فرمانا وغیرہ فضائل وخصائص ہیں۔

اب رہا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا عذر تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس میں تاویل اور ظاہر لفظ کے ساتھ تمسک کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ

اَهْلَكَ. (پ۱۲ ھود ۴۰) وہ تمہارا اہل ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو وہ مقتضائے لفظ کے طالب اور اس سے شے کے علم کے خواہاں ہوئے جوان سے مخفی تھا نہ یہ کہ انہوں نے وعدۂ الٰہی میں شک کیا تھا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے ان پر ظاہر فرمادیا کہ یہ تمہاری اس اہل میں سے نہیں ہے جس کی نجات کا وعدہ فرمایا تھا کیونکہ وہ کافر ہے اور اس کے اعمال غیر صالح ہیں اور یقیناً اللہ ﷻ نے ان کو آگاہ فرمادیا تھا کہ وہ ظالموں کو ڈبونے والا ہے اور مخاطبت سے آپ کو روک دیا کہ وہ اس تاویل سے تمسک نہ کریں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو انہوں نے اپنے رب ﷻ سے اپنی قوم کے لئے اس اقدام کے بارے میں سوال کیا جس کی انہیں اجازت نہ تھی

اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر سے لاعلم تھے اور آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی معصیت پر مقتضی نہیں ہیں بجز اس کے جو ہم نے ان کی تاویل اور اقدامِ سوال بلا اذن کی صورت میں بیان کیا اور یہ ممنوع نہ تھا۔

اب رہی وہ صحیح حدیث جس میں ہے کہ کسی نبی کے چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی آبادی ہی کو جلادیا تھا[1]۔ اس پر ان کی طرف اللہ ﷻ نے وحی فرمائی کہ ایک چیونٹی نے کاٹا تھا مگر تم نے اس کے بدلے میں پوری ایسی جماعت کو جلادیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

سو اس حدیث میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے معصیت ثابت ہو بلکہ انہوں نے وہ کام کیا جو ان کی مصلحت وصواب کا اقتضاء تھا کہ ایسی ایذا رساں جنس ہی کو ماردیا جائے جو اس سے باز رکھے جسے اللہ ﷻ نے مباح کیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے نیچے پڑاؤ کئے تھے پس جب چیونٹی نے اسے کاٹا تو انہوں نے دوبارہ کاٹنے کے خوف سے اسے مسل دیا حالانکہ اللہ ﷻ کی ایسی کوئی وحی نہیں ہے جس میں یہ معصیت ہو بلکہ صبر وبرداشت اور موانعات کو چھوڑنا مستحب ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصّٰبِرِيْنَ. (پ۱۴ النحل ۲۶) اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۴۹، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۴۱۸، سنن ابن ماجہ کتاب الصید جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۵

لہٰذا ان کا فعل ظاہر بات ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق ایذا پہنچاتی ہے۔ (زیادہ سے زیادہ) انہوں نے یہ کیا کہ اپنی جان کا بدلہ لیا اور اس مضرت کو دور کیا جو بقیہ چیونٹیوں سے جو وہاں موجود تھیں خطرہ تھا تو اس بارے میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم نہیں جس سے پہلے منع کیا گیا اور اب اس کے کرنے سے معصیت اور نافرمانی ٹھہرے اور نہ اس بارے میں اللہ ﷻ نے کوئی وحی صراحت سے نازل فرمائی اور نہ ان سے توبہ واستغفار مروی ہے (واللہ اعلم) اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا کیا معنی نہیں کہ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یا وہ گناہ کے قریب نہ گیا بجز حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔" یا جو بھی کچھ آپ نے فرمایا ہو[1]۔ تو اس کا وہی جواب ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو گناہ واقع ہوئے ہیں وہ سہو اور مشغولیت کی بنا پر صادر ہوئے۔

چودہویں فصل

دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم انبیاء علیہم السلام ان ذنوب و معاصی کی نفی کردی جن میں مختلف مفسرین اور محققین کی متعدد تاویلوں میں بیان کیا ہے تو اب اللہ ﷻ کے فرمان وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ اور وہ امور جو بار بار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ذنوب' توبہ' استغفار' گریہ و زاری وغیرہ میں منقول ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ وہ ان کا اعتراف کرتے رہے اور ڈرتے رہے کیا کوئی بے گناہ بھی ڈرتا اور توبہ واستغفار کرتا ہے؟

تو ان کا جواب تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجۂ رفیع اور بلند معرفت الٰہی اور سنت بندگان خدا پر فائز اور اللہ ﷻ کی عظمت و ہیبت اور اس کی مضبوط گرفت و طاقت کا عرفان وہ ان کو اس امر میں خوف و خشیت الٰہی اور اندیشۂ گرفت باری تعالیٰ برانگیختہ کرتا رہتا تھا حالانکہ وہ امور ایسے ہوتے تھے کہ غیر انبیاء سے مواخذہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

انبیاء کرام کا تو حال یہ تھا کہ وہ ان امور میں بھی خوفزدہ رہتے تھے جن میں نہ کوئی ممانعت تھی اور نہ انہیں ان کا حکم دیا گیا تھا لیکن پھر بھی ان پر وہ ماخوذ معاتب ہوئے اور انہیں مواخذے سے خوفزدہ کیا گیا حالانکہ یہ انبیاء کرام ان امور کے یا تو بوجہ تاویل یا سہو یا بر سبیل زیادتی طلب مباح امور

---

[1] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۹۲۔ ۲۵۴، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۰۹

دنیاوی کے مرتکب ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی خائف ولرزاں رہتے تھے اور یہ گناہ بھی ان کے مرتبۂ عالیہ کی نسبت سے ہے اور ان کے کمال طاعت کے لحاظ سے وہ معاصی ہیں نہ یہ کہ وہ دوسروں کے گناہ کی طرح گناہ اور معاصی ہیں۔

اس لئے کہ گناہ دنائت اور رذالت سے ماخوذ ہے اور اسی سے یہ کہ ذَنْبُ کُلِّ شَیْءٍ یعنی ہر شی کی ذنب یعنی آخر اور لوگوں کے اذناب ان کی رذالت ہے گویا کہ یہ لوگوں کے ادنیٰ افعال اور ان کے برے احوال ہیں تا کہ انبیاء علیہم السلام ان کی تطہیر کریں اور انہیں ستھرا بنائیں اور خود انبیاء علیہم السلام کی باطنی اور ظاہری حالت عمل صالح، کلمۂ طیب، ذکر ظاہر وخفی اور خشیت الٰہی سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے۔ ان کی خشیت الٰہی باطن و ظاہر میں بڑھتی رہتی ہے اور ان کے سوا دوسرے لوگ کبائر، قبائح اور خواہش سے آلودہ رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں اور گناہ بہ نسبت دوسرے کے نیکیاں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مقولہ ہے کہ

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ. یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

یعنی اپنی علومرتبت کے لحاظ سے وہ گناہوں کی مثل ہیں۔ اسی طرح عصیان وترک مخالفت کا حال ہے۔ لہٰذا باعتبار الفاظ وہ کسی طرح کا سہو یا تاویل ہو ان کے حق میں مخالفت اور ترک ہے اور اللہ ﷻ کا ارشاد "فَغَوٰی" سو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے بے خبر ہو گئے کہ یہ وہی درخت ہے جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور غَیّ کے معنی جہل کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دائمی رہائش کی طلب میں انہوں نے خطا کی۔ جب انہوں نے کھالیا تو ان کی آرزوئیں رائیگاں گئیں۔

اور یہی صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بیشک اس قول میں ان سے مواخذہ کیا گیا جو انہوں نے قید خانہ میں اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ

اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ. اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس جیل خانہ میں رہا۔ (پ۱۲ یوسف ۴۲) (ترجمہ کنز الایمان)

ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام کو ذکر الٰہی سے بھلا دیا گیا اور ایک قول یہ کہ ان کے ساتھی کو بھلا دیا گیا کہ وہ اپنے بادشاہ کے سامنے ان کا تذکرہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات نہ کہتے تو وہ اتنے عرصہ قید خانے

میں نہ رہتے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۴۱)

ابن دینار رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو ان سے کہا گیا کہ تم نے میرے سوا دوسرے کو وکیل بنایا تو اب ضرور تمہاری مدت قید کو دراز کروں گا۔

اس وقت انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب بلاؤں کے اژدحام نے میرے قلب کو بھلا دیا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۴۱)

اور بعض علماء نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے ایک ذرہ بھر لغزش پر بھی گرفت ہو جاتی تھی کیونکہ خدا کی بارگاہ میں ان کی بڑی منزلت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باوجود ان سے کئی گنا زیادہ بے ادبی ہونے کے درگزر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی

اور اس پہلے گروہ نے جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ

جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ان کے سہو ونسیان پر بھی مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے اور یہ کہ ان کی حالت بہت بلند و بالا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا حال دوسروں سے برا ہے؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ ہم نے یہ تو ثابت نہیں کیا کہ ان پر مواخذہ دوسروں کے برابر ہوتا ہے۔ بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسی باتوں کا ان پر مواخذہ کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ان کے درجات اور زیادہ بڑھیں اور اس لئے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تا کہ ان کے مرتبے اور بلند ہوں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○ پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط تو ہم نے اسے معاف فرمایا۔ (پ ۲۳ ص ۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تُبْتُ اِلَيْكَ میں تیری طرف رجوع لایا تب اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ. میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا۔ (پ ۹ الاعراف ۱۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت سلیمان ﷺ کی آزمائش اور رجوع کے تذکرے کے بعد اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ (الی) حُسْنَ مَاٰبٍ ۔ تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کردی۔

(ترجمہ کنزالایمان) (پ۲۳ ص ۳۶)

اور بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں ظاہر میں تو لغزشیں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کی کرامتیں اور قرب ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا نیز یہ کہ ان کے سوا دوسرے انسانوں کو یا ان لوگوں کو جو ان کے درجے میں نہیں ہیں (اولیاء و متقین) ہوشیار کیا جاتا ہے کہ ایسی باتوں پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے چاہیے کہ وہ بھی ڈرتے رہیں اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھیں تا کہ اللہ ﷻ کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر بجالاتے رہیں اور سختیوں پر جبکہ ایسے بلند و بالا منصب والوں پر جو کہ معصوم ہیں شدائد واقع ہوتی ہیں تو وہ بھی صبر کرنا سیکھیں اور جب کہ انبیاء کا یہ حال ہے تو ان کے سوا دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

اسی صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت داؤد ﷺ کا تذکرہ توابین کے لئے بڑی گنجائش ہے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ ﷻ نے صاحب حوت (حضرت یونس ﷺ) کا قصہ ان کی تنقیص شان کے لئے نہیں بیان فرمایا مگر اس لئے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا صبر و تحمل اور زیادہ ہو۔

نیز اس گروہ (اعتراض کرنے والے) سے یہ بھی کہا جائے کہ تم اور تمہارے موافقین یہ کہتے ہیں کہ کبائر کے اجتناب سے صغائر معاف کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کبائر سے معصوم ہیں لہٰذا اب جو تم صغائر کے صدور کو انبیاء علیہم السلام کے لئے جائز رکھتے ہو تو وہ تو تمہارے قول کے بموجب معاف ہو جاتے ہیں لیکن پھر ان سے مواخذہ ہونے کے تمہارے نزدیک کیا معنی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ڈرنے اور ان کا اس سے توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حالانکہ وہ تو مغفور ہی ہیں۔ لہٰذا اب جو وہ اس کا جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔ یعنی یہ کہ ان پر مواخذہ سہو اور تاویل افعال پر ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کثرت سے توبہ و استغفار کرنا دائمی خضوع اور اظہار بندگی کے لئے ہے نہ کہ تقصیر کے اعتراف کی وجہ سے اور یہ اللہ ﷻ کی نعمت پر شکر بجالانا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اگرچہ میں گزشتہ و آئندہ کے مواخذے سے محفوظ ہوں لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ کو جانتا ہوں۔

حارث بن اسد ؒ نے کہا کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا خوف عظمت وجلال کے خوف اور اللہ ﷻ کی بندگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو مامون ومحفوظ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا تا کہ لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی امت کے لئے وہ امر مسنون بن جائے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جتنا میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

نیز توبہ واستغفار میں ایک دوسرے لطیف معنی بھی ہیں جس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اس محبت الٰہی ﷻ کی خواہش ہے۔ جسے اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ (پ۲ البقرہ ۲۲۲) بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہتر توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا انبیاء ورسل علیہم السلام کا استغفار وتوبہ اور انابت ورجوع میں ہمیشہ مشغول رہنا محبت الٰہی ﷻ کی خواہشمندی کے لئے ہے اور اس میں استغفار کے معنی توبہ ورجوع کے ہیں۔ یقیناً اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے گزشتہ وآئندہ کی لغزشوں کی معافی کے مژدہ کے بعد فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ یقیناً اللہ ﷻ نے نبی اور مہاجرین وانصار کی توبہ قبول فرمائی۔

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا o (پ۳۰ النصر ۳) تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہتر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پندرہویں فصل

حقوق نبوت ورسالت ﷺ پر تنبیہات

اے پڑھنے والے ہماری اس بحث سے تم کو یقیناً اچھی طرح حق ظاہر ہو گیا ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ اس امر سے کلیتہً معصوم ہیں کہ آپ ﷺ ذات وصفات باری تعالٰی سے بے خبر ہوں یا آپ ﷺ کسی ایسی حالت پر ہوں جو کسی نہج سے علم کے منافی ہو۔ ان باتوں سے نبوت کے بعد آپ ﷺ کا پاک ہونا تو بدلیل عقل واجماع اور نبوت سے پہلے بدلیل نقل وسمع ثابت ہے اور نہ امور شرعیہ میں سے جن کو آپ

نے مقرر فرمایا اور بواسطہ وحی جسے آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کی طرف سے پہنچایا آپ کا کسی ایسی حالت پر ہونا جائز ہے جو علم کے منافی ہے۔ یہ بدلائل قطعیہ عقلیہ اور شرعیہ ثابت ہیں۔

اور آپ ﷺ کذب وخلاف گوئی سے بھی بوقت اعطاء نبوت ورسالت قصد وبلا قصد ہر طرح معصوم ہیں اور بالاتفاق آپ ﷺ سے اس امر کا صادر ہونا شرعاً اجماعاً عقلاً اور برہاناً ہر طرح محال ہے اور آپ ﷺ کا قبل نبوت اس سے منزہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور کبائر سے پاک ہونا بطور اجماع اور صغائر سے منزہ ہونا بطور تحقیق ثابت ہے اور ان امور میں جنہیں آپ ﷺ نے امت کے لئے مشروع فرمایا ان پر دائمی سہو وغفلت اور استمرار غلط ونسیان سے معصوم ہیں اور آپ ﷺ ہر حالت خوشی و غضب اور مسرت ومزاح میں ایسی باتوں سے پاک ہیں۔

اب تم کو واجب ولازم ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو پوری قوت سے لازم پکڑو اور ان پر کامل مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ جیسا کہ کوئی بخیل کسی شے کو پکڑتا ہے اور چاہیے کہ ان فصلوں کی بڑی قدر کرو اور ان کے فوائد عظیمہ سے علم حاصل کرو اور جو ان کی لاعلمی سے خطرات ونقصانات ہیں ان سے بے خبر نہ رہو کیونکہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے حقوق واجبہ یا وہ جو جائز ہے یا وہ جو آپ ﷺ پر محال ہے ان سے غافل وجاہل ہے وہ آپ ﷺ کے احکام کی معرفت کر ہی نہیں سکتا اور وہ شخص خلاف واقع امور کے اعتقاد سے محفوظ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ آپ ﷺ کو ان امور سے معصوم جان سکتا ہے جن کا کہ آپ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ پس وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ کس طرف سے ہلاکت واقع ہوئی اور جہنم کے نچلے تاریک گڑھے میں جا پڑتا ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے حق میں باطل کا گمان کرنا اور اس شے کا گمان کرنا اور اس شے کا اعتقاد رکھنا جو آپ ﷺ پر ناجائز ہوا ایسا اعتقاد رکھنے والا دَارَ الْبَوَارُ (ہلاکت کے گڑھے) کا مستحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان دو شخصوں پر احتیاط فرمائی جو مسجد میں معتکف تھے اور انہوں نے آپ کو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیکھا تھا آپ نے ان سے فرمایا: یہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہے۔

اس کے بعد ان دونوں سے فرمایا: بیشک شیطان بنی آدم کے جسم میں دوران خون کے ساتھ دوڑتا ہے اور میں نے اندیشہ کیا کہ کہیں تم قذف کے مرتکب نہ بن جاؤ اگر ایسا تمہارے دل میں واقع ہو گیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف جلد ۳ صفحہ ۲۴ صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۲)

اے قاری! اللہ ﷻ تمہیں عزت بخشے کہ ان فصلوں میں جو بحثیں ہم نے کی ہیں ان سے ایک

تو فائدہ یہی ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل اپنی لاعلمی کے سبب اس بات کو نہ جانے اور انہیں سن کر کہنے لگے کہ ان امور میں گفتگو کرنا فضول اور بے فائدہ ہے اور خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے۔

حالانکہ اب تمہیں واضح ہو گیا ہو گا کہ ہم نے کن کن فوائد کے لئے ان کا ذکر کیا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اصول فقہ میں ان باتوں کی بڑی ضرورت پڑتی ہے اور ان پر بکثرت ایسے مسائل موقوف ہوتے ہیں جنہیں فقہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ان کے سبب سے مسائل میں شور و شغب اور اختلاف فقہاء رحمہم اللہ سے رو خلاصی ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ حکم حقیقتاً اقوال و افعال نبی کریم ﷺ ہی کا نام ہے۔ یہ ایک عظیم باب اور اصول فقہ کی بڑی اصل ہے جو اسی پر مبنی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان امور میں جن کی آپ ﷺ خبریں دیں یا تبلیغ فرمائیں صادق جانیں اور مانیں اور یہ کہ ان امور میں سہو و نسیان کی نسبت آپ ﷺ پر جائز نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ عمداً افعال میں مخالفت کے صدور سے معصوم ہیں اور اختلاف علماء کے لحاظ سے وقوع صغائر مختلف فیہ ہے۔ اسی طرح امتثال فعل میں اختلاف ہے۔ ان کی تفاصیل کتب اصول میں مذکور ہیں ہم اس سے کلام کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان فصلوں کی حکام اسلام اور مفتیان شرع کو اس شخص کے لئے ضرورت پڑتی ہے جو ان امور میں سے کسی امر کو نبی کریم ﷺ کی جانب نسبت کرے اور ان میں سے کسی کے ساتھ آپ ﷺ متصف کرے۔ لہٰذا جو یہ نہیں جانتا کہ آپ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے اور کس میں اجماع واقع ہے؟ اور کس میں اختلاف ہے؟ وہ کیونکر اطمینان قلب کے ساتھ اس میں فتویٰ دے سکتا ہو اور اسے یہ کہاں سے معلوم ہو گا کہ اس نے جو کہا اس میں نقص ہے یا مدح؟

لہٰذا ایسا نادان شخص یا تو اس پر جرأت کرے گا کہ کسی مسلمان کی ناحق گردن مارے یا نبی کریم ﷺ کے حقوق و حرمت کی پامالی کرے گا اور ارباب اصول اور ائمہ محققین نے جس طرح عصمت و حقوق انبیاء علیہم السلام میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح عصمت ملائکہ میں بھی اختلاف واقع ہوئے۔

سولہویں فصل

عصمتِ ملائکہ

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کل ملائکہ مومن اور صاحبِ منزلت ہیں اور کئی ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ رُسُل ملائکہ کا حکم عصمت کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حکم کے

مساوی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ان کی عصمت کے بارے میں بیان کیا ہے اور یہ رسل ملائکہ انبیاء اور ان کی طرف تبلیغ احکام میں ویسے ہی ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ ہیں لیکن غیر رُسُل ملائکہ میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ معاصی سے معصوم ہیں۔ ان کی دلیل اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ (پ ۲۸ التحریم ۶) جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہ ہی کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ (پ ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۶۴۔۱۶۶) اور ہم میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے اور بیشک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

وَمَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۝ (پ ۱۷ الانبیاء ۱۹) اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ. (پ ۹ الاعراف ۲۰۶) بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

کِرَامٍ بَرَرَۃٍ. (پ ۳۰ عبس ۱۶) جو کہ کرم والے نکوئی والے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ. (پ ۲۷ الواقعہ ۷۹) اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اسی قسم کے دیگر دلائل سمع سے استدلال کیا ہے۔

اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تمام خصوصیتیں رُسُل و مقربین ملائکہ کے لئے ہیں اور انہوں نے وہ دلائل بیان کئے ہیں جنہیں اہل سیر و اخبار اور مفسرین نے بیان کیا ہے عنقریب بعد کو انشاء اللہ ﷻ بیان کریں گے اور انشاء اللہ ﷻ اس میں اور بھی وجوہات ظاہر کریں گے۔

مذہب صحیح وصواب یہی ہے کہ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور ان کا مرتبہ عالی ان تمام برائیوں سے پاک ہے جس سے کہ ان کے رتبۂ عالیہ اور منزلت رفیعہ میں فرق آئے اور اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ فقیہہ کو ان کی عصمت میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی عصمت میں بحث کرنا بھی وہی فوائد رکھتا ہے جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں بجز ان کے افعال واقوال میں گفتگو کرنے کے کیونکہ وہ یہاں ساقط ہے۔

چنانچہ اس گروہ کے دلائل جو تمام ملائکہ کے لئے عصمت کے قائل نہیں ہیں ان میں سے ایک دلیل ہاروت و ماروت کا قصہ ہے[1] جسے اس بارے میں اہل اخبار نے ذکر کیا اور مفسرین نے ان سے نقل کیا اور دوسری وہ روایت ہے جو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان دونوں کی روایت میں ہے کہ دونوں فرشتوں کا امتحان لیا گیا۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ ﷻ عزت بخشے کہ ان روایتوں میں کوئی روایت بھی صحیح ہو یا کمزور، رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے اور نہ یہ ایسی چیز ہے جسے قیاس سے معلوم کیا جا سکے اور وہ جو قرآن میں مذکور ہے تو اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور بعض علماء کے اقوال کی تنکیر کی ہے اور اکثر علماء سلف نے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب بیان کریں گے اور یہ تمام خبریں کتب یہود اور ان کے اختر عات سے ماخوذ نہیں۔

جس طرح اللہ ﷻ نے یہودیوں کے اختر عات کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کیے ہیں اور بالخصوص یہودیوں کی تکفیر کو ابتدائے آیات میں بیان فرمایا ہے۔ یہ قصہ بڑی بڑی شناعتوں اور برائیوں پر مشتمل ہے۔ اب ہم اس قصہ میں ان اشکالات کو بیان کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ ﷻ تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

چنانچہ پہلے تو ہاروت و ماروت میں ہی اختلاف ہے۔ آیا یہ فرشتے ہیں یا انسان اور آیت میں مَلَكَيْنِ. سے مراد وہ فرشتے ہیں یا نہیں اور کیا قرأت میں مَلَكَيْنِ ہے یا مَلِكَيْنِ (بمعنی دو بادشاہ) اور کیا آیہ کریمہ وَمَا اُنْزِلَ اور وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ. (پ۱ البقرہ ۱۰۲) میں ماء نافیہ ہے یا موجبہ؟

چنانچہ اکثر مفسرین کے نزدیک تو یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے انسانوں کا دو فرشتوں کے ذریعہ امتحان لیا کہ وہ جادو سکھائیں اور انہیں بتائیں اور کہیں کہ یہ عمل کفر ہے لہٰذا جو اسے سیکھے گا کافر ہو جائے گا اور جو اس سے باز رہے گا مومن ہوگا اور اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۳۴، تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۲۳۹۔۲۳۸

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ. کہ ہم نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو۔
(پ البقرہ ۱۰۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ان دونوں کا لوگوں کو تعلیم دینا ڈراتا ہے یعنی جو بھی اسے طلب کرنے اور سیکھنے ان کے پاس آتا تھا۔ اس سے وہ دونوں کہتے ایسا نہ کرو کیونکہ اس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کے خیال میں نہ پڑو کیونکہ یہ جادو ہے ایسا کرکے کافر نہ بنو۔

اس تقدیر پر تو ان دونوں فرشتوں کا عمل تو طاعت الٰہی اور مامور بہ کو عمل میں لاتا ہے اور یہ معصیت کہاں ہے؟ حالانکہ وہ دوسروں کے لئے فتنہ اور امتحان ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے از خالد بن ابی عمران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ان کے سامنے ہاروت و ماروت کا تذکرہ ہوا کہ وہ جادو سکھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم ان دونوں کو اس سے منزہ جانتے ہیں۔

اس پر کسی نے پڑھا کہ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ. (پ البقرہ ۱۰۲) تو خالد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جادو ان پر نہیں اتارا گیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ خالد رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جو بڑی جلالت علمی رکھتے ہیں۔ یہ بھی ان دونوں کو تعلیم سحر سے متبرا خیال فرماتے ہیں حالانکہ ان کے سوا دیگر علماء ان دونوں کو تعلیم سحر کا ماذون گردانتے ہیں مگر بایں شرط کہ وہ دونوں یہ بھی بیان کردیں کہ یہ کفر اور تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے ہے۔ اب یہ علماء کیونکر ان دونوں کو کبیرہ معاصی سے منزہ ہونا ثابت نہ کریں اور ان کفریات سے معصوم بتائیں جسے مؤرخین نے بیان کیا ہے اور فقیہہ خالد رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول لَمْ يُنَزَّلْ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ما نافیہ ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے جسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

تقدیر کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سحر سے ملوث بکفر نہیں ہے جسے ان کے ملک میں شیاطین اور اس کے پیروکار یہود نے گھڑا تھا اور نہ فرشتوں پر کوئی شے اتاری گئی۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ جن پر یہود نے اس کے لانے کا ادعا (دعویٰ) کیا تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے دعویٰ کیا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں تکذیب فرمادی۔

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔
(پ البقرہ ۱۰۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ہاروت و ماروت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دو مرد تھے جو جادو سکھاتے تھے اور حسن

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہاروت وماروت بابل کے دو پہلوان تھے اور انہوں نے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ (لام کے زیر کے ساتھ) پڑھا۔ اس تقدیر پر لفظ مَا ایجابی یعنی موصولہ ہوگا اور اسی طرح عبدالرحمٰن بن ابزی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں لام کے زیر کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہاں دو بادشاہ سے مراد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اس تقدیر پر لفظ مَا نافیہ ہوگا جیسا کہ گزرا اور ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بادشاہ تھے جنہیں اللہ ﷻ نے مسخ کر دیا۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور لام کے زیر کے ساتھ قرأت شاذہ ہے۔

لہٰذا اس آیت کو ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیر پر محمول کرنا اچھا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تنزیہہ کرتے اور ان سے ہر برائی کو دور کرتے ہیں اور ان کے دامن عصمت کو خوب ستھرا بناتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کی تعریف وتوصیف میں مطھران اور كِرَامٍ بَرَرَةٍ O (پ ۳۰ عبس ۱٦) اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (پ ۲۸ التحریم ٦) فرمایا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ابلیس کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا اور ان کا سردار تھا اور یہ کہ وہ جنت کا خازن تھا اور وہ باتیں جو اس سلسلہ میں منقول ہیں کہ اس کو ملائکہ میں سے نکال دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا: فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط (پ ۱ البقرہ ۳۴) ''تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔''

تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے، جس پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر اس کی نفی کرتے ہیں کہ ابلیس جنات کا باپ تھا۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں یہی حسن، قتادہ اور ابن زید رحہم اللہ کا قول ہے۔

اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس ان جنات میں سے ہے جسے فرشتوں نے زمین کی طرف بھگا دیا جبکہ انہوں نے فساد مچایا۔

اور آیت میں استثنا غیر جنس ہے جو کلام عرب میں شائع وذائع ہے اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی (پ ٦ النساء ۱۵۷) پیروی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور وہ جو خبروں میں آیا ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت نے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی تب وہ جلا دیئے گئے کیونکہ انہیں حکم تھا کہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو انہوں نے انکار کیا پس وہ جلا دیئے گئے [1] اسی طرح دوسرے یہاں تک کہ ان فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے مگر ابلیس نے۔

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ سورۃ البقرہ آیت ۳۴

تو یہ خبریں ان میں سے ہیں جن کی کوئی اصلیت واقعیت نہیں بلکہ صحیح روایتیں اس کو مردود کر رہی ہیں۔ ہم ان (فضولیات کی طرف) مشغول نہیں ہوتے۔ واللہ علم۔

دوسرا باب

انبیاء علیہم السلام کی امور دنیویہ میں خصوصیت اور ان پر عوارض بشریہ کا اطلاق

عوارضِ بشریہ

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء و مرسلین بشر علیہم السلام میں سے ہیں اور یہ کہ ان کا جسم اور ظاہری حالت خالص بشری ہوتی ہے اور ان کے جسم و ظاہری حالت پر آفتیں، تغیرات، مصیبتیں اور بیماریاں پہنچنا جائز ہے اور یہ کہ انہیں ذائقہ موت بھی چکھنا ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر انسانوں پر یہ تمام باتیں جائز ہیں باوجود اس کے یہ سب باتیں ان میں نقصان کا باعث نہیں۔

اس لئے کہ کسی چیز کا ناقص کہنا اس نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اس سے اتم اور اس نوع میں زیادہ کامل ہو اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس دنیا کے رہنے والوں کے لئے قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (پ۸ الاعراف ۲۵) کے بموجب "فرمایا وہ اس میں زندہ رہیں گے اور اسی میں ان کی موت واقع ہوگی اور اسی سے نکالے جائیں گے" اور اللہ ﷻ نے ہر انسان کو تغیر پذیر بنایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ بیمار بھی ہوئے، گرمی سردی بھی لگی، بھوک و پیاس بھی معلوم ہوئی، غصہ و رنج بھی لاحق ہوا، تھکان و تکلیف بھی پہنچی، ضعف و کبرسنی بھی آئی، آپ ﷺ گھوڑے سے بھی گرے جس سے آپ ﷺ کا ایک پہلو زخمی ہوا[1]۔ کفار نے مجروح کیا، سامنے کے چار دندان مبارک بھی شہید ہوئے، زہر بھی پلایا گیا، جادو بھی کیا گیا، علاج بھی کیا[2]، پچھنے بھی لگوائے[3] (جائز طریقہ پر) جھاڑ پھونک تعویذ[4] وغیرہ بھی ہوا پھر آپ ﷺ پر آخری وقت بھی آیا اور اپنی ظاہری مدت حیات پوری فرما کر رفیق اعلیٰ سے ملے اور اس آزمائش و بلیات کی دنیا سے رستگاری پائی۔

یہ سب وہ بشری کیفیات اور علامتیں ہیں جن سے خلاصی نہیں ہو سکتی اور آپ کے سوا دیگر

۱۔ صحیح بخاری کتاب الاذان جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۳۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۱۳، صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۲۲

۴۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۳ صفحہ ۲۶۷، سنن نسائی کتاب الاستعاذہ جلد ۸ صفحہ ۲۷۱

انبیاء علیہم السلام کو اس سے بڑھ کر تکلیفیں پہنچیں چنانچہ انہیں قتل بھی کیا گیا' آگ میں بھی ڈالا گیا اور آرے سے بھی چیرا گیا اور کسی کو اللہ ﷻ نے اس سے بعض اوقات محفوظ بھی رکھا اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ ﷻ نے غلبۂ کفار سے بچایا جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کو غلبۂ کفار کے وقت ان سے بچایا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے ہی ہمارے نبی ﷺ پر احد کے دن ابن قمۂ کا ہاتھ روکا اور اہل طائف کی دعوت و تبلیغ کے وقت دشمنوں کی آنکھوں سے محجوب کیا اور یقیناً اللہ ﷻ ہی نے بوقت ہجرت غار ثور کی طرف دیکھنے سے قریش کی آنکھوں کو پکڑ لیا تھا اور اسی نے غورث کی تلوار کے وار سے اور ابو جہل کے پتھر سے اور سراقہ کے گھوڑے سے روکا اور اگر آپ ابن اعصم کے جادو سے نہ بچے تو بلاشبہ اللہ ﷻ نے اس سے بڑے وقت یعنی یہودیہ کے زہر سے بچایا۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام مبتلائے آلام کئے گئے اور بچایا بھی گیا۔

یہ اسی کی حکمت تامہ کی وجہ سے ہے تا کہ ایسے مواقع پر ان کی بزرگی اور شرافت ظاہر اور اس کا حکم واقع ہو جائے اور ان میں اس کی بات پوری ہو جائے اور یہ کہ ان امتحانات سے ان کی بشریت متحقق اور ثابت ہو جائے اور کمزور دلوں کے شبہات جو ان کے بارے میں ہوں جاتے رہیں تا کہ ان کے ہاتھوں پر جو عجائبات ظاہر ہوتے ہیں ان سے گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وجہ سے نصاریٰ گمراہ ہوئے اور یہ کہ ان کے مشقت اٹھانے سے ان کی امت کے لئے تسلی ہو اور ان کے رب ﷻ کے حضور ان کا اجر بہت ہو خدا کا احسان ان پر پورا ہو۔

• بعض محققین فرماتے ہیں کہ مذکورہ خواص و تغیرات صرف ان کے اجسام بشریہ کے ساتھ ہی خاص تھے جن سے مشاکلت جنس کے سبب مقاومت بشر اور مخالطت بنی آدم مقصود ہے۔ مگر ان کی باطنی حالت! تو وہ اکثر ان سے منزہ و معصوم اور ملاء اعلیٰ اور ملائکہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں کیونکہ وہ ملائکہ سے خبریں اور وحی لیتے ہیں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری آنکھیں تو سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں' مجھے میرا رب سلاتا' کھلاتا اور پلاتا ہے اور فرمایا: میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ میری سنت پر عمل کیا جائے۔

گویا آپ ﷺ نے یہ خبر دی کہ آپ کا دل اور آپ ﷺ کا باطن اور آپ ﷺ کی روح' آپ ﷺ کے جسم اور ظاہری حالت کے خلاف ہے اور جو آفتیں بھی آپ ﷺ کو پہنچتی ہیں وہ آپ ﷺ کے ظاہری جسم پر ہوتی ہیں۔ مثلاً ضعف' بھوک' بیداری اور نیند وغیرہ جبکہ وہ آپ ﷺ کے باطن پر قطعاً اثر

اندازنہیں ہوتا۔ بخلاف آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے کہ وہ حکم باطن میں آپ ﷺ سے جدا ہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا سوتا ہے تو نینداس کے جسم اور دل پر بھی غالب ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حاضر القلب رہتے جس طرح اپنی بیداری میں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حدث سے محفوظ و معصوم تھے کیونکہ آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اسی طرح اگر دوسرے لوگوں کو بھوک لگتی ہے تو ان کا جسم کمزور اور ان کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کے باعث ان کی ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ آپ ﷺ کی ایسی حالت نہ ہوتی آپ ﷺ کی حالت دوسروں کے برعکس ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: میں تمہاری مثل نہیں ہوں' میں سوتا ہوں تو میرا رب ﷻ مجھے کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی تمام حالتیں ایسی ہی ہیں خواہ وہ مرض ہو یا جادو یا غصہ وغیرہ وہ آپ ﷺ کی باطنی حالت پر اثر انداز ہوتی ہی نہ تھیں اور نہ کوئی خلل واقع ہوتا تھا اور نہ اس سے غیر مناسب صورت میں آپ ﷺ کی زبان اور اعضاء میں نقصان آتا تھا جس طرح دوسرے لوگوں کی وہ حالت ہو جاتی ہے جسے ہم بعد میں بیان کرتے ہیں۔

پہلی فصل

آپ ﷺ پر جادو کا اثر

اب اگر تم یہ کہو کہ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے کچھ نہ کیا ہوتا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ آپ کسی بی بی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تشریف نہ لے گئے ہوئے تھے (آخر حدیث تک) جب مسحور کی یہ حالت ہے کہ اس پر امر مشتبہ ہو جاتا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا حال ہے۔ ایسی کیفیت آپ ﷺ پر کیسے طاری ہو سکتی ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں محفوظ رکھے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ بلاشبہ اس میں ملاحدہ نے طعن کیا ہے اور اپنی حماقت و تلبیس سے اس کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں

پر شریعت میں شک ڈالنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے حالانکہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے اپنی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کو اس سے پاک و منزہ رکھا ہے کہ کوئی آپ ﷺ کی ذات و صفات میں کسی قسم کا شک و شبہ ڈالے درحقیقت جادو بھی دیگر امراض کی مانند ایک مرض ہے یہ بھی اسی طرح آپ ﷺ پر ممکن ہے جس طرح دیگر امراض و عوارض۔ جن سے آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی انکار و قدح لازم نہیں آتا۔

اب رہی وہ بات جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے آپ ﷺ پر کسی امر میں کوئی قدح لازم نہیں آتا نہ آپ ﷺ کی تبلیغ میں' نہ آپ ﷺ کی شریعت میں اور نہ آپ ﷺ کی صداقت میں۔ کیونکہ یہ امر دلائل اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں بلکہ یہ باتیں تو آپ ﷺ کے ان دنیاوی امور سے متعلق ہیں جن کا صدور آپ ﷺ پر جائز ہے جس کے لئے آپ ﷺ پر بھی اسی طرح عوارض پیش آتے ہیں جس طرح دوسرے انسانوں کو لہٰذا یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ آپ ﷺ پر دنیاوی امور میں ایسا خیال ہوتا ہو جن کی حقیقت نہ ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ پر وہ روشن ہو جاتا ہو جیسا کچھ بھی ہو۔

نیز اس فصل کی دوسری حدیث نے ان لفظوں میں تفسیر کی ہے کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ اپنی کسی بی بی کے پاس ہو کر آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہ لے جاتے۔ چنانچہ سفیان نے کہا: یہ جادو کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور کسی روایت میں آپ ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سحر کی حالت میں بھی کوئی ایسی خلاف بات کی ہو یا کہی ہو جسے آپ ﷺ نے پہلے فرمایا ہو یا کیا ہو یہ تو صرف خدشات و تخیلات ہی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روایت کے الفاظ کہ آپ ﷺ کو خیال ہو جاتا یہ کام کیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے مراد تخیل ہے۔ یعنی صرف تخیل ہی تخیل ہوتا تھا اس کی صحت پر اعتماد تام نہ ہوتا تھا پس آپ ﷺ کے تمام اعتقادات درستی پر ہی قائم رہتے تھے آپ ﷺ کے ارشادات صحت پر۔

یہ وہ موقف ہے جسے ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے جواب میں اختیار فرمایا۔ اس کے ساتھ جو ہم نے ان کے کلام کے معنی کی وضاحت کی ہے اور ان کے اشارات کی تشریح و توضیح کی ہے وہ زیادہ ہے اور ان کی ہر وجہ ظاہر و روشن ہے لیکن مجھے جو اس حدیث کی تاویل میں ظاہر ہوا ہے وہ بہت روشن اور گمراہوں کے مطاعن سے بہت بعید ہے اور وہ نفس حدیث ہی سے مستفاد ہے وہ یہ کہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ابن مسیب ؓ سے انہوں نے عروہ بن زبیر ؓ سے روایت کیا اس میں ان دونوں نے کہا کہ

یہود بنی رزیق نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر کے کنویں میں دبا دیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا رسول اللہ ﷺ اپنی بصارت کا انکار فرما دیں تب اللہ ﷻ نے یہودیوں کے کرتوتوں کی رہنمائی فرمائی اس پر آپ ﷺ نے کنویں سے اس کو نکلوایا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۱۴)

اسی طرح واقدی' عبدالرحمٰن بن کعب اور عمر بن حکم رحمہم اللہ سے مروی ہے اور عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال روکے گئے۔ اس دوران میں جب آپ سوتے تو دو فرشتے آتے ایک سرہانے اور دوسرا پائنتی بیٹھ جاتا۔ (الحدیث) عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال تک روکے گئے یہاں تک کہ آپ نے ضعف بصر کا شکوہ کیا[1] اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ از ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ بیویوں سے اور کھانے پینے سے روکے گئے تو آپ ﷺ پر دو فرشتے اترے اور پورا قصہ بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۴۸)

لہٰذا اب تمہیں ان تمام روایتوں کے مضمون سے پتہ چل گیا ہوگا کہ جادو نے آپ کے قلب' اعتقاد اور عقل پر تسلط نہ کیا تھا اور یہ اثر بھی صرف آپ کی بینائی اور آپ کو بیویوں سے روکنے اور کھانے پینے اور ضعف بدن اور مرض میں تھا۔ (کہ آپ اس کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے) اور ہو سکتا ہے کہ اس قول کے یعنی یہ کہ "آپ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنی بیوی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔" یہ معنی ہوں کہ آپ پر وہ چیز ظاہر ہوتی ہو جو اس کے سرور اور مقدمات' قدرت علی النساء وغیرہ میں ہو۔ پس جب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کا ارادہ فرماتے ہوں تو وہ چیز درپیش آجاتی ہو جو سحر کا اثر ہے۔ تب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کی طاقتِ جسمانی نہ پاتے ہوں۔ جیسا کہ ایسے دوسروں کو جو اس میں ماخوذ ہوں لاحق ہوتا ہے۔

شاید کہ اسی معنی کی طرف سفیان ؒ کا اشارہ ہے کہ یہ سحر کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور دوسری روایت میں جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ نے یہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا۔ یہ از باب اختلال بصر ہوگا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے اپنی کسی بیوی کو دیکھا ہے یا کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ آپ کا یہ خیال محض ضعف بصر کے سبب تھا اور نہ اس سبب سے کہ (معاذ اللہ) آپ کو فرق ہی نہ رہا اور جبکہ یہ باتیں سحر کے اثر کی وجہ میں رونما ہوئیں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ پر کوئی شک وشبہ وارد ہو سکے اور کسی ملحد کے لئے جائے اعتراض بن سکے۔ (واللہ اعلم)

دوسری فصل

دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت

یہ حالت تو آپ ﷺ کے جسم اقدس کی تھی اب رہی دنیاوی امور میں آپ کے احوال! تو اب ہم ان کا بھی اسلوب سابق کی مانند موازنہ کرتے ہیں یعنی (1) عقد و (2) قول اور (3) فعل کے ساتھ۔

(1) سو ان میں سے عقیدے کی تو یہ صورت ہے کہ ممکن ہے کہ کسی امر دنیاوی میں بِسُن وَجْہٍ آپ ایسا اعتقاد رکھتے ہوں جس کے برعکس ظاہر ہو جائے یا کسی امر دنیاوی میں شک و گمان ہو۔ بخلاف امور شرعیہ کے (کہ ان میں یہ محال ہے) جیسا کہ رافع بن خدیج ؓ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ کھجور کے درختوں کی تابیر (نر و مادہ کا باہم ملاپ) کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم یہ کیا کرتے ہو۔ عرض کیا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ فرمایا:

کاش تم اگر ایسا نہ کرتے تو تمہارے لئے بہتر تھا۔ اس پر انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ (اس سال) پھل کم لگے۔

اس کا پھر آپ ﷺ سے ذکر کیا۔

فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں جب تم کو کوئی دینی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب تم کو اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میں ایک بشر ہی ہوں [1] اور حضرت انس ؓ کی روایت میں ہے کہ فرمایا: "تم اپنی دنیاوی باتوں کو زیادہ جانتے ہو [2]" اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے تو گمان سے کہا تھا لہٰذا میرے گمان کی پیروی نہ کرو [3] اور قصہ خرص [4] کی روایت میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں پس جو بات اللہ ﷻ کی جانب سے کہوں وہ تو حق ہے اور جو بات اپنی طرف سے کہوں تو میں تو ایسا بشر ہی ہوں جس سے خطا صواب بھی صادر ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۶۸)

یہ باتیں وہ ہیں جنہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی یہ ان باتوں میں سے ہے جسے آپ ﷺ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۵

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۶

[4] انگوروں اور کھجوروں کے جانچنے کے بارے میں

نے دنیاوی امور میں دنیاوی امور کے پیش نظر اپنی طرف سے یا اپنے گمان سے فرمایا ہے نہ یہ کہ شرعی امور میں مشروع ومسنون کرنے کے لئے اپنی طرف سے یا اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو۔ (جس کی پیروی فرض ہو) جیسا کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرتے ہیں کہ جب حضور نے بدر کے دن کنویں سے دور پڑاؤ ڈالا تو حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اترنے کا حکم فرمایا۔ جس سے آگے ہم بڑھ نہیں سکتے یا یہ آپ ﷺ کی رائے اور لڑائی اور حیلہ کی بنا پر ہے۔

فرمایا: نہیں بلکہ یہ اپنی رائے لڑائی اور حیلہ ہے۔

عرض کیا: تب تو یہ مقام پڑاؤ کے لئے مناسب نہیں یہاں تک کہ ہم قوم کے پانی کے قریب پہنچیں اور وہاں پڑاؤ کریں اور اپنے کنویں کے سوا باقی کنوؤں کو بند کر دیں تا کہ ہم تو پانی پئیں اور وہ لوگ نہ پی سکیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست مشورہ دیا اور جو انہوں نے کہا تھا آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے فرمایا ہے کہ[1]

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ. اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

(پ۴ ال عمران ۱۵۹) (ترجمہ کنزالایمان)

(اسی طرح) اپنے بعض دشمنان دین سے تہائی مدینہ کی کھجور پر مصالحت کا ارادہ فرمایا اور انصار سے مشورہ لیا۔ جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا[2]۔ اسی قسم کے دنیاوی امور تھے جس میں علم دین کو کچھ دخل نہ تھا نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ اس کی تعلیم میں۔

لہٰذا جو کچھ ہم نے بیان کیا امور دنیاوی میں ان کا اطلاق آپ پر جائز ہے کیونکہ نہ اس میں کوئی نقصان ہے نہ کمی۔ یہ سب ان امور عادیہ میں سے ہیں جس نے اس کا تجربہ کیا اور اپنی صلاحیتیں اور کوششیں اس پر صرف کیں وہی جان سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا قلب اطہر تو معرفت الٰہی اور علوم شرعیہ سے معمور اور اپنی امت کے مصالح دینی و دنیوی سے آپ کا دل مشغول تھا پھر بھی ایسی باتیں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں اور وہ بھی صرف انہیں معاملات دنیاوی میں خصوصیت کے ساتھ ہے جس میں دنیا کی حفاظت اور اس کے فوائد میں موشگافیاں ہیں۔

اکثر امور میں ایسی صورت نہیں ہے جس سے آپ کی ناواقفیت اور غفلت پائی جائے۔ بلاشبہ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے دقیق معاملات و مصالح دنیاوی اور دنیاداروں کے

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۵

[2] مجمع الزوائد جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

فرقوں پرحکومت کرنے کی معرفت میں وہ باتیں فرمائی ہیں جو ایک بشر میں ایسا ہونا معجزہ ہے جسے ہم نے اسی کتاب کے باب المعجزات میں پہلے بیان کردیا ہے۔

تیسری فصل

بشری احکام و معتقدات

اب رہے وہ بشری احکام اور ان کے فیصلہ جات جو آپ ﷺ کے دست اقدس سے جاری ہوئے اور حق کو باطل سے اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کی معرفت میں آپ کے اعتقاد کا وہی طریقہ تھا جسے خود آپ نے ہی فرمایا کہ میں تو ایک بشر ہی ہوں تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو بیان کرنے میں دوسرے سے تیز ہو۔ پس میں اسی کے مطابق جیسا کہ سنوں فیصلہ کردوں اور جس کے لئے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو (خبردار) اس میں سے اس کو کچھ لینا نہ چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں گا۔

حدیث: سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بروایت زہری رحمۃ اللہ علیہ از عروہ ﷺ یہ ہے کہ شاید کہ کوئی تم میں سے دوسرے سے زیادہ بلیغ ہو پس میں گمان کرلوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کردوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۲ صحیح بخاری کتاب الحیل جلد ۹ صفحہ ۲۲ صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۶)

حضور اکرم ﷺ ظاہری حال پر احکام جاری فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ظن غالب اور گواہ کی شہادت اور قسم کھانے والے کی قسم کے بموجب حکم فرماتے اور مشابہت حق کی رعایت کرتے۔ چمڑے کے برتنوں کی بندش کی معرفت سے حکم لگایا کرتے تھے۔ ساتھ ہی اس میں حکمت الٰہیہ کا بھی یہی اقتضاء ہوتا تھا کیونکہ اللہ ﷻ اگر چاہتا تو اپنے بندوں کے بھیدوں اور حضور کی امت کے دلوں کے خفیہ امور پر آپ کو اطلاع بخش دیتا اور محض آپ ﷺ اپنے علم و یقین سے حکم لگا دیا کرتے۔ اعتراف یا ثبوت یا قسم وغیرہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن جبکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کے اتباع واقتداء کا آپ ﷺ کے افعال واحوال اور قضایا و سیرت میں حکم فرمایا ہے اور اگر یہ بات آپ کے علم پر مخصوص ہوتی اور اللہ ﷻ آپ ﷺ کے علم کو اثر انداز فرماتا تو آپ ﷺ کی امت کے لئے اسی طرح کے قضایا جات اور فیصلۂ مقدمات میں کوئی صورت اقتداء کی ممکن ہی نہ تھی اور نہ یہ ممکن تھا آپ کی شریعت میں کسی کے لئے فیصلۂ مقدمات میں ثبوت قطعی قائم ہوسکے۔

اس لئے کہ ہمیں یہ کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ پر فیصلہ مقدمات میں اللہ ﷻ کی حکمت کیسے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ان غیوبات میں سے جس قدر چاہتا ہے اطلاع بخشتا ہے اور ان غیوبات کی تعلیم ہر امتی کو نہیں دی گئی (مگر بواسطہ نبی خاصان خدا پر یہ غیوب منکشف ہوجاتے ہیں۔ مترجم) اس لئے اللہ ﷻ نے احکام کو ان کے ظواہر پر جاری کرایا جس میں آپ اور آپ کی امت برابر ہے تاکہ آپ کی امت تعیین مقدمات اور آپ کے احکام کے نفاذ میں آپ کی پوری پیروی کر سکے اور جو کچھ بھی فیصلۂ مقدمات کریں وہ سنت کے مطابق اپنے علم ویقین کے ساتھ کریں اس لئے کہ بیانِ فعل قول سے زیادہ وقیع اور احتمالِ لفظ اور تاویلِ مُتأوّل سے زیادہ بلند ہے کیونکہ ظاہر پر آپ ﷺ کا حکم کرنا بیان سے زیادہ روشن اور روجوہ احکام میں زیادہ واضح اور اکثر تخائف وتنازع کے اسباب میں زیادہ مفید ہے۔

اور ایک یہ بھی بات تھی کہ آپ ﷺ کی امت کے حکام اسی کے مطابق پیروی کریں اور جو آپ سے منقول ہو اس پر اعتماد کریں تاکہ آپ کی شریعت کا قانون مرتب اور منضبط ہو۔ اسی بنا پر آپ سے وہ علوم غیبیہ مخفی رکھے گئے جو عالم الغیب (اللہ ﷻ) کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (پ ۲۹ الجن ۲۷-۲۶)

اللہ ﷻ اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

پس اس رسول کو غیب میں سے جتنا چاہتا ہے بتاتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی نقصان نہیں آتا اور نہ آپ کی عصمت میں سے کوئی حصہ کم ہوتا ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال

لیکن آپ ﷺ کے وہ دنیاوی اقوال جو آپ ﷺ نے اپنے اور دوسروں کے احوال میں ارشاد فرمائے جسے آپ زمانہ آئندہ میں کریں گے یا گزشتہ میں کر چکے ہیں۔ سو اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی خلاف گوئی ہر حال میں آپ سے محال ہے خواہ وہ قصداً ہو یا سہواً، صحت میں ہو یا مرض میں، خوشی میں ہو یا غصہ میں بہرطور آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں۔

یہ صورت تو ان اقوال میں ہے جو بطریق خبر محض ہیں جن میں صدق وکذب کے دونوں پہلوؤں کا دخل ہے لیکن وہ اشادات جن میں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ بظاہر اپنے باطن کے خلاف ہے تو آپ ﷺ سے امور دنیاوی میں اس کا صدور جائز ہے۔ خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو۔ مثلاً

آپ ﷺ غزوات میں توریہ فرماتے (اور اپنے مخفی ارادہ کو پوشیدہ رکھتے) تاکہ دشمن مطلع ہو کر بچاؤ کی تیاری نہ کرے اور جیسا کہ آپ ﷺ کی خوش طبعی کی نسبت مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کی خوشی اور مسلمانوں کے دلوں کی رضا جوئی کے لئے تاکہ ان کی محبت اور باہمی مسرت میں مزید استحکام پیدا ہو۔

جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں ضرور تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا[1] اور اس عورت کے بارے میں جس نے آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں پوچھا تھا ارشاد ہے کہ کیا وہ وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے[2]۔ حالانکہ حقیقتاً یہ سب باتیں سچی ہیں کیونکہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہے اور ہر انسان کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں خوش طبع تو ضرور ہوں مگر سچ فرمایا کرتا ہوں[3] یہ تمام باتیں خبر ہی کی اقسام میں سے ہیں۔

لیکن وہ باتیں جو خبر کی اقسام میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ امور دنیاوی میں امر و نہی کی صورت رکھتی ہیں تو اس میں بھی خلاف گوئی آپ ﷺ سے صحیح نہیں اور آپ پر یہ جائز ہی نہیں کہ آپ کسی کو کوئی ایسا حکم دیں یا اس سے روکیں جس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت[4] کرے تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ دل کی خیانت کریں۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ

وَاِذْ تَقُوْلُ الَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ زَوْجَکَ.

اور اے محبوب جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دو۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) (ترجمہ کنزالایمان)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ عزوجل تمہیں عزت دے کہ اس لفظ کی ظاہر کیفیت سے حضور ﷺ کی تنزیہہ و پاکی میں ہرگز شک نہ کرنا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تو روکنے کا حکم فرمایا اور دل سے آپ اس کی طلاق کے خواہاں تھے جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے لیکن زیادہ صحیح وہ بات ہے جسے مفسرین نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ عزوجل اپنے نبی کی حالت کو زیادہ جانتا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عنقریب آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

---

[1] سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۴۱، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۷۰

[2] ابن ابی دنیا کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۲۳۳

[3] سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۴۱، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۹۷ جلد ۹ صفحہ ۱۷

[4] سنن نسائی التحریم جلد ۷ صفحہ ۱۰۶، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۳۳، کتاب الحدود جلد ۴ صفحہ ۵۲۸

چنانچہ جب حضرت زید ؓ نے آپ سے اپنی بیوی کا شکوہ کیا تو ان سے فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۷) اور آپ ﷺ نے اپنے دل میں اسے مخفی رکھا جس کی اطلاع اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دی تھی کہ بہت جلد آپ ﷺ اس سے نکاح فرمائیں گے جسے اللہ ﷻ ظاہر فرمائے گا کہ زید ؓ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ﷺ انہیں اپنے حبالۂ عقد میں لائیں گے۔[1]

اس کے مثل عمر بن فائد رحمۃ اللہ علیہ نے زہری ؓ سے روایت کی۔ کہا کہ نبی کریم ﷺ پر حضرت جبریل ؑ نازل ہوئے اور بتایا کہ اللہ ﷻ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں لائے گا۔ پس یہی وہ چیز ہے جسے آپ نے اپنے دل میں مخفی رکھا۔ مفسرین کے اس قول کی تصحیح اللہ ﷻ کا یہ فرمان کر رہا ہے جو اس کے بعد وارد ہے کہ

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا. (پ۲۲ الاحزاب ۳۷) اور اللہ کا حکم ہو کر رہنا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی آپ کے لئے ضروری ہو گا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمائیں اور یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے اور کسی معاملہ کو ظاہر نہیں فرمایا بجز تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اسی چیز کو حضور ﷺ نے مخفی رکھا جس کی اطلاع (پہلے ہی) اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دی تھی اور اسی قصہ میں اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ط سُنَّةَ اللّٰهِ. (پ۲۲ الاحزاب ۳۸) نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر فرمائی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس یہ دلالت کر رہی ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ ﷻ ایسا نہیں کہ اپنے نبی کو اس میں جو آپ ﷺ کے لئے حلال تھا گنہگار کر دے۔ جس کو آپ ﷺ سے پہلے رسول بھی کرتے چلے آئے ہوں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ط (پ۲۲ الاحزاب ۳۸) اللہ کا دستور چلا آ رہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی یہ نبیوں کی ایسی سنت ہے جسے اللہ ﷻ نے ان کے لئے حلال فرمایا تھا اور اگر وہ بات ہوتی جو قتادہ ؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان سے محبت ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کو وہ بھلی معلوم ہوئی تھیں اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہاں تھے کہ حضرت زید ؓ ان کو طلاق دے دیں[2] تو یقیناً یہ

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۵ الاحزاب ۳۷

[2] تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ الاحزاب ۳۷

بات بڑے عیب کی تھی اور یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ کے شایان شان نہ تھی کہ آپ ﷺ اس طرف نگاہ مبارک اٹھائیں جس کی ممانعت فرما دی گئی تھی یعنی دنیاوی زندگی کی خوبصورتی کی طرف نظر فرمائیں اور یقیناً یہ بات حسد کی بنا پر ہوتی جو کہ بری ہے جسے متقی لوگ بھی کبھی اسے پسند نہیں کرتے۔ چہ جائے کہ سید الانبیاء ﷺ اختیار کریں۔

اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی طرف ایسے قول کی نسبت بھی بہت بڑی جرأت اور آپ ﷺ کے حقوق اور آپ ﷺ کی فضیلت کی قلت معرفت کی وجہ سے ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گئے حالانکہ وہ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت سے ہی برابر آپ دیکھتے رہے ہیں اور نہ یہ سبب بھی صحیح ہے کہ عورتیں آپ ﷺ سے پردہ کرتی ہوں۔ حالانکہ آپ ﷺ ہی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرایا اور اب اللہ عزوجل نے زید رضی اللہ عنہ سے طلاق دلوائی اور وہی آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں لایا۔

اس قصہ میں یہ خاص حکمت الٰہی ہے کہ اس طرح پر متبنّٰی حرمت کا ازالہ اور زمانہ جاہلیت کی رسموں کا ابطال ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ. محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۴۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ. کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کی بیویوں میں۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اسی طرح ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا فائدہ تھا کہ آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ انہیں روکے رکھو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی کو بتا دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی بیوی بننے والی ہے۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان کو طلاق دینے سے باز رکھا اس لئے کہ ان دونوں کے مابین کوئی الفت نہ تھی اور اپنے دل میں اس اعلام الٰہی کو پوشیدہ رکھا۔ جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو لوگوں کی اس چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ (دیکھو) اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

اس پر اللہ ﷻ نے ان سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا تا کہ آپ ﷺ کی اُمت کے لئے اس قسم کے نکاح مباح بن جائیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ . تا کہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک کی بیویوں (پ۲۲ الاحزاب ۳۷) سے نکاح کرنے میں حرج نہ ہو۔

اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو روکے رکھنے کا حکم فرمانا اس لئے تھا کہ شہوت کو روکیں اور نفس کو اس کی خواہش سے محفوظ رکھیں۔ یہ بات بھی اس وقت درست ہوسکتی تھی جبکہ ہم آپ ﷺ پر یہ جائز رکھیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اچانک دیکھ کر پسند فرمالیا۔ اس قدر کہنے کا کوئی انکار نہیں اس لئے کہ انسان طبعاً حسن کو پسند کرتا ہے اور اچانک نظر پڑ جانا بھی معاف ہے۔ پھر اپنے دل کو اس سے دور کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کے روکنے کا حکم دیا۔

البتہ انکار ان زیادتیوں کا ہے جو اس قصہ میں ہیں اور سب سے بہتر اور معتمد وہ روایت ہے جسے ہم نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے بیان کیا اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے یہی قول ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اسی کو قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اعتماد ہے اور کہا کہ محققین مفسرین کے نزدیک یہی معنی درست ہیں۔

ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس میں نفاق کے استعمال اور مافی الضمیر کے خلاف اظہار فرمانے سے منزہ ہیں اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس سے آپ ﷺ کو منزہ رکھا کیونکہ اس کا ارشاد ہے: مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ. (پ۲۲ الاحزاب ۳۸) نبی پر کوئی حرج نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ بھی ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسا گمان کیا یقیناً اس نے غلطی اور خطا کی اور کہا کہ حدیث میں لفظ خَشْيَةٌ کے معنی یہاں خوف کے نہیں ہیں بلکہ حیاء کے ہیں۔ اس کے معنی حیا کرنے کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کو ان کی ان چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا اور آپ کا یہ شرم کرنا منافقین اور یہود کی شرارتوں کی بنا پر تھا کہ وہ مسلمانوں پر آوازے کستے تھے کہ دیکھو اپنی بہوؤں سے نکاح کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد خود بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا جیسا کچھ بھی شور مچایا۔

اس پر اللہ ﷻ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی بکواس کی طرف توجہ فرمانے سے آپ ﷺ کو منزہ کردیا کیونکہ یہ آپ ﷺ کے لئے اللہ ﷻ ہی کا حلال کردہ ہے جیسا کہ اس وقت آپ ﷺ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جبکہ آپ ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی خوشی کو ملحوظ رکھا تھا۔ سورۂ تحریم میں اللہ

ﷻ کاارشاد ہے:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ۔ اے غیب بتانے والے نبی تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی۔ (پ۲۸ التحریم۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح پر اللہ ﷻ کا یہاں یہ بیان فرماتا ہے کہ

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ ط اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۷) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت حسن ﷺ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (بالفرض) اگر رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو چھپاتے تو یقیناً اس آیت کو چھپاتے کیونکہ اس میں اللہ ﷻ کی اس بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے جسے آپ ﷺ نے مخفی رکھا تھا۔ (واللہ اعلم) (تفسیر ترمذی جلد ۶ صفحہ ۱۱۷ الاحزاب ۳۷)

پانچویں فصل

بیان حدیث قرطاس (وصیت)

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو اقوال اور تمام احوال میں معصوم ہونا ثابت کردیا اور یہ بھی کہ آپ ﷺ سے خلاف گوئی اور اضطراب کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً خواہ صحت میں ہو یا بیماری میں خواہ جھگڑے میں ہو یا خوش طبعی میں خواہ مسرت وانبساط میں ہو یا غصہ میں کسی حال میں جائز نہیں ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں جو آپ ﷺ کی وصیت کے بارے میں ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالا سناد روایت کیا گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت کچھ لوگ آپ کے کاشانہ اقدس میں موجود تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا:

لاؤ میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھ دوں تا کہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ کیفیت شدت الم کی ہے[1] (آخر حدیث تک) دوسری روایت میں ہے کہ "لاؤ میں ایک وثیقہ لکھ دوں تا کہ میرے بعد ہرگز گمراہی میں نہ پڑو پھر وہ باہم جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے (دیکھئے نہیں) کہ حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہے کیا یہ شدت الم ہے؟ آپ ﷺ کی حالت کو سمجھو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] صحیح بخاری مرضی النبی ﷺ وفات النبی ﷺ جلد ۶ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۹

مجھے میری حالت پر چھوڑ دو میں جس حالت میں بھی ہوں بہتر ہوں اور بعض سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ شدت مرض میں مبتلا تھے اور ایک روایت میں هَجَرَ دوسری میں اَهَجَرَ" اور اَهُجُرُ مروی ہے اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ پر درد کی شدت ہے کیوں کتابت کی حضور ﷺ کو تکلیف دیتے ہو حالانکہ ہمارے پاس اللہ عزوجل کی کتاب کفایت کرنے والی موجود ہے اور شور بڑھ گیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ اور ایک روایت میں کہ گھر والے مختلف ہو کر جھگڑنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ (کاتب کو قریب کرو) تا کہ رسول اللہ ﷺ وثیقہ تحریر کرادیں اور کسی نے وہ کہا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے سلسلہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ امراض سے معصوم نہ تھے اور عوارضات مرض میں شدت الم بھی ہے اسی طرح پر وہ چیز جو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر پہنچے آپ ﷺ اس سے بھی معصوم نہ تھے البتہ آپ ﷺ اس سے ضرور معصوم تھے کہ اثنائے مرض میں آپ ﷺ کے سلام میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو آپ ﷺ کے معجزے میں خلل انداز ہو یا آپ ﷺ کی شریعت میں فساد کی مقتضی ہو۔ جیسے ہذیان یا اختلال کلام وغیرہ (آپ ان سے ضرور معصوم تھے)

علیٰ ہذا القیاس یہ بھی صحیح نہیں جو ظاہر روایت میں جس نے هَجَرَ نقل کیا ہے کیونکہ اس کے معنی ہذیان کے ہیں جیسے مقولہ ہے هَجَرَ هَجُرًا اِذَا هذَىٰ اور یہ کہ اَهُجَرَ هَجُرًا اِذَا فَحَشَ اور اَهَجَرَ هَجَرَ کا متعدی صیغہ ہے۔ البتہ سب سے زیادہ صحیح اور بہتر اَهَجَرَ بطریق استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ یہ اس شخص پر انکار ہے جس نے کہا نہیں لکھتے۔ اسی طرح ہماری اس روایت کے مطابق صحیح بخاری میں تمام روایتوں سے پہلے زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور محمد بن سلام رحمۃ اللہ علیہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مذکور ہے۔ اسی طرح اسے اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں مرتب کیا اور دوسروں نے بھی اسی طریق پر نقل کیا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کی حدیث میں روایت کیا اور اسی روایت پر اس شخص کی روایت کو بھی محمول کیا جائے جس نے ہمزۂ استفہام کو حذف کر کے صرف هَجَرَ کو اَهَجَرَ کی جگہ نقل کیا ہے یا یہ کہ قائل کے اس قول کو یعنی هَجَرَ یا اَهَجَرَ کو اس پر محمول کیا جائے کہ شدت مرض اور تکلیف رسول اللہ ﷺ کو اور اس مقام کے سبب جس میں کہ آپ ﷺ پر اختلاف کیا گیا تھا اور جس کے باعث آپ ﷺ نے قصد کتابت فرمائی تھی قائل مذکورہ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ لفظوں کو بھی ضبط و محفوظ نہ رکھ سکا اور شدت الم کی جگہ وہ لفظ هَجَرَ بمعنی ہذیان کہہ گیا۔ اس وجہ میں نہیں کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر

ہذیان کا حمل کرنا جائز ہے۔ جس طرح کہ کمال محبت وشفقت میں انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے فرمایا: وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ (پ۶ المائدہ ۶۷) اس کے مثل اور بھی صورتیں ہیں۔

لیکن وہ روایت جس میں اَھَجَرًا ہے وہ روایت ابواسحاق مستملی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح بخاری میں ہے۔ اس حدیث کو ابن جبیر ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت قُتَیۡبَہۡ ﷺ بیان کیا ہے ممکن ہے یہ ان لوگوں کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اختلاف کیا اور یہ باہم ایک دوسرے کو خطاب ہو مطلب یہ کہ ابھی سے تم رسول اللہ ﷺ کے روبرو ایسی بات لے آئے ہو جو بری اور چھوڑنے کے قابل ہے اور ھُجر ہاء کے پیش کے ساتھ بمعنی کلام میں برائی کے ہیں۔

اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تم سامان کتابت لاؤ تو پھر انہوں نے کیوں اختلاف کیا؟

چنانچہ علماء نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کے احکام کی کئی نوعیتیں ہوتی تھیں بعض واجب، بعض مستحب اور مباح اور یہ بات قرائن سے سمجھی جاتی تھی۔ شاید کہ یہاں بھی حضور ﷺ کے اس حکم کو کسی قرینہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ کا یہ عزم مصمم نہیں ہے (یعنی حکم وجوبی نہیں) بلکہ آپ ﷺ کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے اختیاری ہے (یعنی مستحب یا مباح ہو) اور ممکن ہے بعض نے اسے سمجھا ہی نہ ہو۔ اس پر کسی نے کہا: آپ ﷺ سے دریافت کرلو۔ پس جب لوگوں کا اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ اس سے رک گئے کیونکہ یہ عزم مصمم نہ تھا۔

اور اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر ﷺ کی رائے صائب ہے۔ اس کے بعد علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سیدنا عمر ﷺ کا منع کرنا حضور ﷺ کی محبت وشفقت کی بناء پر ہو کہ ایسی شدت مرض کی حالت میں وثیقہ لکھوانے کی زحمت دینا آپ ﷺ کو اس سے مزید مشقت وتکلیف ہوگی۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (دیکھتے نہیں) نبی کریم ﷺ پر کیسا شدت الم ہے اور بعضوں کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر ﷺ اس سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں حضور ﷺ ایسا حکم تحریر نہ فرمادیں جس سے امت عاجز رہے اور مخالفت کے ذریعہ حرج میں پڑجائے اور یہ خیال کیا ہو کہ امت کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان کے لئے اجتہاد، غور وفکر اور اس صواب کی جستجو جس کے صواب وخطا میں بھی اجر ہے وسعت باقی رہے اور یقیناً یہ سیدنا عمر ﷺ کو معلوم تھا کہ شریعت اور ملت کی اساس مقرر ہو چکی ہے۔

کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ آج تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

(پ ۶ المائدہ ۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ حضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ میں تم کو کتاب الٰہی اور اپنی عترت کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔[1] اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ حَسْبُنَا كِتَابَ اللّٰهُ یعنی ''ہمیں کتاب الٰہی کافی ہے۔'' سو یہ اس کا جواب ہے جس نے آپ ﷺ سے نزاع کیا نہ یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم و ارشاد کی مخالفت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ طعنہ زنی نہ کرنے لگیں کہ یہ وثیقہ تنہائی میں گھڑ لیا گیا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگیں جیسا کہ روافض نے وصیت وغیرہ کا من گھڑت دعویٰ کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے لئے بطریق مشورہ و اختیار تھا آیا وہ سب اتفاق کرتے ہیں یا اس سے اختلاف۔ پس جب ان سے اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ نے یہ ترک فرمایا۔ ایک اور جماعت اس حدیث کے معنی میں یہ کہتی ہے کہ دراصل نبی کریم ﷺ تو ان کی استدعا کو قبول فرمانے والے تھے چونکہ وہ آپ سے ایسے وثیقے کے خواہشمند تھے نہ یہ کہ شروع ہی میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا بلکہ آپ ﷺ سے بعض صحابہ نے ایسی استدعا کی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی خواہش قبول فرمائی لیکن دیگر اصحاب نے اس استدعا کو ان وجوہات کی بنا پر ناپسند کیا جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور اس جماعت نے اس قصہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا جو انہوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو بس اگر امر ہمارے لئے ہے تو ہم جان لیں گے مگر حضرت علی نے اسے ناپسند رکھا ان کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا (آخر حدیث تک)[2] اور اس جماعت نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اسی میں بہتر ہوں۔ مطلب یہ کہ میں امر کو پہچانے کی بہ نسبت اس حال میں زیادہ خوش ہوں کہ میں اس امر سے باز رہوں اور تمہارے پاس صرف کتاب الٰہی ہے اور تم اپنی اس استدعا سے مجھے باز رکھو اور ذکر کیا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کی تعیین اور اس کی کتابت کے خواہاں تھے۔

[1] طبرانی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۵

[2] صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ و باب وصال النبی ﷺ جلد ۶ صفحہ ۱۱

چھٹی فصل

کلمات بددعا کی توجیہات

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کی بھی توجیح بتادی جائے جو

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے خدا محمد تو ایک بشر ہی ہے جو اسی طرح غصہ کرتا ہے یقیناً میں نے تجھ سے وعدہ لے لیا ہے اے خدا تو ہرگز مجھ سے خلاف نہ کرنا۔ لہٰذا میں جس مسلمان کو بھی تکلیف دوں یا برا کہوں یا کوڑے ماروں تو تو اس کے لئے کفارہ اور قربت بنادینا جس سے وہ بروز قیامت تیرا قرب حاصل کر سکے[1] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس کو بھی میں بددعا دوں اور ایک روایت میں ہے اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی میں برا کہوں یا اسے راندہ درگاہ کہوں یا اسے کوڑے ماروں تو اے خدا ﷻ یہ اس کے لئے پاکی' بخشش اور رحمت کا سبب بنادے۔

حالانکہ یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ غیر مستحق پر لعنت کریں یا غیر سزاوار کو برا کہیں یا غیر لائق پر کوڑے ماریں یا اسی قسم کی اور کوئی بات غصہ کی حالت میں کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں شرح صدر مرحمت فرمائے کہ حضور ﷺ کا اول یہ ارشاد کہ اے خدا ﷻ وہ اس کا اہل نہ تھا مطلب یہ کہ اے خدا تیرے نزدیک اس کی باطنی حالت ایسی نہ تھی کیونکہ آپ کا حکم تو ظاہر پر ہے جیسا کہ فرمایا اور ایسا فرمانا اس حکمت سے بھی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے (یعنی یہ کہ اس تواضع و انکسار میں بھی آپ کی امت آپ کی پیروی کرے) لہٰذا حضور ﷺ نے اسے کوڑے مار کر یا ادب سکھانے کے لئے برا کہہ کر یا لعنت کر کے جس کی بھی آپ ﷺ کے نزدیک اس کی ظاہری حالت مستحق تھی حکم بتادیا پھر اپنی امت پر شفقت و مہربانی اور مسلمانوں کے لئے اپنی اس صفت رحمت سے جس سے اللہ ﷻ نے آپ کو متصف کیا ان کے لئے خاص طور پر دعا مانگی اور آپ اس سے ڈرے کہ اللہ ﷻ آپ کی بددعا قبول نہ کرلے اور دعا کی کہ اے خدا ﷻ اس بددعا اور اس فعل کو اس کے لئے رحمت بنادے۔

یہی مطلب آپ ﷺ کے اس ارشاد کا ہے کہ وہ اس کے لائق نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۸

(معاذ اللہ) آپ کو غیض وغضب نے برانگیختہ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ غیر مستحق مسلمان کے ساتھ ایسا فعل کریں۔ یہی معنی ومطلب صحیح ہے اور آپ کے اس ارشاد کا کہ ”میں انسان کی طرح ہی غصہ کرتا ہوں۔“ یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ آپ کو (معاذ اللہ) غیض وغضب غیر واجبی عمل پر برانگیختہ کر دیتا ہے بلکہ جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ غضب نے آپ ﷺ کو لعنت یا برا کہنے سے بطور سزا برانگیختہ کر دیا ہو یا یہ کہ اس سزا میں کوئی احتمال نکلتا ہو اور اس کا معاف کرنا جائز تھا یا یہ کہ اس میں آپ ﷺ مختار ہوں کہ چاہے سزا دیں یا معاف فرمادیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امت کی تحذیر وترہیب کے قائم مقام ہو اور حدود الٰہی سے تجاوز نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا اور دیگر کئی مواقع پر آپ ﷺ کی بددعا بغیر قصد وارادہ کے ہو بلکہ اہل عرب کی عادت ومحاورہ کی بنا پر فرمایا ہو اور اس سے قبولیت مراد نہ ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد تیرا ہاتھ خاک آلود ہو[1] اور اللہ ﷻ تیرا پیٹ نہ بھرے[2] اور عقری حلقی[3] (کونچے کئی سر منڈی) (عرف عام کی) دیگر بددعائیں۔

اور آپ ﷺ کی صفت مبارکہ دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بدگو (فحش کلام) نہ تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ تو گالی دیتے تھے اور نہ بدگوئی (فحش کلامی) کرتے اور نہ لعنت کیا کرتے تھے۔ (زیادہ سے زیادہ) عتاب کے وقت ہم میں سے کسی کے لئے یوں فرمادیا کرتے کہ ”اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔“ (صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۱)

لہٰذا (مذکورہ) حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کرنا چاہیے۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ امت پر شفقت کے لئے ایسی دعاؤں کے قبول ہو جانے سے خوفزدہ ہو گئے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ سے عہد (وعدہ) کیا کہ اس قسم کے مقولوں اور محاورات کو بھی مسلمان کے لئے پاکی، رحمت اور قربت کا ذریعہ بنادے۔
(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الحدود جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۲)

اور کبھی آپ ﷺ کا یہ فرمانا اس کے لئے جس پر آپ ﷺ نے ایسی بددعا کی ہے اس پر شفقت ومحبت کے لئے ہوتا تا کہ وہ نبی کی لعنت سے ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر اپنے کو اس کا حقیقتاً مستحق نہ سمجھ لے اور اسے وہ مقبول دعاؤں میں سمجھ کر اسے ناامیدی کا شکار نہ بنادے۔

اور کبھی آپ ﷺ کا اپنے رب ﷻ سے اس شخص کے لئے جس کو آپ کوڑے ماریں یا اسے برا کہیں سوال کرنا بجا اور صحیح ہوتا تھا تا کہ یہ بددعا اس کے لئے کفارہ بن جائے یا جو اسے صدمہ پہنچا ہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۸ صفحہ ۱۳، صحیح مسلم کتاب الحیض جلد ۱ صفحہ ۲۵۰
[2] صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۴۳
[3] صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۱۹، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۶۸

وہ اس کے جرم کو مٹا دے اور ممکن ہے کہ دنیا میں اس کا سزا پانا آخرت میں اس کی مغفرت اور معافی کا سبب بن جائے جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہوگا اسے دنیا میں سزا دی جائے گی پس وہی سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زبیر ﷛ کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے جبکہ ان کا جھگڑا ایک انصاری کے ساتھ حرہ کی نالی پر ہوا تھا کہ اے زبیر ﷛ تم اتنا پانی پلا دو کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ اس وقت آپ ﷺ سے انصاری ﷛ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ تو آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس پر حضور ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا:

اے زبیر ﷛ پانی پلا لے پھر روکے رکھ یہاں تک کہ دیوار تک پانی پہنچ جائے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً نبی کریم ﷺ اس سے پاک ہیں کہ جو کسی مسلمان کے دل میں اس واقعہ سے کوئی شک وتردد واقع ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بطریق اعتدال صلح جوئی حضرت زبیر ﷛ کو پہلے تلقین فرمائی کہ وہ اپنی حاجت تک ہی اکتفا کریں۔ پھر جب دوسرا شخص اس پر راضی نہ ہوا تو از روئے انصاف انہیں ان کا پورا حق دلا دیا۔

اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ باب ہی مقرر کیا کہ جب امام صلح کا اشارہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو اس پر پورا حکم نافذ کیا جائے اور اس حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس وقت حضرت زبیر ﷛ کو پورا حق دلا دیا۔

بلاشبہ مسلمانوں نے اس قسم کے مقدمات میں اس حدیث کو اصل وضابطہ قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی خواہ آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کیا ہو یا خوشی کی حالت میں۔ اگرچہ آپ ﷺ نے قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے[1] مگر حضور ﷺ چونکہ دونوں حالتوں میں معصوم تھے (لہذا آپ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی) اور یہ بات بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ غصہ خالص اللہ ﷻ کے لئے تھا اپنے لئے نہ تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح عکاشہ ﷛ کی حدیث کی پیروی کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو[2] اور یہ عمداً نہیں فرمایا تھا کہ (معاذ اللہ) غصہ نے آپ ﷺ کو برانگیختہ کر دیا ہو بلکہ خود حدیث میں آیا ہے کہ عکاشہ ﷛ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ پر چھڑی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۱، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۳

[2] ابونعیم فی الحلیہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۶

ماری تھی یہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے قصداً ماری تھی یا اونٹ کو مارنا چاہتے تھے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے عکاشہ رضی اللہ عنہ میں تجھے خدا کی پناہ دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کا رسول ﷺ تجھ پر قصداً چھڑی مارے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں مذکور ہے جو ایک اعرابی کا واقعہ ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ اے اعرابی تو اپنا بدلہ لے لے۔ اس پر اعرابی نے عرض کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو معاف کیا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے اس وقت کوڑا مارا تھا جبکہ وہ اونٹ کی لگام سے چمٹا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ پھر دوسری مرتبہ سمجھایا اور اسے باز رکھا اور فرمایا: کیا تجھے کچھ ضرورت ہے اور اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ کوڑا مارا تھا۔ حالانکہ یہ بات بھی آپ ﷺ کی اس وقت ہے جبکہ پہلے دو مرتبہ اسے سمجھایا۔ اب وہ آپ کے سمجھانے اور منع کرنے پر بھی نہ مانے تو یہ عمل درست ہے اور یہ ادب سکھانے کا مقام ہے لیکن حضور ﷺ اتنے شفیق و مہربان تھے کہ اپنے اس حق کے لئے بھی اس سے معافی چاہی۔ بالآخر آپ ﷺ نے معاف کرا ہی لیا۔

اب رہی وہ حدیث جو سواد بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں آیا کہ وہ خوشبو سے لت پت تھا تب آپ ﷺ نے فرمایا: ورس ہے ورس (جو ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے) اسے کھرچ دے کھرچ اور اپنے دست اقدس کی چھڑی میرے پیٹ پر ماری جس سے درد محسوس ہوا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم قصاص چاہتا ہوں۔

تب آپ ﷺ نے میرے لئے اپنا بطن اقدس کھول دیا[1]۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ایک مکروہ بات میں آمادہ دیکھا تو اسے مارا تھا اور شاید کہ آپ ﷺ کا اپنی چھڑی سے مارنا اس کی تنبیہ کے لئے ہو مگر جب اسے درد محسوس ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ دینے کا قصد فرمایا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ساتویں فصل

آپ ﷺ کے دنیاوی افعال

اب رہے آپ ﷺ کے دنیاوی افعال! تو ان کا حکم بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ دنیاوی افعال میں بھی معاصی اور مکروہات سے معصوم ہیں جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ کہ ان میں سے کسی

---

[1] الحدیث بغوی فی معجم الصحابہ اخرجہ ابن سعد وعبدالرزاق فی جامعہ کمافی الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۶

فعل میں سہو وغلط بطریق مذکور خود جائز ہے اور یہ تمام باتیں آپ ﷺ کی نبوت کے لئے نقصان رساں نہیں ہیں بلکہ ان کا وقوع بھی نادرات میں سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کے عام افعال درستی وصواب پر ہی ہوتے تھے بلکہ اکثر یا سب کے سب عبادت وقرب الٰہی کے قائم مقام ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ دنیاوی افعال کو صرف اتنا ہی اختیار فرماتے تھے جتنے سے ضرورت پوری ہو سکے اور جس سے جسمانی حیات قائم رہ سکے اور اس میں یہ مصلحت وحکمت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات شریف تو وہ ہے جو اپنے رب ﷻ کی عبادت کرتی اور اس کی شریعت کو قائم کرتی اور اپنی امت کے سیاسی امور کو بجالاتی اور وہ افعال جو آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی امت کے درمیان دائر ہیں بایں طور انجام دیتے کہ آپ ﷺ ان سے حسن سلوک کرتے یا بھلائی میں فراخی کرتے یا قول حسن فرماتے یا ان کی سنتے یا کسی سرکش کی تالیف کرتے یا کسی معاند ودشمن کو مغلوب فرماتے یا کسی حاسد کی مدارات کرتے تھے۔ یہ سب افعال اور امور آپ ﷺ کے اعمال صالحہ اور معمولات مقدسہ کے ساتھ حق ہیں۔

اور کبھی آپ ﷺ کے دنیاوی افعال مختلف حالتوں میں مخالف بھی ہوتے تھے اور دنیاوی افعال کے مشابہ امور کے لئے فراہمی سامان بھی کرتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ کسی کے پاس جاتے تو عام طور پر ''دراز گوش'' (حمار) پر سواری فرماتے اور سفر کی حالت میں اونٹ پر سوار ہوئے اور معرکہ جہاد میں ثابت کی خاطر خچر پر سوار ہوتے اور گھوڑے کی سواری کرتے اور گھوڑے کو ناگہانی وقت اور فریادی کی امداد واعانت کے لئے تیار رکھتے تھے۔

علی ہذالقیاس باعتبار مصالح ذاتی اور مصالح امت کی خاطر آپ ﷺ اپنے لباس اور احوال میں بھی تبدیلی فرماتے تھے۔ اسی طرح اپنی امت کی مساعدت اور سیاست کے لئے وہی دنیاوی امور میں افعال اختیار کرتے تھے جس کا اقتضاء ہوتا تھا اور اس کے خلاف کو ناپسند فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی رائے میں اس کے سوا میں بھلائی نظر آتی ہو جیسا کہ بعض باتیں سبب بعض افعال کو چھوڑ دیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ اس کے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر خیال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات امور دینیہ میں بھی آپ ﷺ ایسا کر گزرتے تھے جن کے کرنے یا نہ کرنے میں آپ ﷺ مختار ہوتے تھے۔

مثلاً مدینہ طیبہ سے اُحد کی طرف نکلنا حالانکہ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جہاد کے وقت مدینہ میں قلعہ بند ہوتے تھے یا جیسے کہ منافقین کی حالت کا علم ویقین کے باوجود دوسرے اشخاص کی تالیف اور

ان کے مسلمان اعزاء (عزیزوں) کی رعایت کی خاطر آپ ﷺ نے ان کے قتل کو ترک فرمادیا۔

اور یہ بھی ہے کہ آپ اسے ناپسند رکھتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرانے کو اختیار نہ فرمایا[1] اور یہ ترک قریش کے دلوں کی رعایت اور بایں خدشہ کہ کہیں اس کے تغیر وتبدل سے ان کے دل متنفر نہ ہو جائیں اور ان کی عداوت سابقہ جو وہ اسلام اور مسلمانوں سے رکھتے تھے پھر عود نہ کر آئے اُسے برقرار رکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر مجھے تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو ضرور خانہ کعبہ کو قواعد ابراہیم علیہ السلام پر پورا کر دیتا۔

(اسی طرح) آپ کوئی کام کرتے پھر اسے ترک فرمادیتے کیونکہ اس کے غیر میں بھلائی ہوتی تھی جسے کہ روز بدر ان کنوؤں کے قریب پڑاؤ کرنا جو دشمنان قریش کے نزدیک تھے یا جیسے کہ (حجۃ الوداع میں) آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اپنے معاملہ میں پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی جواب ہوئی ہے تو میں ہدی (قربانی کے جانور) کو نہ لاتا[2] اور یہ کہ آپ ﷺ کفار و دشمن کی تالیف قلوب کے لئے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور نادان کی ایذا پر صبر فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ لوگ بہت شریر ہیں جن کے شر کی وجہ سے لوگ ان سے کنارہ کشی کریں اور آپ ایسوں کو عمدہ عمدہ اشیاء مرحمت فرماتے تا کہ وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی شریعت کو اور آپ ﷺ کے رب ﷻ کے دین کو پسند کرنے لگیں اور آپ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں ایسے بھی کام کرتے جسے خادم و ملازم انجام دیتے ہیں اور آپ ﷺ ایسی ہیئت اختیار فرماتے جس کے اطراف و جوانب سے کوئی شے ظاہر نہ ہوتی اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضرین کی یہ ہیئت ہوتی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں سے اس طرح کلام فرماتے گویا وہ پہلے سے واقف ہے اور آپ ﷺ بھی اسی طرح تعجب کا اظہار فرماتے جس طرح وہ متعجب ہوتے اور اسی طرح ہنسی کا اظہار فرماتے جس میں وہ لوگ ہنستے تھے اور آپ ﷺ کی اس کشادہ روئی اور عدل گستری نے لوگوں کو گرویدہ بنالیا تھا اور غصہ کے سبب آپ ﷺ میں خفت اور سبکی نہ پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ ﷺ اپنے ہمنشینوں سے دل میں کوئی کدورت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ خائن ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۶۸

[2] صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۸۸

اللہ عنہا سے اس شخص کے بارے میں فرمایا جب وہ داخل ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ "یہ خاندان کا بڑا بیٹا ہے۔" پس جب وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی اور اس کے ساتھ مہربانی کا بھی اظہار فرمایا پھر جب وہ چلا گیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔

آپ نے فرمایا: وہ شخص لوگوں میں بدتر ہے جو لوگ اس کے شر کی وجہ سے بچنے لگیں اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ سے باطن کے خلاف ظاہر ہو اور اس کے پیچھے ایسی باتیں فرمائیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل اس کے تالیف قلب کے لئے تھا تا کہ وہ خوش ہو جائے اور اس کا ایمان قائم رہے اور اس کے ساتھی اس سبب سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کو اس جیسا دیکھیں تو وہ اسلام کی طرف کھنچ آئیں اور آپ ﷺ کی اس قسم کی باتیں اس لئے ہوتی ہیں تا کہ وہ اس دنیاوی مدارات کے سبب دینی سیاست کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں) اور کبھی آپ ﷺ اللہ ﷻ کا مال دے کر تالیف قلوب کیا کرتے تھے تو نرم گفتگو کیسے اثر نہ کرے گی۔

چنانچہ صفوان ؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ دشمن تھے اس وقت آپ ﷺ مجھے مال بہت دیتے تھے اور آپ ﷺ برابر عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ اب آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "خاندان کا بڑا بیٹا" ہے درحقیقت یہ غیبت کی ضد ہے بلکہ جو اس کے حال سے لاعلم ہے اسے خبردار کرنا ہے تا کہ وہ اس کے حال سے ڈرے اور اس سے محترز رہے اور اس پر کامل اعتماد نہ کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ وہ قوم کا سردار اور مطاع ہو اور اس قسم کا اظہار جبکہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اور نقصان کو دور کرنا متصور ہو تو وہ غیبت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات واجب ہوتا ہے جیسا کہ محدثین کی عادت ہے کہ راویوں پر جرح وقدح کرتے ہیں یا جیسے شہادت میں تنقیح وصفائی کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت بریرہ ؓ[1] کی حدیث میں اس مشکل کے کیا معنی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جبکہ آپ کو انہوں نے باخبر کیا کہ بریرہ ؓ کے مالکوں نے اس کی فروختگی سے انکار کر دیا بجز اس شرط کے کہ ان کے لئے ولاء باقی رہے۔ تب آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ان سے خرید لو اور ان کی شرط ولاء کو مان لو۔ پھر آپ ﷺ جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب الٰہی میں نہیں ہے لہٰذا ہر وہ شرط جو کتاب الٰہی میں نہ ہو باطل ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ان کی

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۳ صفحہ ۱۳۲، صحیح مسلم کتاب العتق صفحہ ۲ صفحہ ۱۱۴۳۔۱۱۴۲

شرط کو مان لینے کا حکم فرمایا اور اسی شرط پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ اگر یہ شرط منظور نہ ہوتی تو واللہ اعلم وہ اس کو حضرت صدیقہ کے ہاتھ نہ فروخت کرتے جس طرح کہ انہوں نے اس شرط سے پہلے نہیں فروخت کیا یہاں تک کہ وہ شرط اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شرط کو باطل قرار دے دیا۔ حالانکہ آپ نے ملاوٹ اور دھوکہ حرام قرار دیا ہے۔ تو اس کے جواب میں معلوم ہونا چاہیے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ نبی کریم ﷺ اس سے منزہ ہیں جو نادان لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی عصمت و تنزیہہ کے پیش نظر ایک جماعت نے اس اضافہ کا انکار کیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ولاء کی شرط مان لو۔" اس لئے کہ اکثر سندوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس اضافہ کو برقرار مان لینے کے باوجود بھی کوئی اعتراض وارد نہیں کیونکہ لَهُمُ کے معنی عَلَيْهِمُ کے کے بھی آتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے خلاف پر پر شرط مان لو) کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ. (پ ۱۳ الرعد ۲۵) ان کا حصہ لعنت ہی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے بر خلاف شرط ولاء کو اپنے لئے مان لو اور آپ ﷺ کا قیام فرما کر نصیحت کرنا اس لیے ہوگا کہ انہوں نے پہلے اپنے لئے ولاء کی شرط کی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان "ان کے ولاء کی شرط یہ حکم کے معنی میں نہ تھا بلکہ تسویہ (برابری) اور اعلام (خبر) کے معنی میں تھا کہ ان کی یہ شرط نبی کریم ﷺ کے بیان فرمانے کے بعد نفع نہ دے گی کیونکہ یہ شرط آپ بتا چکے ہیں کہ ولاء صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم شرط مانو یا نہ مانو بہر صورت یہ شرط نفع بخش نہ ہوگی اور اسی طرف داؤدی رحمہ اللہ وغیرہ گئے ہیں۔ دراصل نبی کریم ﷺ کا ان کو جھڑکنا اور ملامت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو اس کا پہلے سے علم تھا۔

اور تیسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ ان کے ولاء کی شرط لو۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس کا حکم ظاہر کر دو اور ان کو آپ ﷺ کی سنت واضح کر دو کہ ولاء تو صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ اس کا حکم بیان کرنے اور اس کی مخالفت پر تنبیہہ کرنے کے لئے جو ان سے سرزد ہوا کھڑے ہوئے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ فعل جو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کے کجاوے میں پیالہ رکھوا کر ان کو اس کے سرقہ کے الزام میں پکڑا اور وہ ماجرا اس سلسلہ میں ان کے بھائیوں پر گزرا اور آپ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ تم ضرور چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ آیۂ کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فعل اللہ ﷻ کے حکم سے تھا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی بادشاہی قانون میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا چاہے۔ (پ ۱۳ یوسف ۷۶) (ترجمہ کنزالایمان)

جب واقعہ اللہ ﷻ کی جانب سے ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی اس میں واقع ہے۔

نیز ایک یہ بھی سبب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کو مطلع کر دیا تھا کہ میں تیرا بھائی ہوں تم فکر نہ کرنا لہٰذا جو بھی ماجرا اس کے بعد گزرا وہ اس کی موافقت اور خواہش پر ہوا اور اس یقین پر کہ اس کے پیچھے بھلائی ہے اور اس طرح پر ان کی برائی اور مضرت دور کرنے کے لئے تھا لیکن یہ قول کہ

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو۔

(پ ۱۳ یوسف ۷۰) (ترجمہ کنزالایمان)

تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے قول نہیں ہے جس کا جواب دینا لازمی ہے جس سے شبہ کا ازالہ ہو اور یہ سزاوار ہے کہ اس قول کے کہنے والے پر خواہ وہ کوئی ہو عمدہ تاویل کی جائے یعنی یہ کہ اس کہنے والے نے گمان کیا ہوگا ظاہر حال میں تم چور ہو اور بلا شبہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس بنا پر کہی کہ پہلے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا اور ان کو فروخت کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لہٰذا ہمیں یہ لازم نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وہ باتیں منسوب کریں جو ان سے مروی نہیں "کہ انہوں نے ایسا کہا ہے" حتیٰ کہ ان سے وہ باتیں دور کی جائیں اور ان کے سوا دوسروں کی لغزشوں کا عذر بیان کرنا لازم نہیں (کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں)

آٹھویں فصل

حکمتِ ابتلاءِ انبیاء و رسل علیہم السلام

اب اگر کوئی کہے اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر امراض

آتے اور ان پر اس کی شدت ہوتی تھی اور اس کی کیا وجہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ ﷻ نے بلاء و امتحان میں مبتلا کیا تھا جیسے حضرت ایوب، حضرت یعقوب، حضرت دانیال، حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ پر گزرے حالانکہ یہ حضرات اللہ ﷻ کی مخلوق میں اس کے مختار، محبوب اور برگزیدہ تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے کہ اللہ ﷻ کے تمام افعال مبنی بر انصاف اور اس کے تمام کلمات ایسے صادق جس میں قطعاً تبدیلی ممکن نہیں وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ ان سے فرمایا:

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ο (پ ۱۱ یونس ۱۴) کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَلِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ο (پ ۱۵ الکہف ۷) کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ. (پ ۴ ال عمران ۱۴۱) اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز ارشاد ہے:

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ ο (پ ۴ ال عمران ۱۴۲) اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ο (پ ۲۶ محمد ۳۱) اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس اللہ ﷻ کا طرح طرح کے امتحانوں میں مبتلا کرنا ان کے مرتبہ کی زیادتی اور ان کے درجات کی رفعت و بلندی کے لئے ہے اور یہ کہ ان کے صبر و رضا، شکر و فرمانبرداری، توکل و سپردگی، دعا و گریہ و زاری کے حالات و اسباب کو ظاہر کرتا ہے تا کہ آزمائش میں مبتلا ہونے والوں پر رحمت اور

مصائب وآلام میں پڑنے والوں پر شفقت دیکھ کران کی بصیرتیں اورزیادہ ہو جائیں جوان کے علاوہ دوسروں کے لئے یادگاراوران کے سوا کے لئے نصیحت بن جائے تا کہ وہ بلا ومصائب میں ان کی پیروی کریں اوران قصوں کو یاد کر کے جوان پر گزرے ہیں خود کو تسلی دیں اور صبر میں ان کی اقتداء کریں اور یہ کہ ان کی لغزشوں اور غفلتوں کو جوان سے صادر ہوئے مٹا دیئے جائیں تا کہ پاک وصاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں ان کی حاضری ہو اور انہیں پورا پورا اجر وثواب ملے۔

حدیث: حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ کون سے حضرات ہیں جن پر سخت مصیبتیں اور بلائیں اتریں۔ فرمایا: انبیاء علیہم السلام پھر جوان کی مثل ہیں پھر جوان کی مثل ہیں' کسی آدمی کا مبتلائے آلام ومصائب ہونا اس کے دین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ بندگان خاص سے بلائیں نہیں ٹلتیں یہاں تک کہ وہ ایسا کر دیتی ہے کہ زمین پر جب چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا کا بار نہیں ہوتا[1]۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ اور بہت سے نبی ایسے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بکثرت اللہ والے لڑے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ۴ ال عمران ۱۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان کی جان واولاد اور اس کے مال میں ہمیشہ آزمائشیں ہوتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل سے جب ملاقات کرے گا تو اس پر ایک غلطی کا بھی بار نہ ہوگا۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۸)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل اپنے کسی خاص بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے دنیا میں سختیاں ڈالنے میں جلدی کرتا ہے اور جب اللہ عزوجل کسی جان پر شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو گناہوں کی حالت میں ہی چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بروز قیامت اس کی پوری سزا دے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اسے مبتلائے آلام کرتا ہے تا کہ گریہ وزاری کرے[2] اور سمرقندی رحمہ اللہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں زیادہ عزت والا ہے اس پر اتنی ہی شدید بلائیں ہوتی ہیں تا کہ اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور پورے ثواب کا مستحق بن جائے۔ جیسا کہ حضرت لقمان رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے میرے فرزند! سونے اور چاندی کو تو آگ پاک وصاف بناتی ہے اور مسلمان کو بلائیں ستھرا کرتی ہیں۔

---

[1] سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۸' سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۴' تحفۃ الاشراف جلد ۳ صفحہ ۳۱۸' مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۴۳

[2] مسند الفردوس جلد ۱ صفحہ ۲۵۱

منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ علیہ السلام نے ان سے وفور محبت میں نماز کی حالت میں ان کی طرف نظر ڈالی تھی حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام محو خواب تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ بلکہ وہ اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ایک بھنی ہوئی بکری کے کھانے میں مشغول تھے اور دونوں ہنس رہے تھے اور ان کے ایک ہمسایہ یتیم بچے نے اس کی مہک سونگھ کر اس کی خواہش کی اور رونے لگا۔ اس بچے کے رونے کے سبب اس کی بوڑھی ماں بھی رونے لگی حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزند اس سے لاعلم تھے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے افسوس میں رونے کے ساتھ عتاب فرمایا گیا اور انہیں اتنا رونا پڑا کہ ان کے دونوں حدقے بیٹھ گئے اور غم میں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ پھر جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو مدت عمر تک آپ اپنے مکان کی چھت پر منادی کے ذریعہ نداء کراتے رہے کہ جس کے پاس روزینہ نہ ہو وہ آل یعقوب علیہ السلام سے آ کر لے لے اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جن سختیوں کے ذریعہ عتاب فرمایا اسے اللہ عزوجل نے بیان فرما دیا۔

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو مبتلائے آلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی بستی والوں کے ساتھ ان کے بادشاہ کے پاس اس کے مظالم کی شکایت لے کر گئے بستی والوں نے بادشاہ کو سخت وست کہا مگر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی زراعت کے خوف سے نرمی کا برتاؤ کیا اس پر اللہ عزوجل نے ان کو بلا و مشقت میں مبتلا فرمایا۔

اور انہیں فوائد کے پیش نظر نبی کریم ﷺ پر مرض اور درد کی شدت ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی پر درد کی ایسی حالت نہ دیکھی[1] اور عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو آپ کے مرض میں دیکھا تو آپ پر شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ ﷺ پر تو بہت سخت و شدید بخار ہے۔ فرمایا: ہاں تم میں سے دو مردوں کے برابر مجھے بخار کی شدت ہے۔ عرض کیا گیا: یہ اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کو دونا اجر ملے۔ فرمایا: ہاں اس لئے یہ ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۰، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۰۔۱۰۰۱)

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ پر رکھا تو کہا: خدا کی قسم میں آپ پر اپنے ہاتھ کو آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہم گروہِ انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں ہمارے لئے دونی مشقت ہوتی ہے کچھ نبی تو ایسے ہوئے ہیں کہ جن کو قمل (چیچڑی) کے ذریعہ مبتلا کیا گیا یہاں تک اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۰ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۰۔۱۹۹۱

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۵، مستدرک کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۴۰

کچھ نبی ایسے ہوئے جنہیں فقر میں مبتلا کیا گیا۔ یہ حضرات بلاؤں پر اتنے خوش ہوتے تھے جتنا کوئی فراخی پر خوش ہوتا ہے۔

سیدنا انس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اجر عظیم بلاءِ عظیم کے ساتھ مربوط ہے[1] چنانچہ اللہ ﷻ جب کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو مبتلائے آلام کرتا ہے پس جو اس پر راضی رہا تو اس کے لئے اللہ ﷻ کی رضا ہے اور جو اس سے ناخوش ہوا تو اس کے لئے اللہ ﷻ کی ناراضگی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ. (پ۵ النساء ۱۲۳) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی مسلمان کو دنیا میں مصیبتوں کے ساتھ جزا دی جائے گی اور وہ اس کے لئے کفارۂ گناہ بن جائے گا۔ یہ روایت حضرت عائشہ، ابی اور مجاہد رضی اللہ عنہم کی ہے[2] اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد ہے کہ جس پر اللہ ﷻ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے مصیبت میں ڈالتا ہے[3] اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جو بھی کوئی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اسے اللہ ﷻ اس کے لئے کفارہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اگر کانٹا بھی چبھے[4] اور کہا کہ

حضرت ابو سعید ﷺ کی روایت ہے کہ جو بھی کوئی تکلیف مسلمان کو پہنچے خواہ وہ مصیبت و تکلیف ہو یا حزن والم و غم حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو اللہ ﷻ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے[5] اور حضرت ابن مسعود ﷺ کی حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچتی تو اللہ ﷻ اس کے گناہوں کو اس کے ذریعہ جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔[6]

دوسری حکمت

اور دوسری حکمت جس کو اللہ ﷻ نے ان حضرات کے امراض جسمانی اور متواتر درد و الم اور جانکنی میں شدت کو پسند کیا ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے قوائے نفسانی کمزور ہو جائیں۔ جانکنی کے وقت ان کی روح کے اخراج میں آسانی ہو جائے اور مرض کے مقدم ہونے اور جسم کے کمزور ہو

---

۱ سنن ترمذی کتاب الزہد جلد ۴ صفحہ ۲۷

۲ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۶، ۲۶، مستدرک کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۸، حاکم معرفۃ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۵۵۳

۳ صحیح بخاری کتاب مرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰

۴ صحیح بخاری کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۲، صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹

۵ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۳

۶ صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰

جانے کے سبب وقت نزع اور شدت سکرات میں خفت ہو جائے۔ بخلاف اس جان کے جس پر اچانک موت آ جائے اور وہ موت کی گرفت میں آ جائے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ میت کی حالتیں شدت میں مختلف ہوتی ہیں اور ان پر طرح طرح کی سختیاں یا نرمیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن کی مثال کھیتی کے تنا کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہے[1] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی حیثیت اس نرم تنے کی سی ہے جسے ہوا جھکاتی رہتی ہے ہوا ساکن ہو جاتی ہے تو وہ تنا اعتدال پر رہتا ہے[2] یہی کیفیت مسلمان کی ہے جسے بلاء جھکاتی رہتی ہے اور کافر کی مثال درخت صنوبر کی ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ ﷻ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آفت رسیدہ' مصیبت زدہ' بیماری کا مارا تقدیراتِ الٰہیہ پر راضی' اس پر اطاعت گزار اور رضائے الٰہی کی خاطر گردن خمیدہ رہتا ہے۔ ان بلاؤں پر اس کا ناراض نہ ہونا کھیتی کے نرم تنا کی طرح ہے جو بادِ صرصر کے آگے فرمانبردار رہتا ہے اور جدھر وہ چلتی ہے ادھر ہی جھک جاتا ہے پس جب اللہ ﷻ مومن سے مصائب و آلام کے بادِ تند کو دور فرما دیتا ہے تو پھر وہ اعتدال پر آ جاتا ہے جس طرح سکون ہوا کے وقت کھیتی کا نرم تنا معتدل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بندۂ مومن بلاؤں کے دور ہونے کے بعد اپنے رب ﷻ کے شکر اور اس کے انعام کی معرفت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی رحمت و ثواب کا منتظر رہتا ہے تو جب بندے کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو نہ مرض الموت ستاتا ہے اور نہ اس پر ان بلیات کا پہنچنا گراں خاطر ہوتا ہے اور نہ سکرات موت اور نہ نزع روح اس پر دشوار ہوتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی سے مصائب و آلام کے جھیلنے کا عادی بن چکا ہوتا ہے اور اس پر اجر و ثواب کو وہ پہلے سے جان رہا ہوتا ہے جسے ان تمام شدائد و تکالیف کے بدلے میں اللہ ﷻ نے اس کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہوتا ہے۔ اس کا دل بالکل مطمئن ہوتا ہے۔

بخلاف کافر کے!

کہ اس کے اکثر احوال میں چھوٹ ہے اور اس کا جسم درخت صنوبر کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ ﷻ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو دفعتاً اس کی گردن توڑ دیتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی (اچانک موت کا حملہ ہو جاتا ہے) اور اسے بلا کسی نرمی و سہولت کے موت کا پنجہ دبا لیتا ہے جس کے سبب اس کی موت سخت اور حسرت ناک ہوتی ہے۔ اس کی روح کھینچنے کی حالت کو اس

---

[1] صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹' صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۳

[2] صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۳

کی جان کی قوت اور اس کے جسم کی صحت پر تکلیف کی شدت و عذاب کو قیاس کرنا چاہئے اور آخرت کا عذاب تو درخت صنوبر کے اکھاڑنے سے کہیں زیادہ شدید و سخت ہوگا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ تو ہم نے انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا۔ (پ۹ الاعراف ۹۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہی عادت الٰہیہ ہے اس کے دشمنوں کے درمیان جیسا کہ فرماتا ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا۔ (پ۲۰ العنکبوت ۴۰) (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ اللہ ﷻ نے ان پر اس حالت میں موت کو مسلط فرمایا جبکہ وہ اپنی سرکشی اور غفلت میں مدہوش تھے اور بغیر اتنا موقعہ دیئے کہ وہ مرنے کی تیاری کریں اچانک ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی لئے سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ بزرگان دین اچانک موت کو برا سمجھتے تھے اور اسی سلسلہ میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ وہ افسوسناک موت یعنی اچانک موت کو برا جانتے تھے۔

تیسری حکمت

تیسری حکمت یہ ہے کہ امراض پیام موت ہیں۔ مرض میں جس قدر شدت ہوگی موت کا خوف اسی قدر زیادہ ہوگا اور وہ موت کے لئے مستعد و تیار رہے گا (اور استغفار وغیرہ کا موقعہ ملے گا) کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے رب ﷻ سے ملاقات کرے گا اور یہ امراض اس کی خبر گیری کر رہے ہیں اور اس دنیا کے گھر سے جس کی خرابیاں بکثرت ہیں بے پرواہ ہو کر اس کا دل آخرت کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے پس وہ ہر اس شے سے جو اللہ ﷻ کی جانب سے غافل کرے اس کے برے نتائج سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور بندوں کی طرف ان کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور جب اپنے محتاجوں کی طرف نظر کرتا ہے تو اپنے پسماندگان میں ان کی وصیت کرتا ہے یا ان کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ ہمارے نبی کریم ﷺ باوجودیکہ گزشتہ و آئندہ سب سے مغفور ہیں وہ اپنے مرض میں ان لوگوں سے دستگاری کے طالب ہوئے جن کا آپ ﷺ پر کوئی مال یا آپ ﷺ کے بدن اقدس پر کوئی حق تھا اور آپ ﷺ نے مال و جان سے بدلہ دینا چاہا اور ایسے حقدار کو آپ ﷺ نے اپنے پر قصاص (بدلہ) کی اجازت دی۔ جیسا کہ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حدیث وفات میں وارد ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد جن و انس کو کتاب اللہ ﷻ اور اپنی عترت کو لازم پکڑنے اور انصار کے ساتھ

نرمی برتنے کی وصیت فرمائی اور ان کو تحریر وثیقہ کے لئے بلایا تا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت گم گشتہ راہ نہ ہو اور یہ دعوت کتابت یا تو نصِ خلافت کے لئے تھی یا کوئی اور مقصد ہو اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اس سے باز رہنے کو آپ ﷺ نے افضل و بہتر خیال فرمایا۔

یہی کیفیت اللہ ﷻ کے مومن بندوں اور اس کے متقی ولیوں کی سیرت میں ہے اور ان تمام کیفیات سے اس کی کافر مخلوق محروم ہے کیونکہ انہیں مہلت دی جاتی ہے تا کہ ان کے گناہ اور بڑھیں اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے جس کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ○ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (پ۲۳ یٰسین ۵۰-۴۹)

وہ راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آ لے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اچانک مر گیا تھا' پاکی ہے اللہ ﷻ کو (سبحان اللہ) گویا کہ آپ ﷺ کو کوئی غصہ کی بات معلوم ہوئی (فرمایا) محروم وہ ہے جو آپ وصیت کرنے سے محروم رہا اور فرمایا: اچانک موت مسلمانوں کے لئے تو راحت ہے مگر کافر و فاجر کے لئے افسوسناک گرفت ہے[1] اور یہ اس لئے کہ مومن کو جو موت آتی ہے تو وہ اکثر اس کے لئے مستعد و تیار ہوتا ہے کیونکہ اکثر وہ حکم الٰہی کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہتا ہے تو اس کے لئے کیوں رحمت نہ ہو۔ ایسے شخص پر اس کا آنا ہر طرح آسان ہوتا ہے چاہے جس طرح وہ مرے۔ کیونکہ وہ دنیا کی اذیتوں سے راحت عقبیٰ کی طرف جاتا ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان خود بھی راحت پانے والا ہے اور دوسروں کو بھی راحت پہنچانے والا ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۴)

اور کافر اس وقت مرتا ہے جبکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نہ تو خود اس نے اس کی تیاری کی اور نہ ڈرانے اور گھبرا دینے والے مقدمات و حالات پہنچے بلکہ اچانک موت نے گھیر لیا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ پس اس کے رد کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور نہ وہ موت کا منتظر ہی تھا۔ تو اب موت اس پر اشد ترین شے معلوم ہوگی اور دنیا کی جدائیگی سے دردناک صدمہ ہوگا اور یہ اسے نہایت شاق گزرے گا۔

اسی معنی کی طرف حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو اللہ ﷻ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ ﷻ بھی اس کی لقا کو محبوب رکھتا ہے اور جو لقاء الٰہی کو ناپسند رکھتا ہے اللہ ﷻ بھی اس سے لقاء کو ناپسند رکھتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۹۰' صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۴ صفحہ ۲۰۶۵)

---

[1] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۴' مجمع الزوائد ۲۰۹

قسم چہارم

وجوہات تنقیص وتوہین اوراس کے احکام شرعیہ

موہن وشاتم کا حکمِ قتل

یہ چوتھی قسم ان احکام کے وجوہات کے بیان میں ہے جو نبی کریم ﷺ کی تنقیص وتوہین کرنے یا حضور ﷺ کو معاذ اللہ گالی دے۔ چنانچہ قاضی ابوالفضل بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ بات کتاب وسنت اور اجماع امت سے گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں اور یہ بھی متعین کیا جاچکا ہے آپ ﷺ کا احسان اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور اکرام کیا کیا ہیں۔ ان اعتبارات کے لحاظ سے اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کو اذیت وتکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی حضور ﷺ کی تنقیص شان کرے یا آپ ﷺ پر سب و شتم کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ (پ۲۲ الاحزاب ۵۷)

بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌO (پ۱۰ التوبہ ۶۱)

اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًاO (پ۲۲ الاحزاب ۵۳)

اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ تعریض اور ذو معنی (دو معنی والے) الفاظ کے استعمال کو آپ ﷺ کے لئے حرام قرار

دیتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا. اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سنو۔

(پ۱ البقرہ ۱۰۴) (ترجمہ کنز الایمان)

یہ تحریم اس لئے ہے کہ یہودی کہتے تھے رَاعِنَا یَا مُحَمَّدُ یعنی اپنے کان سے ہماری بات سنیے اور ہماری رعایت کیجئے۔ اس سے وہ رعونت بمعنی نادانی یا بیوقوفی مراد لیتے تھے تو اس پر اللہ ﷻ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا اور ہمیشہ کے لئے اس ذریعہ کی ممانعت فرما کر قطع کر دیا تا کہ کفار و منافقین کو آپ ﷺ پر سب و شتم اور استہزاء کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے ممانعت فرمائی کہ اس کے لفظوں میں مشارکت تھی اس لئے کہ یہودیوں کے یہاں اس کے معنی اِسْمَعْ لَا سُمِعْتَ ہے یعنی سنیے اور آپ کی نہ سنی جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ قلت ادب اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ممانعت فرمائی گئی کیونکہ لغت انصار میں اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہم آپ کی رعایت کریں گے تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا کیونکہ ضمناً یہ بات پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ کی رعایت کے ساتھ ہی وہ رعایت کریں گے حالانکہ آپ ﷺ کی رعایت ہر حال میں واجب ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر نام رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: میرے نام کے ساتھ تو نام رکھو لیکن میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت نہ رکھو۔ تا کہ آپ ﷺ کی ذات شریفہ اذیت سے محفوظ و مصئون رہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی ندا کا جواب دیا کہ وہ پکار رہا تھا: یَا اَبَا الْقَاسِمِ. تب اس شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا تھا میں تو فلاں کو پکار رہا تھا[1]۔ تو اس وقت آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر کنیت مقرر کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کو اس کے سوا کسی اور کے پکارنے سے جو آپ ﷺ کو نہ پکارتا ہو ایذا نہ پہنچے اور منافقین اور استہزاء کرنے والوں کو آپ ﷺ کی ایذا رسانی اور منقصت کا موقع نہ ملے کہ وہ آپ ﷺ کو آواز دیں اور جب آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوں تو وہ آپ ﷺ کی تکلیف دہی اور استخفاف کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم تو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو پکار رہے تھے۔ جس طرح شعدوں اور مسخروں کی عادت ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنی ہر طرح اذیت سے حفاظت فرمائی۔

[1] صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۳ صفحہ ۶۶، صحیح مسلم کتاب الادب جلد ۳ صفحہ ۱۶۸۲۔۱۶۸۳۔۱۶۸۴

علماء محققین نے اس ممانعت کو آپ ﷺ کی مدت حیات ظاہری تک محمول کیا ہے اور آپ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ ممانعت کی علت اذیت ہے وہ مرتفع ہو چکی اور اس حدیث میں لوگوں کے بکثرت مذاہب ہیں اس کے ذکر کا یہ مقام نہیں جو قول ہم نے بیان کیا ہے وہ جمہور کا مذہب صواب ہے انشاء اللہ ﷻ۔ چونکہ اس کی ممانعت آپ کی تعظیم و توقیر کے لئے بر سبیل استحباب ہے نہ کہ حرام قرار دینے کے لئے اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے نام پر نام رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے نام سے پکارنے کی ممانعت فرما دی تھی۔ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ.	رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتے رہے۔
(پ ۱۸ النور ۶۳)	(ترجمہ کنزالایمان)

اسی لئے تمام مسلمان آپ کو یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اور یَا نَبِیَّ اللّٰہ سے پکارتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی کنیت "ابوالقاسم" سے بھی کچھ لوگ بعض حالتوں میں پکار لیتے ہیں۔

حضرت انس ؓ نے حضور ﷺ سے وہ روایت نقل کی جو آپ ﷺ کے نام پر نام رکھنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے بھی منزہ رکھا کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توقیر نہیں ہے۔

چنانچہ فرمایا: اپنی اولاد کا نام محمد رکھ کر انہیں برا بھلا بھی کہتے ہو[1] اور مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم ؓ نے اہل کوفہ کو خط لکھا کہ نام نبی پر کسی کا نام نہ رکھیں اسے ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام محمد تھا اور دوسرا شخص اس کو گالی دے رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا: اے محمد تیرے ساتھ اللہ ﷻ ایسا کرے اور بتائے۔ اس پر سیدنا عمر فاروق ؓ نے اپنے بھتیجے محمد بن زید بن خطاب ؓ سے کہا: میں ایسا نہ دیکھوں کہ تیرے سبب سے (نام محمد کو) گالی دی جائے۔ خدا کی قسم میں محمد کہہ کر کبھی تجھ کو نہ پکاروں گا جب تک میں زندہ ہوں اور ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں میں سے کسی نام پر نام نہ رکھا جائے اس میں ان کی عزت و تکریم ہے۔ چنانچہ ایسے ناموں کو بدل دیا اور فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام نہ رکھے جائیں۔ پھر آپ ؓ اس کی ممانعت کرنے سے باز رہے۔

حالانکہ مذہب صواب یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ سب نام جائز ہیں اس دلیل سے کہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق رہا ہے اور صحابہ کی ایک جماعت نے اپنی اولاد کا نام محمد یا اپنی کنیت ابوالقاسم

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۴۹۔۴۸

رکھی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے[1] اور بلاشبہ حضور ﷺ نے اسم امام مہدی اور ان کی کنیت کی خبر دی ہے[2] اور یہ کہ آپ ﷺ ہی نے محمد بن طلحہ، محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم وغیرہ نام مقرر فرمائے تھے اور فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھر میں ایک محمد، دو محمد اور تین محمد ہوں۔

ہم پہلے اس بحث کو دو بابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص وتوہین ہوتی ہے

معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے کہ تمام وہ باتیں جس سے نبی کریم ﷺ کے لئے بطور سبّ (گالی) بولی جائے یا جس سے آپ ﷺ کی عیب جوئی ہوتی ہو یا آپ ﷺ کی ذات شریفہ یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کے اسوہ یا آپ ﷺ کے خصائل میں سے کسی ایک خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا بطریق سبّ (گالی) آپ ﷺ پر تعریض یا اس کے مشابہ لفظ بولے یا بر سبیل سبّ وشتم استخفاف یا تحقیر وتصغیر شان کرے یا آپ ﷺ کی نکتہ چینی یا عیب جوئی کرے وہ سب گالی میں شمار ہو گا اور اس کا حکم گالی دینے والے کی طرح حکم قتل ہوگا۔

جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور ہم ان اقسام میں سے جو اس مقصد پر ہیں کسی کو مستثنٰی قرار نہ دیں گے اور نہ اس میں کسی طرح شک وشبہ کریں گے خواہ وہ صراحتًا ہو یا اشارتًا۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ پر بددعا کرے یا آپ ﷺ کے نقصان کا خواہشمند ہو یا آپ ﷺ کی طرف ایسی چیز بطریق مذمت منسوب کرے جو آپ ﷺ کے منصب عالی کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی جہت عزیز کی طرف کوئی بیہودہ یا فحش یا بری یا جھوٹ بات کی اضافت کرے یا آپ ﷺ کو کسی ایسی مصیبت یا مشقت کے ساتھ عار دلائے جو آپ ﷺ پر گزری ہو یا ان بعض عوارض بشریہ جن کا صدور آپ ﷺ کی طرف سے جائز یا معہود ہے اس کے سبب سے حقیر جانے۔ (یہ سب آپ کی اہانت وتنقیص میں شمار ہوں گی) ان تمام باتوں پر صحابہ کرام ﷺ سے لے کر آج تک کے علماء وائمہ فتویٰ کا اجماع رہا ہے (کہ جو کوئی گالی دے یا تنقیص شان کرے اسے قتل کر دیا جائے)۔

---

1 سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ سنن ترمذی کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۲۱۵

2 سنن ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۴۷۷

ابوبکر بن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے وہ قتل کردیا جائے۔

اور جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں امام مالک بن انس، لیث، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا اقتضاء یہی ہے۔ ان علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور (امام اعظم) ابوحنیفہ اوران کے اصحاب اور ثوری واہل کوفہ اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی فرمایا ہے لیکن یہ سب فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے اور اسی کے مثل ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔

اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کی مثل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے اصحاب سے نقل کیا کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو حضور ﷺ کی تنقیص کرے یا آپ ﷺ سے بیزار ہو یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو آپ کو گالی دے وہ مثل زندیق مرتد ہے۔

اسی بنا پر اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کی تکفیر کرنے میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا اس کا قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا یا کفر کی وجہ سے۔ جیسا کہ ہم انشاءاللہ تعالیٰ دوسرے باب میں اسے بیان کریں گے اور ہمیں ہمعصر علماء اور سلف امت کے مابین ایسے کے مباح الدم ہونے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ بلاشبہ بکثرت علماء نے اس کے قتل وکفر پر اجماع نقل کیا ہے اور بعض ظاہریوں نے یعنی ابومحمد علی بن احمد فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے استخفاف کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کا اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ مشہور وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم نبی ﷺ اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ کَفَرَ یعنی جو اس کے کفر اور مستحق عذاب الٰہی ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے اور فقیہہ ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسوں کے قتل کرنے کے حکم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مالک ابن نویرہ کو قتل کرنے سے حجت پکڑی ہے کیونکہ مالک ابن نویرہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے صَاحِبُکُمْ (تمہارے ساتھی) سے تعریض کی تھی۔

ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا جس نے اس کے قتل

کے وجوب میں اختلاف کیا ہو۔ جبکہ وہ مسلمان کہلاتا ہو اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ''کتاب ابن سحون'' اور ''مبسوط'' اور ''عتبیۃ'' میں کہا ہے اور اسے مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ''کتاب ابن حبیب'' میں نقل کیا ہے کہ جو مسلمان نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کرے وہ قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ''عتبیہ'' میں کہا کہ جو بھی آپ ﷺ کو برا کہے یا گالی دے یا عیب جوئی کرے یا تنقیص شان کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا حکم امت مسلم کے نزدیک قتل زندیق کی مثل ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی توقیر اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور ''مبسوط'' میں عثمان بن کنانہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ جس مسلمان نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ سولی پر چڑھا دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور امام (حاکم وقت) کو اختیار ہے کہ چاہے وہ زندہ سولی پر چڑھا دے یا اسے قتل کر دے۔

اور ابی مصعب اور اویس رحمہما اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہا یا گالی دی یا عیب جوئی یا تنقیص شان کر دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ہمیں اصحاب مالک رحمہم اللہ نے خبر دی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر حال میں ایسوں کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ چھپا کر کہے یا اعلانیہ کہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ اس کی توبہ مشہور نہیں ہو سکتی۔

اور عبداللہ بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو بھی نبی کریم ﷺ کو گالی دے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مثل اشہب رحمۃ اللہ علیہ سے وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے۔

اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی چادر ایسی ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زرہ دریدہ (گندی) ہے اور اس کی مراد اس سے عیب جوئی ہو تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض مالکی علماء فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی نبی کے لئے ویل کی یا کسی

مکروہ شے کی بددعا کی وہ بلا توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے حق میں حمال (بوجھ اٹھانے والا) ابوطالب کا یتیم کہا تھا۔

اور ابومحمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جو ایسی قوم سے سنے کہ وہ قوم نبی کریم ﷺ کی صفت بیان کر رہی ہو اور اتفاقاً ان میں ایک ایسا مرد گزرے جو بدصورت اور بدریش ہو پھر وہ قوم سے کہے اگر تم حضور ﷺ کی صفت جاننا چاہتے ہو تو دیکھو آپ ﷺ (معاذ اللہ) اس بدصورت اور بدریش گزرنے والے شخص کی طرح تھے۔

ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ اس نے یقیناً جھوٹ لگا اللہ ﷻ کی اس پر لعنت اور ایسی بات کسی سلیم الایمان کے دل سے نہیں نکلتی۔

اور احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو کہے نبی کریم ﷺ سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس سے کہا گیا کہ نہیں اور قسم ہے رسول اللہ ﷺ کے حق کی تو اس نے کہا خدا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور کوئی بری بات ذکر کی تو اس سے کہا گیا اے اللہ ﷻ کے دشمن تو کیا بکتا ہے تو اس پر اس نے پہلے سے زیادہ سخت بات کہی پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بچھو مراد لیا تھا۔ اس پر ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا جس نے ان سے ایسی بات دریافت کی تھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور میں تیرا شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ (تو اسے قتل کر دے گا) اس کے قتل و ثواب میں تیرا شریک ہوں۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صریح میں دعویٰ تاویل ناقابل قبول ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توہین و تحقیر ہے اور یہ شخص آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا ادا کرنے والا نہیں ہے لہٰذا اس کے خون کا مباح ہونا واجب ٹھہرا۔

اور ابوعبداللہ بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عشر لینے والے پر قتل کا فتویٰ دیا جس نے کسی شخص سے کہا تھا۔ مجھے عشر ادا کر دو اور اس کا شکوہ نبی کریم ﷺ سے کر دو اور اس نے کہا کہ اگر میں نے مانگا ہے یا نادانی کی ہے تو (معاذ اللہ) حضور ﷺ نے نادانی کی اور انہوں نے مانگا۔

اور فقہائے اندلس نے ابن حاتم طلیطلی کے قتل کرنے اور صولی دینے کا متفقہ فتویٰ دیا کیونکہ اس کے اوپر گواہی گزری کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے کیونکہ اس نے مناظرہ کے دوران حضور ﷺ کو یتیم اور حیدر کا ختن[1] کہہ کر خطاب کیا تھا اور دعویٰ کیا کہ آپ کا زہد اختیاری نہ تھا اور

---

[1] حیدرہ (حضرت علی ؓ) کا خسر

اگر آپ قدرت رکھتے تو طیبات کھاتے اور اس قسم کے اور خرافات بکے تھے۔ (معاذاللہ)

اور قیروان کے فقہاء اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے ابراہیم فزاری کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا حالانکہ وہ ایک شاعر اور اکثر علوم کا ماہر تھا۔

اور قاضی ابوالعباس، بن طالب کی مجلس مناظرہ میں حاضر ہوا کرتا تھا پس اس پر بہت سی ایسی بے ہودہ باتیں ثابت ہوتیں جس میں اللہ ﷻ انبیاء کرام علیہم السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں استخفاف واستہزاء تھا۔ اس پر قاضی یحیٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء نے اسے عدالت میں طلب کیا اور اسے قتل کرنے اور سولی دینے کا حکم دیا چنانچہ اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور الٹا کر کے سولی دی گئی پھر اتارا گیا اور آگ میں جلایا گیا۔

اور بعض مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ جب اس کی سولی کا تختہ اٹھایا گیا اور وہ لوگوں کے ہاتھوں علیحدہ ہوا تو تختے نے چکر کاٹا اور اسے قبلہ سے پھیر دیا تو یہ تمام کے لئے عبرتناک نشانی تھی اور لوگوں نے تکبیر بلند کی پھر ایک کتا آیا اور اس کے خون کو چاٹا۔

اس پر یحیٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا اور آپ ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کتا کسی مسلمان کا خون نہیں پیتا ہے۔

قاضی ابوعبداللہ بن مرابط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کو ہزیمت ہوئی تو اس سے توبہ کرائی جائے ورنہ وہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی۔

اس لئے کہ یہ مسلمان پر جائز نہیں خاص کر آپ ﷺ کے حق میں یہ کہے۔ کیونکہ آپ کو اپنے معاملہ کا انجام معلوم اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔

حبیب بن ربیع قروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے حق میں ایسی بات کہے جس میں تنقیص شان ہو اسے بلا توبہ لئے قتل کر دیا جائے۔

ابن عتاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت دونوں اس شخص کے قتل کو واجب ٹھہراتے ہیں۔ جو نبی کریم ﷺ کی ایذا یا منقصت کا ارادہ کرے خواہ وہ تعریضاً ہو یا تصریحاً اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ ہر اس بات سے جن کو علماء نے گالی یا منقصت میں شمار کیا ہے۔ اس کے قائل کو قتل کرنا واجب ہے۔ اس میں متقدمین ومتاخرین علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہے بھی تو

اس میں جس کا ہم نے اشارہ کیا (یعنی بلا توبہ لئے قتل کیا جائے یا توبہ قبول نہ کی جائے وغیرہ) اور اسے ہم بعد میں بھی بیان کریں گے۔

علیٰ ہذا القیاس میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو آپ ﷺ پر کوئی عیب لگائے یا آپ ﷺ کے بکری چرانے یا سہو ونسیان یا سحر یا وہ زخم جو آپ ﷺ کو کبھی کبھی لگے یا جو بعض لشکروں کو ہزیمت ہوئی یا جو آپ ﷺ کے دشمن سے اذیت پہنچی یا اہل زمانہ سے جو تکلیف پہنچی یا جو بیویوں کی طرف آپ ﷺ کا میلان تھا وغیرہ سے آپ ﷺ کو عار دلائے۔ پس ان تمام باتوں کا حکم جو آپ ﷺ کی اس کے ذریعہ تنقیص شان کا ارادہ کرے قتل کر دینا ہے۔ اس بارے میں علماء کے مذاہب کچھ تو گزر چکے اور آگے بھی آ رہے ہیں جو اسی پر دلالت کریں گے۔

پہلی فصل

دلائل وجوب قتل

اب وہ دلائل بیان کیے جاتے ہیں جس کی بنا پر اس شخص کا قتل واجب ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا عیب لگائے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ ﷻ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کو ایذا پہنچائے (اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ) اللہ ﷻ نے آپ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا رسانی کے ساتھ ملایا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو آپ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔ بلاشبہ لعنت کا وہی مستوجب ہوتا ہے جو کافر ہو اور کافر کا حکم قتل ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۵۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور مومن کے قاتل کے لئے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لہٰذا دنیا میں اس کی لعنت قتل ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا. پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۶۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور لڑنے والوں کے بارے میں اور ان کی سزا کے بیان میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا. یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔ (پ ۶ المآئدہ ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور کبھی قتل کے معنی لعنت کے آتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ. (پ۲۶ الذّٰرِیٰت ۱۰) مارے جائیں گے دل سے تراشنے والے۔
(ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ. اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے کیے جاتے ہیں۔
(پ۱۰ التوبہ ۳۰) (ترجمہ کنزالایمان)

مطلب یہ کہ اللہ ﷻ ان پر لعنت کرے اور اس لئے ان دونوں کی ایذا اور مومنین کی ایذا کے مابین فرق ہے کہ مومنین کے ایذا کی سزا قتل سے کم مارنا اور پیٹنا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے والے کی سزا اس سے سخت ہے اور وہ قتل ہے۔

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ. تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔
(پ۵ النساء ۶۵) (ترجمہ کنزالایمان)

پس اللہ ﷻ نے ایمان کے نام کو سلب کرلیا جس کے سینہ میں آپ ﷺ کے فیصلہ پر تنگی پائی جائے اور اسے وہ تسلیم نہ کرے اور جس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی بلاشبہ اس نے اس حکم کو توڑا اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ. اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔
(پ۲۶ الحجرات ۲) (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ عمل کو صرف کفر ہی ضائع کرتا ہے اور کافر قتل کیا جاتا ہے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ. اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔
(پ۲۸ المجادلہ ۸) (ترجمہ کنزالایمان)

پھر فرمایا:

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ (پ ۲۸ المجادلہ ۸)

انہیں جہنم بس (کافی) ہے اس میں وہ دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ○ (پ ۱۰ التوبہ ۶۱)

اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان میں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر فرمایا:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (پ ۱۰ التوبہ ۶۱)

وہ لوگ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ (پ ۱۰ التوبہ ۶۵-۶۶)

اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے جو تم نے کہا ہے وہ تم نے کفر کیا ہے۔ اب رہا اجماع کا حال! تو ہم نے پہلے اسے بیان کر دیا ہے لیکن حدیثوں کا حال یہ ہے کہ

حدیث: سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کر دو اور جس نے کسی میرے صحابی کو گالی دی تو اسے مارو۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی نسبت آپ نے فرمایا: وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے اور اس کی طرف اس شخص کو بھیجا جس نے دھوکہ دے کر بغیر دعوت اسلام قتل کر دیا بخلاف اس کے سوا دوسرے مشرکین کے[1] (کہ انہیں بغیر دعوت اسلام قتل کا حکم نہ فرمایا) اس کی علت یہ بتائی کہ وہ آپ کو ایذا دیتا تھا تو یہ خصوصیت کے ساتھ اس پر

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۸۶ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۴۲۵

دلالت کر رہی ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اذیت رسانی کی بنا پر تھا۔

یہی حال ابورافع کے قتل کا ہے[1]۔ براء ؓ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپ کے خلاف ابھارتا تھا۔ اسی طرح آپ نے فتح مکہ کے روز ابن خطل اور اس کی ان دونوں باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۴ صفحہ۶۲، صحیح بخاری جلد۳ صفحہ۱۵، صحیح مسلم کتاب الحج جلد۲ صفحہ۹۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون وہ شخص ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ تب خالد ؓ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۴ صفحہ۵۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے اس گروہ کفار کو قتل کرنے کا حکم فرمایا جو آپ ﷺ کو ایذا دیتا اور گالی دیتا تھا جیسے نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ اور فتح مکہ سے پہلے اور بعد ایک گروہ کفار کے قتل کرنے کا وعدہ صحابہ سے لیا۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیئے گئے بجز اس کے جو اس پر گرفت سے پہلے اسلام میں سبقت کر گیا اور بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے پکارا: اے گروہ قریش! کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے درمیان گھر کر قتل ہو رہا ہوں۔ (مجمع الزوائد جلد۶ صفحہ۸۹) اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے اس کفر و افتراء کی وجہ سے جو اللہ ﷻ کے رسول ﷺ پر باندھتا تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ اس پر حضرت زبیر ؓ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اس سے لڑے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد۵ صفحہ۳۰۷)

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کو گالی دیتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے تو اس کی طرف سیدنا خالد بن ولید ؓ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد۵ صفحہ۳۰۷)

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کی طرف بھیجا تاکہ یہ دونوں اس کو قتل کر دیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۶ صفحہ۲۸۴، عبدالرزاق فی جامع جلد۱ صفحہ۲۶)

۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد۵ جلد۷۷

اور ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے اپنے باپ کو آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے سنا تو میں نے اسے قتل کر دیا تو یہ بات نبی کریم ﷺ پر گراں گزری۔

مہاجر بن ابی امیہ ؓ کو جو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی جانب سے یمن کے والی تھے خبر پہنچی کہ اس جگہ مرتدین میں سے ایک عورت ہے جو گانے میں نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی ہے۔ تو انہوں نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور اس کے اگلے دانت اکھیڑ ڈالے۔ جب اس کی خبر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو پہنچی تو ان سے فرمایا:

کاش اگر تم ایسا نہ کرتے تو یقیناً میں تم کو اس عورت کے قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ بنی خطمہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی بدگوئی کرتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میری جانب سے اس کا بدلہ لے؟ تب اس کی ہی قوم کے ایک مرد نے کہا: میں حاضر ہو یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور آپ ﷺ کو خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: دو بکریاں سینگ نہیں مارتیں (محاورہ عرب میں یہ ایک مثل ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد (باندی) تھی جو حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اس پر وہ اسے ڈانٹتا جھڑکتا تھا مگر وہ باز نہ آتی تھی۔ چنانچہ ایک رات جب وہ حضور کو گالیاں دینے لگی تو اس نابینا نے اسے قتل کر دیا اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس کے خون کو ضائع کر دیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۴ صفحہ ۵۲۸ سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷)

ابی برزہ اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ ایک دن میں سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے ایک مسلمان مرد پر غصہ فرمایا[1]۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ اس نے سیدنا ابوبکر ؓ کو گالی دی تھی اور اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ میں (یعنی ابوبرزہ) سیدنا ابوبکر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے اور اس نے ان کو جواب دیا۔ تب میں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ بات سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے جائز نہیں۔ قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی نے مخالفت نہیں کی۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۴ صفحہ ۵۳۰ سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷

اسی حدیث سے ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو ناراض کرے خواہ وہ کسی قسم کا ہو یا آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائے یا آپ ﷺ کو گالی دے اسے قتل کر دینا چاہیے۔

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کوفہ کے والی کو ایک خط میں تحریر فرمایا۔ چونکہ والی کوفہ نے آپ سے اس شخص کے بارے مشورہ طلب کیا تھا جس نے سیدنا عمر ؓ کو گالی دی تھی تو اس کے جواب میں لکھا کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مرد مسلم کا قتل حلال نہیں ہے، بجز اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے۔ تو جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اس کا خون حلال ہے۔

ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص کے بارے استفسار کیا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تھی اور ذکر کیا کہ فقہائے عراق رحمہم اللہ نے تو کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے۔ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

اے امیر المومنین کسی نبی کو گالی دینے کے بعد وہ امت میں باقی نہیں رہتا اسے قتل کر دینا چاہیے اور جو اصحاب نبی ﷺ کو گالی دے اس پر کوڑے مارنے چاہئیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی روایتیں بکثرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ان کے اصحاب سے منقول ہیں اور مولفین اخبار وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ عراق کے وہ کون سے فقہاء ہیں جنہوں نے ایسا فتویٰ دیا ہے حالانکہ ہم نے عراقیوں کا مذہب بھی بیان کر دیا ہے کہ وہ بھی قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا کوئی فقیہہ ہو جو مشہور نہ ہو یا یہ کہ اس کے فتوے پر اعتماد نہ کیا جاتا ہو یا اس کا میلان اپنی خواہشات کی طرف ہو یا یہ کہ اس نے سب (گالی) پر محمول نہ کیا ہو اور اس میں اختلاف ہو۔ آیا اس میں گالی ہے یا نہیں! یا یہ کہ قائل نے اپنی گالی سے رجوع و توبہ کر لی ہو۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اسے بالکل ذکر نہ کیا ہو ورنہ اجماع تو یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور یہ بات بھی ہے کہ باعتبار نظر و فکر بھی یہ دلالت کر رہی ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کی تو اس کے دل کے مرض کی علامت ظاہر ہو چکی اور اس کا سرِّ باطن اور کفر آشکارا ہو چکا۔ اسی بنا پر اکثر علماء نے ردّت کا حکم نہیں دیا۔ یہ امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے شامیوں کی روایت ہے اور ایک قول ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ اور علماء کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دلیل اس کے کفر کی ہے لہٰذا حداً اسے قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کے

کفر کا بغیر اس کے حکم نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے قول کا پابند ہو یا حضور ﷺ کے لئے اپنے قول کا منکر ہو اور نہ اس سے باز آتا ہو لہٰذا ایسا شخص کافر ہی ہے خواہ اس کا قول صریح کفر ہو جیسے تکذیب وغیرہ یا کلمات استہزاء زم ہوں اور وہ اس کا معترف ہو اور اس سے توبہ نہ کرتا ہو۔ تو یہ دلیل اسی بات کی ہے کہ وہ ان کلمات کو حلال جانتا ہے اور ان کلمات کا حلال جاننا کفر ہے اور قائل کافر ہے بلا اختلاف۔ اللہ ﷻ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ط وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ. وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔

(پ۱۰ التوبہ ۷۴) (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ "جو کچھ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو ہم گدھے سے بدتر ہیں۔" ایک قول یہ ہے ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہماری مثال اور حضور ﷺ کی مثال نہیں ہے مگر یہ کہ بقول قائل (معاذ اللہ) ایک فربہ کتا جو تجھ کو کھاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے کہا کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دے گا اسے جو نہایت ذلت والا ہے۔

(پ۲۸ المنٰفقون ۸) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے یہ کہا تھا اگر چہ اس نے اسے چھپایا تھا مگر اس کا حکم زندیق کا ہے کہ قتل کیا جاتا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنا دین بدل ڈالا ہے بلا شبہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنا دین (اسلام) بدل ڈالے تو اس کی گردن مار دو اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ کی حرمت کا حکم اپنی امت کی حرمت سے بہت زیادہ ہے حالانکہ آپ ﷺ کی امت کی حرمت کو گالی دینے والے پر حد جاری ہوتی ہے تو لامحالہ وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے اس کی سزا قتل ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی عظمت و منزلت بہت بلند اور آپ ﷺ کا مرتبہ امت کے مرتبہ (بلکہ ساری مخلوق کے مرتبہ سے) کہیں زیادہ ہے۔

دوسری فصل

بعض یہود و منافقین کے قتل نہ کرنے کی حکمت

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کرایا جس نے آپ کو السَّامُ عَلَيْكُم کہا تھا حالانکہ یہ آپ ﷺ پر بددعا ہے اور نہ اس کو قتل کرایا جس نے کہا تھا کہ یہی وہ تقسیم ہے جس کا

اللہ ﷻ نے ارادہ کیا ہے؟ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کو ایذا دینا چاہتا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہت زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایذا دیئے گئے ہیں مگر انہوں نے صبر فرمایا۔ اور نہ ان منافقین کو قتل کرایا جو بسا اوقات حضور ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے رہتے تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے اللہ ﷻ ہمیں تم کو توفیق خیر دے کہ نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کو تالیف قلوب کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور ایمان کو جاگزیں کرتے اور اس کی خوبی ظاہر کرتے اور ان کے دلوں میں اسے رچاتے اور ان کی خاطر مدارت کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو تمہارے پاس آسان کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ کہ نفرت دلانے کے لئے اور فرماتے کہ آسانی اختیار کرو' مشقت میں نہ پڑو' اطمینان حاصل کرو نفرت نہ کرو اور فرماتے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضور ﷺ تو اپنے ہی ہمنشیں کو قتل کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کفار و منافقین کی مدارات کرتے' ان سے حسن اخلاق اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرتے اور ان کے جور و ستم پر صبر فرماتے تھے جو کہ آج ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان پر صبر کریں مگر آپ ﷺ ان پر داد و دہش اور نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر اللہ ﷻ نے آپ کو حکم فرمایا کہ

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (پ ۶ المائدہ ۱۳)

اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے۔ سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کرو اور ان سے درگزر کرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ. (پ ۲۴ حٰم السجدہ ۳۴)

برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا گہرا دوست۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ حالت ابتدائے اسلام میں تالیف قلوب کے لئے لوگوں کو ضرورت کے لحاظ سے تھی تا کہ وہ کلمہ طیبہ پر جم جائیں جب اسلام مستحکم ہو گیا اور اللہ ﷻ نے تمام دینوں پر اسلام کو غالب کر دیا تب آپ ﷺ نے حسب بقدرت انہیں قتل کرایا اور اللہ ﷻ کا حکم مشہور فرمایا جیسا کہ آپ نے ابن خطل کے ساتھ کیا اور وہ عہد لیا جو فتح مکہ کے روز ان کے قتل کے لئے تھا اور یہود وغیرہ میں جن پر آپ ﷺ قادر ہوئے ان کو دھوکہ اور بزور قتل کرایا اور ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی محبت میں داخل اور مظہرین اسلام کی

جماعت میں شامل نہ تھے اور وہ آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے تھے انہیں قتل کرایا جیسے کہ ابن اشرف، ابو رافع، نضر اور عقبہ وغیرہ اور اسی طرح ان کے سوا اور لوگوں کے خون کو ضائع فرمایا جیسے کہ کعب بن زہیر اور زبن زبعری وغیرہ جو کہ آپ کو ایذا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فرمانبردار ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔

اور منافقین کی حالت چونکہ مخفی تھی اور آپ ظاہر پر ہی حکم لگایا کرتے تھے اور ان (بیہودہ) کلمات کو انہیں سے جو انہیں کے ہم مشرب تھے پوشیدہ طور پر کہتے تھے اور جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھاتے اور جو انہوں نے کہا اس کے منکر ہو جاتے تھے۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ ۔ بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔

(پ۱۰ التوبہ۷۴) (ترجمہ کنزالایمان)

علاوہ بریں آپ ﷺ آرزو رکھتے تھے کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لیں اور توبہ کر جائیں اسی لئے آپ ﷺ نے ان کی اہانتوں اور ان کے جور و ستم پر صبر فرمایا جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بکثرت لوگوں نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا اور دل سے وہ مخلص ہو گئے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں بن گیا۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے نفع پہنچایا اور بکثرت لوگ دین کے حامی و مددگار اور معین ناصر ہو گئے۔ جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔

یہی جواب ہمارے بعض ائمہ رحمہم اللہ اس سوال میں دیتے ہیں اور کہا کہ ممکن ہے کہ جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا ہو تو آپ ﷺ پر ان کے اقوال کا (شرعی) ثبوت نہ ملا ہو اور جس نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچائی ہو وہ مرتبہ شہادت (شرعیہ) اس باب میں کامل نہ ہو مثلاً بچہ ہو یا غلام یا عورت ہو۔ کیونکہ خون بہانا دو عادل (گواہان) کی شہادت سے مباح ہوتا ہے اور اسی پر یہود کا وہ کلمہ محمول کرنا چاہئے جو اس نے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہا تھا ممکن ہے کہ وہ اس کلمہ کو منہ موڑ کر کہتے ہوں اور اسے صاف نہ کہتے ہوں۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی اس پر مطلع ہوئیں۔ اگر وہ صاف طور پر اسے کہتے تو صرف ایک فرد ہی کو معلوم نہ ہوتا۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہود کے کردار، صدق کی کمی اور ان کی خیانت پر ہوشیار فرمایا کہ وہ سلام کرنے میں سچے نہیں ہیں وہ اپنی زبانوں کو نرم کر کے دین میں طعنہ زنی کے طور پر کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں تو تم بھی عَلَيْكُمْ کہہ دیا کرو۔

ہمارے بعض بغداد کے علماء نے فرمایا: حضور ﷺ کو منافقین کے بارے میں جو علم تھا محض اپنے علم کی بنا پر انہیں قتل نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے نفاق پر کوئی ثبوت شرعی قائم نہ ہوتی تھی۔ اس وجہ میں ان کو چھوڑ دیا گیا۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ ان کا نفاق سرِ باطنی تھا اور ان کی ظاہری حالت اسلام و ایمان پر تھی اور عہد و پڑوس کے سبب اہل ذمہ میں داخل تھے اور ان کا اسلامی دور بہت قریب تھا اور انہیں (پوری طرح) کھرے اور کھوٹے میں امتیاز حاصل نہ تھا۔

باوجود مذکورہ حالت اور متہم بالنفاق ہونے کے عرب میں جماعت مومنین اور صحابہ سید المرسلین اور دین کے مددگاروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اب اگر ان کی ظاہری حالت کے بموجب نبی کریم ﷺ باطن کے نفاق اور ان باتوں کی بنا پر جو ان سے ظاہر ہوتی تھیں اور اس علم کی وجہ سے جو وہ دلوں میں چھپاتے تھے قتل کر دیتے تو ضرور نفرت کرنے والا وہی کچھ کہتا اور یقیناً نے دین شک میں پڑ جاتے اور معاندین باتیں بناتے اور آپ کی صحبت اور دخول اسلام میں بکثرت ڈرنے لگتے۔ یقیناً گمان کرنے والا گمان کرتا اور دشمن ظالم خیال کرتا کہ آپ کا قتل کرنا دشمنی اور بدلا لینے کے لئے تھا۔

اور جو مفہوم و معنی میں نے بیان کئے ہیں وہی امام مالک بن انس ؓ کی طرف منسوب ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں اور فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل کرنے سے اللہ ﷻ نے مجھے منع فرمایا اور یہ حکم ان ظاہری احکام کے برخلاف ہے جو ان پر جاری ہیں مثلاً زنا کے حدود اور قصاص قتل وغیرہ کیونکہ وہ تو ظاہر ہیں اور ان کے علم میں ہے کہ یہ سب کے لئے برابر ہے۔

محمد بن مواز رحمہ اللہ نے کہا اگر منافقین کا نفاق ظاہر و ثابت ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ ضرور قتل کر دیتے۔ اسے قاضی ابوالحسن بن قصار رحمہ اللہ نے نقل کیا اور قتادہ ؓ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ. (پ۲۲ الاحزاب ۶۰) اگر باز نہ آئیں منافق (ترجمہ کنز الایمان)

باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ ﷺ کو ان پر برانگیختہ کریں گے پھر ان کو اقامت نصیب نہ ہوگی مگر تھوڑے دن ملعون ہو کر جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ خدا کی سنت ہے۔ قتادہ ؓ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ اپنا نفاق ظاہر کر دیں گے اور محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں زید ابن اسلم ؓ سے نقل کیا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط (پ۱۰ التوبہ ۷۳)

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

(ترجمہ کنزالایمان)

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا اس قول میں یعنی ''یہی وہ تقسیم ہے جس سے اللہ ﷻ کی رضامندی مراد ہے؟ اور اس کا یہ قول ہے کہ انصاف فرمایئے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پر طعن و تہمت کا مفہوم نہ لیا ہو بلکہ اسے دنیاداروں کی مصلحت کی طرح رائے اور امور دنیاوی میں ایک غلطی خیال فرمائی ہو اور اس سے آپ ﷺ نے گالی دینا مراد نہ لی ہو یعنی یہ ان اذیتوں میں سے ہو جس کو آپ ﷺ معاف کرتے اور ان پر صبر فرماتے رہے ہیں۔

لہٰذا اسی بنا پر آپ ﷺ نے اسے سزا دی اور اسی طرح اس یہودی کے بارے میں کہا جاتا ہے جس نے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ (آپ پر موت ہو) کہا کیونکہ اس میں بھی صریح گالی اور بددعا نہیں ہے (چونکہ وہ منہ میں پھیر کر بولتے تھے) مگر وہی جو کہ ضروری ہے یعنی وہ موت جو کہ عام انسانوں کے لئے لازمی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ مراد ہو کہ تمہارا دین غم زدہ ہو کیونکہ اَلسَّامُ اور اَلسَّاٰمَۃُ کے معنی ملال کے ہیں اور اس پر بددعا ہو جس نے دین کو چھوڑا ظاہر ہے یہ صریح گالی نہیں ہے اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے باب میں یہ ترجمہ باندھا کہ یہ اس امر کا باب ہے کہ یہودی وغیرہ نے حضور ﷺ کو اشارۃً گالی دی ہے۔

ہمارے بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ اشارۃً گالی نہیں ہے بلکہ یہ اشارۃً اذیت ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے حق میں گالی اور اذیت برابر ہے۔ قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں بعض وہ جوابات دیتے ہوئے جو گزر چکے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کیا یہ یہودی ذمی یا معاہد میں سے تھا یا حربی اور محتمل امور میں مقتضائے دلالت کو چھوڑا نہیں جاتا۔ لہٰذا ان تمام باتوں میں سب سے بہتر اور اظہر وہ وجہ ہے جس سے تالیف قلب اور دین میں مدارات مراد لی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ ترجمۂ باب باندھا کہ ''باب اس بیان کا کہ خوارج کو تالیف کے لئے اور اس لئے کہ لوگ آپ ﷺ سے نفرت نہ کریں قتل نہ کرنا''۔ حالانکہ یہی مطلب ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیان کر چکے ہیں۔

اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے یہودی کے جادو اور زہر پر صبر فرمایا اور یہ فعل تو گالی سے بڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی نصرت فرمائی اور آپ ﷺ کو اذن دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے اس کی مدد کی اور ان کو ان کے قلعوں سے نکال دیں اور اللہ ﷻ نے ان کے دلوں میں

رعب ڈال دیا اور اللہ ﷻ نے انہیں سے جسے چاہا جلاوطنی مقدر کردی اور ان کے شہروں سے انہیں نکلوا دیا' ان کے گھروں کو انہیں کے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرایا اور انہیں علی الاعلان برا بھلا کہا گیا چنانچہ کہا کہ اے بندروں اور خنزیر کے بھائیو اور ان کا فیصلہ مسلمانوں کی تلواروں سے کرایا۔ ان کو ان کے پڑوسیوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ان کی اراضیات مکانات اور اموال کا مالک بنادیا تاکہ اللہ ﷻ کا بول بالا اور کفار کا بول نیچا ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حدیث صحیح میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی اپنی جان کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے کہ جہاں حرمت الٰہی پائمال ہوتی ہو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۳) تو اللہ ﷻ کے لئے بدلہ لیا۔

تو (جواب میں) معلوم ہونا چاہیئے یہ حدیث اس کی مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ ﷺ کو گالی دی یا اذیت پہنچائی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ کیونکہ یہ بھی تو ان حرمات الٰہیہ میں سے ہے جس کا بدلہ لینا چاہئے اور بلاشبہ آپ ﷺ نے اپنی جان و مال اور قول و افعال کا بدلہ نہیں لیا جن کا تعلق سوءِ ادب یا معاملات سے ہے جس سے فاعل کا مقصد اذیت و گالی نہیں تھا جو اہل عرب کی سابقہ سرشت کی بنا پر تھی کہ وہ ظلم و جفا اور نادانی کے خوگر تھے۔ یا وہ کہ انسان جس کا عادی ہوتا ہے۔

جیسے کہ اس بدوی کا قصہ جس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک اتنے زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گیا[1]۔ یا جیسے کہ آپ ﷺ کے حضور میں کوئی جہیر الصوت اونچی آواز سے بولے[2] یا جیسے کہ اس بدوی نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے سے انکار کردیا تھا جسے آپ ﷺ نے خرید لیا تھا[3]۔ جس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو (کیونکہ اس وقت موجود نہ تھے) اس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا چونکہ آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہیں اس لئے آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں جبکہ ہم نے آپ ﷺ کے فرمان پر توحید الٰہی پر ایمان لے آئے تو یہ تو ایک معاملہ ہے اس میں آپ ﷺ کیسے صادق نہ ہوں گے یا جیسے کہ آپ ﷺ کی دونوں بیویوں کے اتفاق کرنے پر اور بھی اسی قسم کی باتیں ہیں جن سے آپ نے درگزر فرمانا بہتر سمجھا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۴ صفحہ ۷۵' صحیح مسلم کتاب الزکوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳۱

[2] جامع ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۳' کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۰۵' ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۳۸۶

[3] صحیح بخاری کتاب الاجارہ جلد ۴ صفحہ ۶۹-۶۸' کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۷۰' صحیح مسلم کتاب الاطعمہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۱

ہمارے بعض علماء (مالکی) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا حرام ہے اور افعال اباحۃ میں بھی یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کو فعل مباح سے ایذا دینا وہ بات ہے کہ انسان سے ایسا فعل جائز ہے اگرچہ دوسرے اس سے ایذا محسوس کریں۔ انہوں نے اللہ ﷻ کے اس فرمان کی عمومیت سے استدلال کیا کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ.   جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۷)   (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ کے اس فرمان سے جو حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے استدلال کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ خبردار میں اسے حرام قرار نہیں دیتا جسے اللہ ﷻ نے حلال فرمایا لیکن اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ ﷻ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک شخص پر جمع نہ ہونگی یا وہ اس قسم کی ایذا ہو جو کافر سے پہنچے اور آپ ﷺ اس کے بعد اس کے اسلام لانے کی تمنا کریں جیسے اس یہودی کو معاف فرما دینا جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا اور اس بدوی سے درگزر کرنا جس نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا[1] یا اس یہودی سے چشم پوشی کرنا جس نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا اسی قبیل سے وہ اذیتیں ہیں جو آپ ﷺ کو اہل کتاب اور منافقین وغیرہ سے پہنچی تھیں اور ان سے آپ نے درگزر کیا بایں امید کہ اس میں ان کی اور دوسروں کی تالیف ہو۔ جیسا کہ ہم نے بتوفیق الٰہی پہلے بیان کیا۔

تیسری فصل

بلا قصد اہانت و تحقیر کا حکم

قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جو قصداً حضور ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تحقیر کرے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو ممکنات میں سے ہو یا محالات میں سے اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک کھلی وجہ ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک وجہ دوسری بھی نکلتی ہے جو بیان وضاحت میں اسی کے ساتھ شامل ہے وہ یہ کہ کہنے والے نے آپ ﷺ کے بارے میں بغیر قصد و ارادہ کے گالی دی یا تحقیر کی اور وہ اس کا معتقد بھی نہیں ہے۔ لیکن اس نے آپ

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۴۲۶، ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۲۲۸

ﷺ کے بارے میں وہ بات کہی جو کلمۂ کفر ہے یعنی (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر لعنت کی یا گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا وہ بات منسوب کی جو کہ آپ ﷺ پر جائز نہ تھی یا اس چیز کی نفی کی جو آپ ﷺ کے لئے واجب وضروری تھی۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے حق ومرتبہ کی تنقیص لازم آتی ہے مثلاً اس نے گناہ کبیرہ یا تبلیغ رسالت یا لوگوں کے درمیان کسی حکم میں مداہنت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی یا آپ ﷺ کی مرتبت، شرافت نسبی و وفور علم یا آپ ﷺ کے زہد وورع سے غضِ بصر یعنی چشم پوشی اور بے پروائی کی یا اس چیز کی تکذیب کی جو آپ ﷺ کی مشہور خبروں میں سے ہے یا متواتر جزوں کے رد کرنے کا قصد کیا یا آپ ﷺ کے لئے بیوقوفی کی بات کہی یا ایسا قبیح کلمہ بولا جو گالی کی قسم میں ہوا گرچہ آپ ﷺ کے حال میں دلیل کے ساتھ ہوا اور اس سے آپ ﷺ کی برائی یا گالی دینے کا قصد وارادہ نہ ہو ان میں کسی ایک بات کا قائل سے صادر ہونا خواہ وہ جہالت کی وجہ سے ہو یا جبر وسکر (نشہ) نے اس پر اسے برانگیختہ کیا ہو خواہ بے پرواہی زبان پر قابو نہ رکھنے یا کمیٔ حافظہ یا طلاقت لسانی کی وجہ سے ہوا ہو تو اس دوسری وجہ کا حکم بھی پہلی وجہ کے حکم کے موافق ہے۔ کہ اسے بھی بلا توقف قتل کر دیا جائے۔

اس لئے کہ کفر میں کسی کے لئے جہالت عذر نہیں بن سکتی اور نہ زبان کی لغزش اور نہ کسی اور عذر کا دعویٰ جس کو ہم نے بیان کیا قابل سماعت ہے جبکہ اس کی عقل وفطرت صحیح وسالم ہو بجز اس صورت کہ جس پر جبر واکراہ ہوا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور یہی فتویٰ علماء اندلس نے ابن حاتم پر دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے زہد کی نفی کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

محمد ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ قیدی جو دشمن کی حراست میں ہو پھر وہاں وہ حضور ﷺ کو برا بھلا کہے قتل کر دیا جائے۔ مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے جبکہ اس کا نصرانی ہونا یا مجبور ہونا معلوم ہو جائے۔ ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان امثال میں لغزشِ زبان کے دعویٰ کو عذر نہ قرار دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے نشہ کی حالت میں آپ ﷺ کو گالی دی تھی کیونکہ اس پر یہ گمان ہے کہ وہ اس کا معتقد تھا اور بحالتِ ہوش یہی کہے گا اور یہ بھی بات ہے کہ نشہ حد کو ساقط نہیں کرتا مثلاً حد قذف، قتل اور باقی تمام حدود شرعیہ اس لئے کہ نشہ کو اس نے خود اپنے پر طاری کیا ہے چونکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جو شراب پیتا ہے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ باتیں کرتا ہے جو منکر وممنوع ہیں۔ لہٰذا وہ اسی حکم میں ہے جو قصداً کرے کیونکہ یہ نشہ اس کا خود اختیاری

ہے اسی بنا پر تو ہم طلاق' عتاق' قصاص اور حدود کو لازم کرتے ہیں۔

اس (مسلہ) قاعدے پر حضرت حمزہ ﷺ کی اس حدیث کو معارضہ میں نہ پیش کیا جائے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے لئے کہا تھا کیا تم میرے باپ کے غلام نہیں ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۲ صفحہ ۹۲، کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۰۷)

راوی کا کہنا ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ نے جان لیا کہ وہ نشہ میں ہیں چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور اس کے پینے میں گناہ نہ تھا۔ اس وقت تک اس حالت میں جو بات صادر ہوتی تھی وہ معاف تھی۔ جیسا کہ نیند یا غیر مختل دوا کے پینے کے بعد ظاہر ہو۔

چوتھی فصل

ارشاداتِ نبوی ﷺ کی تکذیب کا حکم

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ان باتوں کی قصداً تکذیب کرے جسے آپ ﷺ نے فرمایا' یا آپ ﷺ لے کر آئے تھے یا آپ ﷺ کی نبوت ورسالت یا آپ ﷺ کے وجود کی نفی کرے یا آپ ﷺ کا انکار کرے۔ چاہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے دین وملت میں جائے یا نہ جائے بہر حال وہ بالاجماع کافر اور واجب القتل ہے۔

اس کے بعد غور کیا جائے گا پس اگر وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کا حکم مرتد کے حکم کے مشابہ ہوگا اور اس کی توبہ قبول کرنے میں قوی اختلاف ہے اور دوسرے قول کی بنا پر اس کی توبہ اس پر حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا حق ہے۔ اگر اس نے کوئی تنقیص کی بات ذکر کی مثلاً جھوٹ وغیرہ اگر چہ اس نے اسے پوشیدہ کہا ہو تو اس کا حکم زندیق جیسا ہے کہ ہمارے نزدیک توبہ اس کے حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جس نے حضور ﷺ سے بیزاری ظاہر کی یا آپ کی تکذیب کی تو وہ مرتد حلال الدم ہے۔ بجز اس کے کہ وہ رجوع کرے۔

ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) اس مسلمان کے بارے میں کہتے ہیں جس نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ نبی یا رسول نہیں یا یہ کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل نہیں ہوا اور یہ کہ قرآن تو حضور ﷺ ہی کے اقوال ہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس مسلمان نے

رسول اللہ ﷺ سے کفر و انکار کیا تو وہ بمنزلۂ مرتد کے ہے۔ اسی طرح جس نے اعلانیہ آپ ﷺ کی تکذیب کی وہ بھی مرتد کے حکم میں ہے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اسی طرح انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو خود ساختہ نبی بنے اور گمان کرے کہ اس کی طرف وحی (نبوت) آتی ہے (تو وہ مرتد اور قابل قبول توبہ ہے) اور یہ سحون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خواہ وہ (خود ساختہ نبی) اس کی اعلانیہ دعوت دے یا پوشیدہ طور پر۔ بقول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ وہ مرتد ہے کیونکہ اس نے کتاب الٰہی سے کفر و انکار کیا اور اللہ ﷻ پر افتراء باندھا ہے۔ اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس یہودی کے بارے میں کہا جس نے نبوت کا (جھوٹا) دعویٰ کیا یا اس نے گمان کیا کہ وہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یا یہ کہ تمہارے نبی کے بعد نبی ﷺ ہے تو اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ اسے اعلانیہ کہتا ہے تو اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کہ لانبی بعدی (میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہے) جھٹلانے والا ہے اور اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں اللہ ﷻ پر افتراء باندھتا ہے۔

محمد بن سحون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جو کچھ بھی اللہ ﷻ کی جانب سے لائے ہیں اس میں جس نے ایک حرف کا بھی شک کیا وہ کافر و منکر ہے اور کہا کہ جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اس کا حکم امت کے نزدیک قتل ہے۔

سحون رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب احمد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سیاہ فام نہ تھے اسی طرح ابو عثمان حدّاد رحمہ اللہ نے کہا اور فرمایا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ ﷺ داڑھی آنے سے پہلے وفات پا گئے یا یہ کہ آپ ﷺ مقام تاہرت میں تھے نہ کہ مکہ مکرمہ میں تو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ یہ نفی ہے۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی کسی صفت یا آپ ﷺ کے کسی مقام کو تبدیل یا اس میں تغیر کرنا کفر ہے اور اس کے ظاہر کرنے والا کافر ہے اور اس میں توبہ طلب کرنا ہے اور اس کا چھپانے والا زندیق ہے بغیر توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

پانچویں فصل

مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم

چوتھی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اپنے کلام میں ایسی مجمل بات کہے یا گفتگو میں ایسا مشتبہ لفظ

بولے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر محمول ہو سکتا ہو اور لفظ کی مراد میں اشتباہ واقع ہو کہ آیا وہ برائی سے خالی ہے یا نہیں تو یہی مقام محل نظر و فکر اور تعبیرات متحیر ہیں جس میں مجتہدین کا اختلاف اور مقلدین کے بچانے میں وقوف ہے تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

چنانچہ ان میں سے بعض علماء پر تو نبی کریم ﷺ کی عظمت و حرمت غالب ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کی عظمت و حرمت کے میلان کی حمایت کی ہے اور ایسے کے قتل کرنے کی جرأت کی ہے اور بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے مشتبہ اور محتمل اقوال میں حرمت دم (قتل سے بچنے) کو بڑا جانا اور حد کو دور کیا ہے۔

ہمارے ائمہ (مالکی) نے اس شخص کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے اپنے قرض خواہ سے کہا کہ حضور ﷺ پر درود پڑھ اس پر قرض خواہ مذکور نے کہا کہ خدا اس پر درود نہ بھیجے جس نے آپ پر درود بھیجا اس پر سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ کیا وہ ایسا ہی ہے جس نے حضور پر یا ان فرشتوں پر جو آپ پر درود بھیجتے ہیں گالی دی ہے۔ کہا نہیں! جبکہ اس نے غصہ کی حالت میں کہا ہو کیونکہ وہ دل سے گالی نہیں دے رہا ہے اور ابو اسحاق برقی اور اصبغ بن الفرج رحمہم اللہ نے کہا اسے قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ اس نے تو لوگوں کو گالی دی ہے۔ یہ قول سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے اس لئے کہ انہوں نے غصہ کی حالت میں بھی حضور ﷺ پر (صریح) گالی کو عذر قرار نہیں دیا لیکن اس صورت میں جبکہ ان کے نزدیک کلام مشتبہ اور محتمل ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو حضور ﷺ پر یا فرشتوں پر گالی دینا دلالت کرتا ہو اور نہ پہلے سے کوئی ایسی بات ہو جس پر یہ کلام مشتبہ محمول ہوتا ہو بلکہ قرینہ دلالت کرتا ہو کہ اس سے مراد لوگ ہیں نہ کہ وہ حضرات! کیونکہ اس سے دوسرے شخص نے کہا کہ صَلِّ عَلَى النَّبِي (حضور پر درود بھیج) تو اس کا جواب اور اس کی گالی اس شخص پر محمول ہو گی جو اس کے کہنے پر اس وقت درود بھیجے کیونکہ اس دوسرے نے ہی اس کو غصے میں اس کا حکم دیا۔ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کے موافق ان دونوں عالموں کا کہنا ہے۔

اور قاضی حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اس مثال میں مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں توقف کیا جس نے کہا کہ "ہر کمانے والا دیوث ہے اگر چہ وہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہو۔" اس پر انہوں نے خوب سختی سے باندھنے اور اس پر شدت و سختی کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ وہ اپنا مفہوم الفاظ بتا دے کہ ان لفظوں سے اس کی کیا مراد

ہے کیا وہ موجودہ زمانہ کے کرنے والے مراد لے رہا ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی نبی ورسول نہیں تو اس صورت میں اس کا حکم آسان ہے اور کہا اگر اس کے لفظوں کی مراد عام ہے یعنی گزشتہ وآئندہ کے ہر کمانے والا اس کی مراد ہے تو چونکہ گزشتہ زمانہ میں انبیاء ومرسلین علیہم السلام بھی کمانے والے تھے (تو اس کا وہی حکم ہے) کہتے ہیں اور جب تک کسی مسلمان پر صاف طور پر بات واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے اور جہاں کہیں تاویلات وارد ہوتے ہوں تو ضروری ہے کہ اس میں غور وفکر کیا جائے۔ یہی مطلب ان کے کلام کا ہے۔

ابومحمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے کہا کہ اہل عرب پر اللہ ﷻ کی لعنت یا بنی اسرائیل پر اللہ ﷻ کی لعنت یا بنی آدم پر اللہ ﷻ کی لعنت۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ظالم لوگ ہی مراد ہوں گے۔ ایسے شخص پر سلطان کی رائے کے مطابق تادیب کرنی چاہئے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں انہوں نے فتویٰ دیا جس نے کہا کہ اس پر اللہ ﷻ کی لعنت جس نے شراب حرام کی اور کہے کہ میں نہیں جانتا کس نے حرام کی (اور ایسا ہی فتویٰ اسی شخص کے بارے میں دیا) جس نے حدیث "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" پر لعنت کی یا اس پر لعنت کی جو اسے لایا ہے تو اگر وہ جاہل ہے اور سنن (احادیث) کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو اسے معذور جان کر دردناک تادیب کا مستحق قرار دیا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ بظاہر اس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینا نہیں چاہا بلکہ اس نے اس شخص پر لعنت کی ہے جس نے لوگوں میں اس کی حرمت بیان کی ہے جیسا کہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ پہلے گزر چکا۔

یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے جو عام طور پر بے وقوف لوگوں میں رائج ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی بدخوئی کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں سے ان کے آباؤ اجداد میں بہت سے نبی بھی شامل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض گنتیاں اور شمولیتیں تو سیدنا آدم علیہ السلام تک جا کر ختم ہوتی ہیں اس بنا پر وہ زجر وتوبیخ کا سزاوار بنتا ہے اور اس کی جہالت کی باتوں کو ظاہر کیا جائے اور اس میں خوب سختی سے سزا دی جائے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی گالی کا قصد کیا ہے جو اس کے آباؤ اجداد میں داخل ہیں تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض اوقات اس قسم کے مسائل میں کلام کرنا اور حکم دینا بھی دشوار ہوتا ہے۔ (مثلاً) اگر کسی شخص نے کہا کہ اللہ ﷻ بنی ہاشم پر لعنت کرے اور کہے کہ میں نے تو ان کے ظالم لوگ مراد لئے ہیں یا

حضور ﷺ کی اولاد میں سے کسی شخص کے بارے میں کہے کہ اس کے آباؤاجداد یا اس کی نسل یا اس کی اولاد میں ہی بری باتیں چلی آ رہی ہیں اور اسے معلوم بھی ہو کہ وہ حضور ﷺ کی اولاد میں سے ہے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس کے آباؤاجداد کے بعض افراد کی تخصیص کا مقتضی ہو جس کی بنا پر اس کی گالی سے جس کو وہ دے رہا ہے حضور ﷺ مستثنیٰ کئے جاسکیں۔

اور ابوموسیٰ بن مناس رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی سے کہا تھا کہ تجھ پر حضرت آدم علیہ السلام تک اللہ ﷻ کی لعنت ہو۔ اگر اس سے یہ بات ثابت ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہمارے مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے مخالف گواہ سے کہا کہ تو نے مجھ پر اتہام رکھا ہے۔ اس پر دوسرے نے کہا: نبیوں پر بھی تہمت لگائی گئی ہے۔ تیری کیا حیثیت ہے۔ تو اس صورت میں ہمارے مشائخ میں سے شیخ ابواسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ظاہر لفظ شنیع ہے اور قاضی ابومحمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ قتل سے توقف رکھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس لفظ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہو کہ کفار نے ان پر تہمت رکھی اور اس مسئلہ میں قاضی قرطبہ ابوعبداللہ بن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کا فتویٰ دیا اور قاضی ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سخت وطویل قید کا حکم دیا پھر اس کے بعد اس سے قسم لی کہ جو کچھ اس کے برخلاف کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی گواہی میں ضعف واقع ہوا ہے جو اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے چھوڑا۔

(قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں اپنے شیخ قاضی ابوعبداللہ بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے قضا کے دوران موجود تھا کہ ایک شخص لایا گیا کہ اس نے کسی "محمد" نامی شخص سے بے ہودہ بات کہی پھر ایک کتے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے پاؤں سے مارا اور کہا:

اے محمد کھڑا ہو۔ پھر اسنے اس کا انکار کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ اس پر ایک جماعت نے اس کے خلاف گواہی دی تو انہوں نے اسے قید کرنے کا حکم دیا اور تفتیش حال کا حکم دیا کہ کیا وہ کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہے جس کی دینی حالت میں شک وشبہ ہو جب اسے ایسا نہ پایا جس سے اس کی دینی اور اعتقادی حالت میں شبہ ہو سکے تو کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔

چھٹی فصل

امثال سے گالی دینے کا حکم

پانچویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل نے نہ تو تنقیص کا قصد کیا اور نہ عیب لگانے یا گالی دینے کا ارادہ کیا لیکن اس سے حضور ﷺ کی کسی صفت کا پتہ لگتا ہو یا آپ ﷺ کی کسی ایسی حالت کا جن کی نسبت دنیا میں آپ ﷺ پر جائز تھی بطریق ضرب المثل اور اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے دلیل بنا کر بطور استشہاء بیان کرے یا اس سے تشبیہ دینے کے لئے ذکر کرے یا اس ظلم ونقصان کو بیان کرے جو آپ ﷺ کو پہنچے ہیں جس میں اطاعت نہیں ہے اور نہ بطریق تحقیق ہے بلکہ اس کا یہ مقصد ہو کہ اس طرح اپنی یا دوسرے کی بلندی ظاہر ہو یا تمثیل میں اپنی فوقیت مقصود ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت وتوقیر مقصود نہ ہو یا آپ ﷺ کے کسی قول سے تمسخر وہنسی مقصود ہو۔

مثلاً کوئی قائل یہ کہے کہ مجھ میں برائی کہی جاتی ہے تو یہ بات تو نبی کے لئے بھی کہی گئی ہے یا یہ کہے اگر میں جھٹلایا گیا ہوں تو انبیاء علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں یا یہ کہ اگر میں نے گناہ کیا ہے تو ان کی طرف بھی تو گناہ کی نسبت کی گئی ہے یا یہ کہ میں لوگوں کی زبانوں سے کیا بچوں گا حالانکہ انبیاء ورسل علیہم السلام بھی نہ محفوظ رہے یا یہ کہ میں نے صبر کیا جس طرح اولوالعزم نے صبر کیا یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے بھی اپنے دشمنوں پر صبر کیا اور میرے صبر سے زیادہ برداشت کیا۔ جیسا کہ متنبی کا قول ہے۔

اَنَـا فِـىْ اُمَّةٍ تَـدَارَكَهَا اللّٰـهُ ۔ غَـرِيْـبٌ كَـصَـالِحٍ فِىْ ثَمُوْدٍ

میں اس امت میں مسافر ہوں جس کا تدارک اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جیسے قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام تھے۔

اسی طرح کے وہ اشعار جو حد سے متجاوز ہو کر کلام میں بے پرواہی اور سستی کرتے ہیں۔ جیسے معری کا شعر ہے۔

كُـنْـتَ مُـوْسٰـى وَافَـتْـهُ بِـنْـتُ شُـعَيْبٍ ۔ غَـيْـرَ اَنْ لَّـيْـسَ فِـيْـكُـمَـا مِنْ فَقِيْـرٍ

تم اس موسیٰ کی طرح ہو جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھی مگر یہ کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) اس شعر کا دوسرا مصرعہ سخت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی عیب وتحقیر میں داخل ہے اور اس میں غیر نبی کو حال کے نبی پر فوقیت ہے۔ اسی طرح شاعر کا یہ شعر ہے کہ

لَوْ لَا اِنْقِطَاعُ الْوَحْیِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ   قُلْنَا مُحَمَّد" عَنْ اَبِیْهِ بَدِیْل

اگر حضور کے بعد وحی منقطع نہ ہوئی تو ہم کہتے کہ محمد اپنے والد کے بدل ہیں۔

هُوَ مِثْلُهُ فِی الْفَضْلِ اِلَّا اَنَّهُ   لَمْ یَاْتِهِ بِرِسَالَةٍ جِبْرِیْل

وہ فضیلت میں ان کی مثل ہیں بجز اس کے کہ رسالت کے ساتھ جبریل علیہ السلام ان کے پاس نہیں آئے۔

اس فصل کے دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ سخت ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ پر غیر نبی کو فضیلت دی ہے اور اس کے دوم مصرعہ میں دو وجہوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس فضیلت نے ممدوح کو ناقص کر دیا اور دوسری یہ کہ اس سے اس کو مستغنی کر دیا اور یہ تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

وَاِذَا مَا رُفِعَتْ رَاْیَاتُهُ   صَفَّقَتْ بَیْنَ جَنَاحَیْ جِبْرِیْل

اور جب اس کے جھنڈے اونچے ہوتے ہیں تو وہ جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں میں حرکت کرتے ہیں اور ایک ہم عصر کا یہ شعر ہے کہ

فَرَّ مِنَ الْخُلْدِ وَاسْتَجَا رَبُنَا   فَصَبَّرَ اللّٰهُ قَلْبَ رِضْوَانِ

وہ جنت سے بھاگ کر ہماری پناہ میں آیا تو اللہ تعالیٰ جنت کے دل کو صبر دے۔

اسی طرح شعراء اندلس میں سے حسان مصیصی کا یہ شعر محمد بن عباد المعروف بہ معتمد اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدوں کے لئے ہے۔

کَانَ اَبَا بَکْرٍ اَبُوْبَکْرِ الرِّضَا   وَحَسَّانُ حَسَّان" وَاَنْتَ مُحَمَّد"

ابوبکر تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں اور حسان مثل حسان کے ہیں اور تم محمد کی طرح۔ (معاذ اللہ)

اسی طرح کے اور بھی اشعار ہیں باوجودیکہ اسی قسم کے شواہد کا ذکر کرنا ہماری طبیعت پر سخت گراں تھے لیکن ہم نے صرف اس لئے ان کا ذکر کرنا مناسب جانا کہ لوگ ایسے ہزلیات سے بچیں کیونکہ اکثر لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور اس خطرناک باب میں داخل ہونے کو آسان جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس میں کتنا گناہ ہے اور اس امر میں کلام کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے اور اسے آسان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے بالخصوص شعراء (کہ وہ تو بہت یاوہ گو ہوتے ہیں) اور ان میں سب سے زیادہ صاف کہنے والا چرب زبان، ابن ہانی اندلسی اور ابن سلیمان معری ہے بلکہ ان دونوں کا اکثر کلام تو حد استحقاق، نقص اور صریح کفر سے متجاوز ہے بلکہ ہم نے اس کا

جواب بھی دیا ہے مگر اس وقت چونکہ ہمارا مقصد اس فصل میں صرف ان مثالوں کو لانا تھا جن سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں گالی بنتی تھی نہ یہ کہ ہم اس کا احصار کرتے جن سے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی منقصت کی نسبت ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) باستثنا معری کے آخری شعر کے اور اس کے قائل نے تحقیر اور تصغیر نبی کا ارادہ کیا ہے کہ اس نے نہ تو نبوت کی توقیر کی اور نہ عظمت رسالت کو ملحوظ رکھا اور نہ حرمت برگزیدگی کی قدر کی اور نہ منزلت کہ امت کا اکرام کیا۔ یہاں تک کہ اس نے جس کو چاہا اس کرامت میں شامل کر دیا یا اس مصیبت اور منقصت میں جس کے انتفا کا اس نے کسی کے لئے ارادہ کیا مجلس کا دل خوش کرنے کے لے یا کسی مثل کے بیان کرنے کے لئے یا تحسین کلام کے لئے کسی وصف میں غلو کیا اور اپنے کلام میں کسی معظم و مقدس ہستی سے تشبیہہ دے دی۔ جس کی قدر و منزلت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری امت پر اللہ ﷻ نے فرض کی ہے اور اس کے حضور میں بلند آواز سے بولنے اور پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

گو ایسے (یاوہ گو شاعر وغیرہ) لوگوں سے قتل تو مندفع (دفع کیا گیا ہے) ہے مگر ان کی تادیب اور قید کرنا ضروری ہے اور شناعت لفظ اور کلام میں قباحت وغیرہ کے اقتضاء کے موافق اور جیسی اس کی عادت اور قرینہ یا ندامت ہو اس کے مطابق اس کی سزا واجب ہے اور متقدمین ہمیشہ اس قسم کی مثالوں کی برائی بیان کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید نے ابونواس کے اس شعر پر اعتراض کیا۔

فَاِنْ یَّکُ بَاقِیْ سَحْرِ فِرْعَوْنَ فِیْکُمْ　　فَاِنَّ عَصَا مُوْسٰی بِکَفِّ خَصِیْبٖ

چنانچہ ہارون رشید نے ابن اللخناء سے کہا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور اسی رات اپنے لشکر سے نکال دینے کا حکم دیا اور قتیبی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں اس پر اس کے سوا اور بھی مواخذے ہوئے ہیں اور اس میں اس کی تکفیر کی گئی یا جو محمد امین کے بارے میں کہا تھا اسے قریب بکفر کہا چونکہ اس نے اس کو حضور ﷺ کے ساتھ تشبیہہ دی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا۔

تَنَازَعَ الْاَحْمَدَ اِنِ الشَّبَهَ فَاشْتَبَهَا　　خَلْقًا وَّخُلْقًا کَمَا قُدَّ الشِّرَاکَانِ

(ترجمہ) دونوں احمدوں نے صورت و اخلاق کی مشابہت میں جھگڑا کیا اور باہم مشابہ بن گئے جس طرح دو تسمے (ایک ہی چمڑے سے) کاٹے جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور علماء نے اس پر بھی برا کہا ہے کہ

کَیْفَ لَایُدْنِیْکَ مِنْ اَمَلٍ　　مَنْ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مِنْ نَفَرِہٖ

(ترجمہ) وہ شخص جس کا رسول اللہ قرابتی ہے تیری خواہش کو کیسے قریب نہ کرے گا۔

اس لئے کہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کا حق اور آپ کی عظمت و علو مرتبت کا وجوب یہ ہے کہ کسی

شے کو آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے' یہ نہیں کہ آپ کو کسی شے سے منسوب کیا جائے۔ لہٰذا اس اس قسم کے مسائل کا حکم وہی ہے جسے ہم حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے فتوؤں سے پہلے مفصل بیان کر چکے ہیں۔

''کتاب نوادر'' میں ابن مرہم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے کسی شخص کو فقیری کی عار دلائی اس پر اس نے کہا کہ تو مجھے فقیری کی عار دیتا ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلاشبہ اس نے نبی کریم ﷺ کا ذکر بے موقع کیا میرے خیال میں اسے سزا دینی چاہئے اور فرمایا: کسی گنہگار کو زیبا نہیں ہے جب اسے کوئی تنبیہ کرے تو کہے ہم سے پہلے نبیوں سے بھی خطائیں ہوئی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص سے کہا: میرے لئے کسی ایسے کاتب کو تلاش کرو جس کا باپ عربی ہو۔ اس پر کاتب نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے والد تو کافر تھے۔ اس پر کہا: تو نے یہ بہت بری مثال دی۔ چنانچہ اسے معزول کر دیا اور کہا: کبھی میری کتابت نہ کرنا۔

اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت حضور ﷺ پر درود بھیجے کو مکروہ کہا مگر بطریق ثواب اور طلب اجر اور آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم کے لئے جس طرح کہ اللہ ﷻ نے ہمیں حکم فرمایا۔

قابسی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی بدصورت سے کہا کہ تو تو نکیر کی طرح ہے (منکر نکیر دو فرشتے ہیں) یا کسی بدخلق سے کہا تو تو مالک غضبان (داروغہ جہنم) کی طرح ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے۔ نکیر تو وہ ہے جو قبر میں آتے ہیں کیا اس سے مراد اس کا ڈرانا ہے کہ جب وہ آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ڈر گیا یا اس کی بدصورتی دیکھ کر مکروہ جانا پس اگر یہ بات ہے تو بہت سخت ہے کیونکہ قائم مقام تحقیر و توہین کے ہے اس کی سزا سخت ہے۔

اور اس میں صراحت کے ساتھ فرشتہ کو گالی دینا نہیں ہے۔ گالی تو صرف مخاطب پر پڑتی ہے اور بیوقوفوں کی حماقت کی سزا کوڑے اور قید ہے لیکن داروغہ جہنم مالک علیہم السلام کا ذکر کرنا تو اس نے ظلم کیا کہ بوقت انکار دوسرے کی بدخلقی پر ان کا ذکر کیا مگر اس بدخلق سے کہو وہ اس کی بدخلقی سے ڈرے اگر کہنے والے نے بطریق ذم اس کے فعل ولزوم ظلم کو اس مالک فرشتے سے جو اپنے رب ﷻ کا فرمانبردار ہے اس کے فعل سے تشبیہ دی اور کہے کہ وہ اللہ ﷻ کے لئے مالک کا سا غضب کرتا ہے تو پھر یہ بات ہلکی ہو جائے گی اور اس کو ایسے شخص پر گرفت نہ کی جائے گی اور اگر بدخلق پر اس کی بدخلقی کی مالک علیہ السلام کی صفت کے ساتھ تشبیہ دے اور اس کی صفت کو بطریق دلیل لائے تو یہ بات سخت ہوگی

تو اسے سخت سزا دی جائے گی حالانکہ اس میں فرشتہ کی مذمت نہیں ہے اور اگر مذمت کی نیت سے کہا تو یقیناً قتل کیا جائے گا۔

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جوان کی بات کو برا جانا جو بھلائی کے ساتھ مشہور تھا جس نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تو چپ رہ کیونکہ تو ان پڑھ ہے۔ اس پر جوان نے کہا تھا کیا نبی کریم ﷺ اُمی نہ تھے اور لوگوں نے اسے کافر کہا اور وہ جوان اپنے قول پر غمزدہ ہو گیا اور ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور تب ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس پر کفر کا اطلاق تو خطا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا اُمی ہونا تو آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور اس شخص کا ان پڑھ (اُمی) ہونا اس کی جہالت اور نقصان ہے اور یہ اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفت (اُمی ہونے سے) اس نے استدلال کیا۔

لیکن جبکہ وہ معترف ہو کر استغفار و توبہ کرے اور خدا کی پناہ تلاش کرے تو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اس لئے کہ اس کا قول حد قتل تک نہیں پہنچتا اور اسے سزا بھی نہ دینی چاہیے اس لئے کہ اپنے فعل پر اس کا شرمندہ ہونا سزا اسے باز رکھتا ہے اور یہ مسئلہ اسی مسئلہ کے قائم مقام ہے جس میں اندلس کے ایک قاضی نے شیخ قاضی ابومحمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا تھا جس نے کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تھی تو اس نے اس سے کہا کہ تو برا عیب بیان کرتا ہے حالانکہ میں ایک بشر ہوں اور تمام بشر کو عیب لاحق ہے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو بھی۔

تو انہوں نے اس پر طویل قید اور سزا دینے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے گالی دینے کا قصد نہیں کیا حالانکہ اندلس کے بعض فقہاء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔

ساتویں فصل

بطور حکایت نقلِ کفر کا حکم

چھٹی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اسے کسی دوسرے سے حکایت کرے اور اس سے دوسرے نقل کریں تو اس میں صورت حکایت اور قرینہ کلام پر غور کیا جائے گا۔ ان اختلاف کی وجہ سے ان کا حکم بھی چار قسموں پر مختلف ہوگا۔ اول وجوب، دوم مستحب، سوم مکروہ، چہارم حرام۔

اگر کسی نے قائل کے کلام کو بطور شہادت اور قائل کے جتانے اور اس کے قول کے انکار و اطلاع کے لئے کہ اس پر نفرت و جرح کی اور اس کو نقل کیا تو اس مقصد کے لئے قائل سزاوارِ تحسین و تعریف ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کتاب یا مجلس میں اس کے قائل پر رد یا اعتراض کرنے اور اس پر اس امر کا فتویٰ دینے کی غرض سے بیان کیا جس کا وہ مستحق ہے تو یہ بھی لائق تحسین ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب او دوسرا حسب حالات۔ حاکی (حکایت کرنے والا) اور محکی عنہ (جو روایت کی گئی) مستحب ہے۔

پس اگر قائل ان لوگوں میں سے ہو جو اس امر کے متعمدی ہیں کہ اس سے لوگ تحصیل علم کرتے ہیں یا روایت حدیث لیتے ہیں اور اس کے حکم یا شہادت پر حکم دیا جاتا ہے یا وہ حقوق العباد میں فتوے دیتا ہے تو اب سامع پر واجب ہے کہ اس سے جو سنے اس کی اشاعت کرے اور لوگوں کو اس قول شنیع سے نفرت دلائے اور اس پر اس کے مقولہ کی گواہی دے۔

اسی طرح ان ائمہ مسلمین پر بھی واجب ہے جس کسی کو بھی اس مقولہ کی اطلاع پہنچے تو مقولے کی قباحت اور اس کے کفر و فساد کو ظاہر کرے تا کہ مسلمانوں سے اس کا ضرور نقصان دور ہو اور سید المرسلین ﷺ کا حق قائم ہو۔

اسی طرح ان لوگوں پر بھی لازم ہے جو عام لوگوں میں وعظ کرتے ہیں اور بچوں کی اتالیقی (استادی) کرتے ہیں۔ کیونکہ جس کی یہ عادت بن گئی ہے (کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا کسی امر و نہی کی تحقیر و تنقیص کرے) تو اس سے لوگ کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنی یہ خباثت نہ بٹھائے۔ اس لئے ان سب لوگوں پر واجب و لازم ہے کہ حق نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے حق کی حفاظت کریں اور اگر قائل اس قبیل کا نہیں ہے تو بھی نبی کریم ﷺ کے حق اور آپ کی حمایت کے لئے کھڑا ہونا واجب ہے۔

اس لئے کہ ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں حمایت و نصرت آپ ﷺ کی اذیت میں واجب و ضروری ہے لیکن جب اس کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو جائے اور اس کی وجہ سے حق ظاہر اور قضیہ منکشف اور حقیقت واضح ہو جائے تو اس وقت دوسروں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اب اس معاملہ میں تکثیر شہادت اور اس سے لوگوں کے ڈرانے اور خبر دار کرنے میں استحباب رہ جاتا ہے۔

اور تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ جو متہم فی الحدیث ہو اس کا حال ظاہر کرنا لازم ہے تو پھر ایسے شخص کے عیوب کو (جس نے کفر یا تحقیر و تنقیص وغیرہ کی ہو) کیونکہ نہ بیان کیا جائے۔

ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے گواہ کے بارے میں دریافت کیا جس نے اللہ ﷻ کے حقوق میں یاوہ گوئی سنی تھی کیا اسے جائز ہے کہ وہ اس کی شہادت نہ دے۔ فرمایا: اگر یہ امید ہو کہ اس کی

شہادت سے حکم نافذ ہو جائے گا تو وہ ضرور شہادت دے۔

اسی طرح اگر اسے یہ علم ہو کہ اس کی شہادت پر قاضی اور حاکم قتل کا حکم نہیں دے گا یا اس کی توبہ قبول کرے گا یا تعزیر لگائے گا تو بھی اسے شہادت دینی ضروری ہے اور اس پر ادائے شہادت لازم ہے۔

اب رہی اباحت! تو وہ یہ ہے کہ وہ اس مقولہ کو ان دونوں مقصدوں کے علاوہ کسی اور غرض سے حکایت کرے تو یہ میرے خیال میں یہ اس بات سے متعلق نہیں ہے جب تک کہ کوئی غرض شرعی نہ ہو۔

اور یہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت وآبرو میں کلام کرے یا خود اپنے سے یا کسی دوسرے سے آپ ﷺ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے لیکن وہ اغراض جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں تو انہیں وجوب واستحباب دونوں جاری ہیں بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان مفتریوں کے مقولے کی نقل و حکایت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ ﷻ پر اور اس کے رسول ﷺ پر افترا باندھا تھا اور ان پر وعیدیں اور ان کی تردیدیں نازل کی ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں ہم پر اس کی تلاوت فرمائی ہے۔

اسی طرح ان وجوہ سابقہ پر ان کی مثالیں نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں اور کفار ملحدین کے مقولوں کو اپنی کتاب اور مجلسوں میں نقل و حکایت کرنے پر تمام علماء وائمہ سلف وخلف کا اجماع ہے تاکہ انہیں بیان کر کے ان کے شبہات کو توڑیں۔

اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حارث بن اسد پر بعض امور میں انکار فرمانا وارد ہے کیونکہ خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کا رد کیا ہے جن کو فرقہ جہمیہ جو خلق قرآن کا قائل ہے نے کہا ہے اور ان کفار وفجار کے اقوال کی حکایت کر کے رد کیا جو انہوں نے پھیلا رکھا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص ان وجوہ کو کسی اور نہج پر حکایت کرے۔ مثلاً آپ ﷺ پر گالی یا آپ ﷺ کی منقصت کو ایسے طریقہ پر حکایت کرے جس طرح قصہ' کہانی' عوام کی بات چیت' ان کی رعب و یابس باتیں' ان کی ہنسی مذاق' دل لگی اور ناسمجھوں کی سفیہانہ حرکتوں کو بیان کیا جاتا ہے وغیرہ تو یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور بعض تو ممانعت وعقوبت میں بہت سخت ہیں۔

چنانچہ ایسے مقولہ کی حکایت کرنے والے کچھ تو ایسے ہیں جو بلا قصد اور بغیر جانے پہچانے کہ اس حکایت میں کتنی برائی ہے نقل کر دیتے ہیں یا یہ کہ اس کی عادت ایسی نہیں ہے یا یہ کہ وہ کلام ہی اتنا شنیع نہیں ہے اور حکایت کرنے والے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اسے اچھا جانتا اور پسند کرتا

ہے تو ایسے شخص کو ان باتوں پر زجر و توبیخ کرنی چاہئے اور دوبارہ بیان کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ اگر وہ اس زجر و توبیخ سے سیدھا ہو جائے تو یہی کافی ہے اور اگر اس کے الفاظ برائی میں حد درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی سزا بھی سخت ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص قرآن کو مخلوق کہتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: یہ کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس پر اس نے کہا: میں نے تو دوسرے کی حکایت نقل کی ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا: میں نے تو تجھ سے سنا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا اس کی زجر و تغلیظ کے لئے تھا کیونکہ انہوں نے اسے قتل نہیں کرایا۔

اور اگر یہ حکایت کرنے والا اس کا متہم سمجھا جاوے کہ اس نے یہ مقولہ خود گھڑا ہے اور دوسرے کی طرف منسوب کر رہا ہے یا یہ کہ اس کی ایسی عادت ہے یا یہ کہ وہ اسے اچھا جانتا ہے اور اس پر اس کی خوبی ظاہر ہو گئی ہے یا وہ ان باتوں کا شیدائی ہے اور حضور ﷺ کا استخفاف اور ایسی باتوں کو یاد کرنے اور اس کی جستجو و تلاش میں رہنے یا آپ ﷺ کی ہجو کے اشعار کی جستجو میں منہمک اور شیفتہ ہے تو اس کا حکم قصداً گالی دینے والے کی طرح ہے۔ اس کے قول کی پکڑ کی جائے گی اور محض دوسرے کی طرف اس کا منسوب کرنا اسے فائدہ نہ پہنچائے گا اور اسے فوراً قتل کر کے جلد از جلد جہنم رسید کیا جائے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص ایسے شعروں کو یاد کرے جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو ہو تو وہ کافر ہے۔

اور بعض مولفین نے "اجماع" کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ روایت جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو یا منقصت ہو اس کی کتاب، اس کا پڑھنا اور جہاں کہیں پائے جائیں بغیر مٹائے چھوڑنا حرام ہے۔

اللہ ﷻ ہمارے سلف صالحین پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اپنے دین کی کیسی محافظت کی ہے کہ انہوں نے مغازی اور سیر کی ان روایتوں کو بھی پایۂ اعتبار سے گرا دیا جو اس قبیل میں آتی تھیں اور ان کی روایت کے سلسلہ ہی کو چھوڑ دیا مگر بہت ہی کم ایسی ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وجہ اول پر ان کا ذکر کرنا بھی اتنا برا نہیں ہے تا کہ لوگ دیکھیں اللہ ﷻ ایسوں پر کیسا عذاب فرماتا ہے اور اس کی پکڑ کا معائنہ کریں کہ کس طرح وہ اپنے گناہوں میں ماخوذ ہوئے۔

اور یہ ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ تو اتنے محتاط ہیں کہ جہاں کہیں عرب کے ان شعروں کو جس میں ہجو ہے بطور حجت لائے بھی ہیں تو انہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور کسی کی مذمت میں مشارکت کی صیانت کی خاطر کہ خود اس کی روایت اور نشر میں شریک نہ ہو جائیں جس کی ہجو کی گئی ہے اس کا نام تک کتابت (لکھنے) میں ظاہر نہیں کیا اور اسی وزن پر ایک فرض نام لے کر منسوب کر دیا تو پھر یہ باتیں سید البشر ﷺ کے لئے کس طرح گوارہ کی جا سکتی ہیں۔

آٹھویں فصل

امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم

ساتویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ ان باتوں کا ذکر کرے جو نبی کریم ﷺ پر جائز ہیں یا جن کے جواز میں اختلاف ہے یا ان کا تعلق امور بشریہ سے ہے یا جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا ممکن ہے یا ان امور کا ذکر کرے، جن میں آپ ﷺ کی آزمائش کی گئی یا اللہ ﷻ کی ذات پر آپ ﷺ نے ان سختیوں پر صبر فرمایا جو آپ ﷺ کے دشمنوں کی طرف سے پہنچی اور جو ان سے اذیتیں پائیں اور آپ ﷺ کے ابتدائی حالات و عادات اور جو بھی زمانہ کی تکلیفیں پہنچیں اور جو زندگی کے شدائد آپ ﷺ پر گزرے ان کو بیان کرے یہ تمام باتیں بر طریق روایت اور بطور مذاکرۂ علمیہ یا ان باتوں کی معرفت جن سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی صحت ثابت ہو بیان کرے تو اس صورت میں یہ قسم سابقہ چھ اقسام سے خارج ہوگی اس لئے کہ اس میں نہ عیب ہے نہ منقصت' نہ اہانت ہے' نہ استخفاف' نہ ظاہر الفاظ میں تحقیر ہے اور نہ بولنے والے کا مقصد اہانت ہے۔

لیکن یہ لازمی ہے کہ ایسی گفتگو اہل علم اور سمجھدار طالب علم سے ہو جو اس کے مقصد کو سمجھ سکے اور اس کے فائدوں کی تحقیق کر سکے اور نادان لوگوں کو اس سے بچایا جائے جن سے فتنہ کا خوف ہو۔ چنانچہ بعض علماء سلف نے عورتوں کے لئے سورۃ یوسف کی تعلیم کو مکروہ بتایا ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت سے ایسے قصے ہیں جو ان کی کمزور عقل و سمجھ اور ناقص ادراک سے باہر ہیں۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ابتدائے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں اور فرمایا ہر نبی نے ضرور بکریاں چرائی ہیں اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور اس طرح پر جس کے لئے بھی بیان کرے کوئی منقصت نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جس کا ارادہ ہی منقصت و تحقیر ہو بلکہ اس قسم کے تذکرے کرنا تمام اہل عرب

کی عادت تھی۔

ہاں! اس محنت میں بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک درس حکمت ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ ان کو بتدریج منزلت کی طرف لے جاتا ہے اور اس طریقہ سے ان کو اپنی امت پر سیاست (حکومت) کرنے کی عادت ڈلواتا ہے۔ حالانکہ ازل سے ہی ان کی کرامت و بزرگی علم الٰہی میں مقدر ہو چکی تھی۔

اسی طرح اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے یتیم اور عیال دار ہونے کو بطریق احسان ذکر فرمایا اور آپ ﷺ کی بزرگی کی تعریف کی ہے۔ اب اگر کوئی ذاکر ان کو آپ ﷺ کے ابتدائی حالات اور آپ ﷺ کی تعریف میں بیان کرے اور اس پر اظہار تعجب بیان کرے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر کیسے انعام و اکرام فرمائے اور کس طرح احسان کئے ہیں تو اس میں کوئی منقصت نہیں ہے بلکہ اس میں تو آپ ﷺ کی نبوت کی دلالت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صحت ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کے بعد آپ ﷺ کو صنادید عرب اور ان کے جو بڑے بڑے بزرگ اور سردار تھے سب پر بتدریج غالب فرمایا اور اس غلبہ و تسلط کو اتنا بڑھایا کہ انہیں مغلوب کر کے رکھ دیا اور ان کے خزانوں کی کنجیوں پر آپ ﷺ کا قبضہ کرایا اور ان کے سوا دیگر ممالک کو بھی عطا فرمایا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو مدد فرمائی اور آپ ﷺ کو مسلمانوں کے لئے مددگار بنایا اور ان کے دلوں میں محبت و الفت ڈالی اور ان کی مدد نشان والے فرشتوں کے ذریعہ کی اور اگر آپ ﷺ پہلے سے بادشاہ کے فرزند اور صاحب لشکر ہوتے تو بہت سے جاہل یہ گمان کرتے کہ آپ ﷺ کے غلبہ کا سبب اور آپ ﷺ کی برتری کی وجہ یہی ہے اسی بنا پر تو بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان ؓ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے پھر اس نے کہا کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں بادشاہت ہوتی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص اپنے باپ کے ملک کا خواہاں ہے۔

اور آپ ﷺ کا یتیم ہونا بھی ایک صفت ہے اور کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں یہ آپ ﷺ کی نشانی ہے۔ اسی طرح ''کتاب ارمیاہ'' میں آپ ﷺ کا تذکرہ ہے اور اسی صفت کے ساتھ ابن ذی یزن نے حضرت عبدالمطلب سے اور بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے حضور کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح جب آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ آپ ﷺ اُمی ہیں۔ جس طرح کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی مدحت میں تعریف فرمائی ہے تو اس میں آپ ﷺ کی فضیلت ثابت ہے اور یہ آپ ﷺ کے معجزہ کی بنیاد ہے۔

اس لئے کہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو کہ کل کا کل بطریق معارف و علوم

حاوی وشامل ہے۔ مع ان فضائل وشمائل کے جن کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے لئے بیان فرمایا جیسا کہ ہم قسم اول (حصہ اول) میں پہلے بیان کر چکے ہیں اور ایک ایسا شخص جو نہ پڑھا ہو نہ لکھا ہو اور نہ کسی مدرسہ میں تحصیل علم کیا ہو جس سے اس کا وجود قائم ہو تو یقیناً یہ محل تعجب مقام عبرت اور انسانی معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے اُمّـِیُ ہونے میں کوئی منقصت وتحقیر نہیں ہے اس لئے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد تو معرفت پہچان ہے اور قرأت وکتاب تو معرفت کا وسیلہ اور ذریعہ موصلہ ہے نہ کہ وہ فی نفسہ مقصود بالذات۔

لہٰذا جب (بغیر وسیلہ ذریعہ کے) نتیجہ اور پھل حاصل ہو گیا تو مقصود ومطلوب کے لئے اب واسطہ اور ذریعہ کی کیا حاجت ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کے سوا دوسرے کے لئے اُمی (بے پڑھا لکھا ہونا) نقص وعیب ہے اس لئے کہ یہ جہالت کا سبب اور بے سمجھی کی نشانی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کو جس نے دوسروں سے آپ ﷺ کو ممتاز فرما کر شرافت وعظمت عطا فرمائی۔ جو بات کہ دوسروں کے لئے عیب ونقص تھی اور جس میں دوسروں کی ہلاکت تھی اس میں آپ ﷺ کو فضیلت وحیات بخشی۔

غور کا مقام ہے کہ آپ ﷺ کے سینہ اطہر کو شق کر کے زوائد کا اخراج کرنا گویا آپ ﷺ کو مکمل حیات، پوری نفسانی قوت اور کمال درجہ ثبات قلب عطا فرمانا ثابت ہوا حالانکہ دوسروں کے لئے یہ باتیں ہلاکت کا نتیجہ بنتی ہیں اور ان کو فنا کر ڈالتی ہیں اسی اصول وضابطہ سے آپ ﷺ کے متعلق تمام اخبار وسیر جو مروی ہیں جن میں دنیاوی غذا کا کم کھانا کم پہننا کم سوار ہونا، تواضع وانکسار کا ظاہر کرنا، گھر والوں کی خدمت کرنا، زہد کو پسند کرنا، دنیا سے بے تعلق ہونا، دنیاوی امور کو سرعتِ فنا اور تبدیل احوال کے لحاظ سے خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم برابر سمجھنا سو یہ سب باتیں آپ ﷺ کے فضائل وخصائل اور شرافت میں داخل ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب جو شخص بھی ان کو اچھے محل پر بیان کرے اور اس کا مقصود ومطلوب بھی نیک ہو تو یہ اچھی بات ہو گی اور اگر کسی نے ان کو بے محل ذکر کیا اور معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد برا ہے تو وہ ان فصلوں میں شامل ہو گا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے (اور انہیں وجوہ کے مطابق اس پر حکم شرع نافذ ہو گا)۔

یہی حکم ان روایتوں کے متعلق ہے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کتب احادیث میں مروی ہیں اور بظاہر مشکل نظر آتی ہیں جن میں کسی ایسی بات کا ذکر جو انبیاء کرام علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہے یا تو وہ محتاج تاویل ہوں یا ان میں احتمالات وارد ہوں تو ان میں سے بھی صرف صحیح حدیثوں کو بیان کیا جائے اور سوائے مشہور وثابت حدیثوں کے کوئی ضعیف وغیرہ نہ روایت کی جائے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان حدیثوں کو جو وہم تشبیہ (شبہ کا موہم دالتی) ہوں اور جس کے معنی میں اشکال ہو ان کے بیان کرنے کو ناپسند و مکروہ جانتے تھے اور فرمایا لوگوں کو ایسی حدیثیں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (جس سے وہ فتنہ میں پڑیں)

کسی نے ان سے عرض کیا کہ (آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد) ابن عجلان رحمۃ اللہ علیہ تو ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

فرمایا وہ فقیہہ تھے۔ کاش کہ لوگ اس قسم کی حدیث کے ترک کرنے میں ان کی موافقت کرتے اور اس میں ان کی مساعدت و نصرت کرتے۔

کیونکہ اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن سے عمل کا تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ سلف کی ایک جماعت بلکہ تمام ہی سے منقول ہے کہ وہ حضرات ان حدیثوں کو جو عمل سے متعلق نہیں ہیں بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ باتیں ان اہل عرب سے فرمائی ہیں جو اسلوب کلام کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے محل استعمال کو جانتے تھے کہاں حقیقت ہے اور کہاں مجاز اور کہاں استعارہ و بلاغت ہے اور کہاں ایجاز و اختصار۔ درحقیقت یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز اور مشکل بات نہیں تھی۔ اس کے بعد جب ان پر عجمیوں کا غلبہ ہوا اور ان پڑھ لوگ داخل ہوئے تو ان کی یہ حالت ہوگئی کہ عرب کے مقاصد سے ہی نابلد (ناواقف) ہو گئے وہ صرف صاف و صریح کو سمجھتے اور ان اشارات کو جو بغرض ایجاز وحی پنہاں تھے اور جن میں تبلیغ و تلویح مضمر تھی انہیں نہ سمجھ سکے چنانچہ وہ ان کے محل و تاویل میں ہر سو مختلف و متفرق ہو گئے۔ لہٰذا کچھ تو وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے انکار کی راہ اختیار کی۔

اب یہی (راہ صواب) ہے کہ وہ حدیثیں جو صحت کو نہیں پہنچتی ہیں ان کو اللہ ﷻ اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق میں لازم ہے کہ نہ بیان کیا جائے اور نہ ان میں گفتگو کی جائے اور نہ کلام کے معانی میں جستجو کی جائے بہترین راہ یہی ہے کہ ان کو بالکل ترک کر دیا جائے اور ان میں انہماک کو چھوڑ دیا جائے بجز اس طریقہ کے کہ بتا دیا جائے کہ یہ ضعیف الاعتماد ہے اور اس کی سند واہی ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے اپنی کتاب 'مشکل' میں ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہوئے ضعیف اور موضوع حدیثوں پر کلام کرنے میں انکار کیا ہے فرمایا کہ یہ بے اصل ہیں یا ان اہل کتاب سے منقول ہیں جو حق و باطل میں آمیزش کرنے کے عادی ہیں۔ ان کا ترک کر دینا اور ان سے بحث نہ کرنا ہے۔

کرنا ہی کافی جانتے تھے تاکہ ان کے ضعف پر تنبیہ ہو جائے اس لئے کہ بحث وکلام کا مقصد تو یہ ہے کہ ان سے مشکلات وشبہات کا ازالہ کیا جائے اور سرے سے ہی شبہ کی جڑ کو اکھاڑ دینا اور ان کو ترک کر دینا شبہ کے دفع کرنے میں زیادہ موثر اور طمانیت قلوب کے لئے بہت نافع ہے۔

نویں فصل

خطباء وواعظین کو تنبیہات

کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ان متکلمین پر واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ پر جائز وناجائز سے بحث کرتے ہیں اور ان واعظمین پر بھی لازم ہیں جو آپ ﷺ کے حالات کو جن کو ہم نے اس سے پہلے فصلوں میں بیان کیا ہے برسبیل مذاکرۂ وتعلیم بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک تو یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کریں اور آپ ﷺ کے حالات طیبہ کو بیان کریں تو آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو لازم جانیں اور اپنی زبان کی نگہداشت کریں اسے مطلق العنان نہ کریں اور آپ ﷺ کے ذکر خیر کے وقت ادب وتواضع کا اظہار کریں۔ پس جب آپ ﷺ کے مصائب شدائد کا ذکر کریں تو ان پر رقت اور خوف وخشیت طاری ہو اور آپ ﷺ کے دشمنوں پر نفرت و حقارت کا اظہار ہو اور آپ ﷺ کے حامی وجان نثاروں سے محبت ومودت کا اظہار ہو اور یہ کہ اگر اسے اس پر قدرت ہوتی تو وہ بھی آپ ﷺ کی حمایت ونصرت کرتا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی جان فداء کرتا۔

اور جب ابواب عصمت کو بیان کریں اور آپ ﷺ کے اعمال واقوال میں کلام کریں تو حتی الامکان اچھے سے اچھے الفاظ اور مودب عبارت کو تلاش کریں اور غیر مودب الفاظ سے احتراز کریں اور ان تعبیرات کو چھوڑ دیں جس میں قباحت ہے مثلاً لفظ جہل، کذب اور معصیت وغیرہ۔

اور جب اقوال میں کلام کریں تو کہے یہ کہ کیا آپ ﷺ پر خلف فی القول اور خلاف واقع خبر دینا خواہ سہو یا غلطی سے ہی ہو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دیگر تعبیرات میں احتیاط اختیار کریں اور لفظ کذب سے بالکل ہی اجتناب کریں۔

اور علم پر گفتگو ہو تو کہیں کیا آپ ﷺ پر یہ جائز ہے کہ اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا آپ ﷺ کو سکھا دیا اور یا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی الٰہی سے پہلے بعض چیزوں کا علم نہ تھا وغیرہ اور ہرگز جہل اور قبیح الفاظ زبان پر نہ لائے کیونکہ یہ نہایت بری بات ہے۔

اور جب افعال میں کلام کریں تو کہیں کہ کیا بعض اداء امر ونواہی میں آپ ﷺ سے مخالفت کا صدور یا صفائی میں آپ ﷺ کا وقوع جائز ہے یا نہیں؟ یہی طریقۂ ادب میں سب سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے حق میں اس کے کہنے سے زیادہ مناسب ہے کہ کہیں کیا یہ جائز ہے یا گناہ کیا، یہ نافرمانی کی یا فلاں فلاں گناہ کے فعل کئے وغیرہ (یہ سب ادب وتوقیر کے خلاف ہے اس سے بچنا ضروری ہے)۔

سو یہ ایسی باتیں ہیں جو آپ ﷺ کی عزت وتوقیر میں داخل ہیں چونکہ آپ ﷺ کی امت پر آپ ﷺ کی عزت وتعظیم فرض ہے بلاشبہ بہت سے عالموں کو دیکھا ہے جو ان باتوں کی حفاظت نہیں کرتے تو انہیں برا جانا گیا اور لوگوں نے ان تعبیرات کو پسند نہیں کیا اور میں نے بعض غیر منصف مزاج لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے قول کو خطا کی جانب منسوب کیا ہے اور انہوں نے اس پر طعن وتشنیع کی ہے جس کو کہ اس کا قول قبول نہیں کرتا اور وہ ایسے قائل کی تکفیر تک کر گزرتے ہیں۔ نیز جبکہ اس قسم کی باتیں عام لوگوں میں باہمی آداب ومعاشرت اور خطاب میں رائج ہیں تو ان کا استعمال و لحاظ نبی کریم ﷺ کے لئے ضرور واجب ہے اور اس کا التزام زیادہ مؤکد ہے کیونکہ عبارت کی عمدگی اور برائی شے کو بھلا اور برا بنا دیتی ہے تحریر کی عمدگی وپاکیزگی شے کو گھٹا بڑھا دیتی ہے اسی لئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا. یقیناً بعض بیانات جادو اثر ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۱۸)

اب رہی وہ باتیں جن سے آپ ﷺ کی نفی اور تنزیہہ کی جاتی ہے تو ان کو صاف الفاظ اور صریح عبارت سے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہیں کہ آپ ﷺ پر بالکل کذب کا اطلاق جائز نہیں ہے اور کسی نوعیت سے کبائر کا ارتکاب نہیں ہو سکتا ہے اور نہ کسی حال میں حکم میں ظلم ممکن ہے۔ لیکن بایں ہمہ جبکہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت عجز وتعظیم وتوقیر اور عزت وتکریم واجب ہے تو پھر جب بوقت ذکر ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جائے تو کتنا ادب چاہئے۔

بلاشبہ سلف صالحین پر محض آپ ﷺ کے ذکر کے وقت شدید کیفیت وحالت طاری ہوتی تھی جیسا کہ ہم نے قسم ثانی میں پہلے بیان کیا اور بعض سلف کا تو اس وقت جبکہ قرآن کی ایسی آیت تلاوت کی جائے جس میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے اقوال اور اس کی آیات سے کفر اور آپ ﷺ پر کذب وافتراء نقل فرمایا ہے تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ اپنے رب ﷻ کی جلالت شان اور عظمت کبریائی سے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو جائے جنہوں نے کفر کیا ہے۔

دوسرا باب

حضور ﷺ پر سبّ و شتم، تنقیص و اہانت کرنے والے کی عقوبت و وراثت کا حکم

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں جو گالی اور اذیت ہے اور ہم نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع بھی بیان کر دیا ہے کہ اس کے فاعل اور قائل کی سزا قتل کیا جائے یا اسے سولی دی جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کو دلائل کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے۔

اس کے بعد اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مشہور مذہب اور سلف و جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اسے از روئے حد قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر اگرچہ اس سے توبہ بھی صادر ہو جائے۔ لہٰذا ان تمام کے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی اور نہ اس کی توبہ نفع دیگی اور نہ اس کا رجوع مفید ہوگا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کا حکم زندیق کا حکم رکھتا ہے اور اس کافر کی طرح ہے جو کفر اپنے دل میں چھپائے برابر ہے کہ اس کی توبہ گرفتار کرنے کے بعد اور اس کے قول پر شہادت گزر جانے کے بعد ہو یا وہ پہلے ہی دل سے توبہ کرتا ہوا آئے۔ اس لئے کہ یہ حد واجبی ہے۔ اس پر توبہ غالب نہیں آسکتی جس طرح تمام دیگر حدود ہیں۔

شیخ ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گالی کا اقرار کر لے اور اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے تو بھی گالی کی وجہ میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ قتل اس کی حد ہے اور ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے مثل فرماتے ہیں لیکن اس کے اور اللہ ﷻ کے درمیان اس کی توبہ نفع دے جائے گی۔

اور ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس موحد نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر اس نے توبہ بھی کر لی تو اس سے اس کی توبہ قتل کو دور نہیں کر سکتی اسی طرح اس زندیق کے بارے میں علماء مختلف ہیں جبکہ وہ توبہ کرتا ہوا آئے چنانچہ قاضی ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ فرماتے ہیں ہمارے بعض مشائخ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اقرار کے باوجود قتل کر دوں گا اس لئے کہ گویا وہ اس پر قادر تھا کہ اسے وہ اپنے دل میں چھپائے۔ لیکن جب اس نے اعتراف کر لیا تو ہم نے گمان کیا وہ اپنے ظاہری حال سے ڈر گیا اس لئے اس نے اظہار کی جلدی کی اور ہمارے بعض مشائخ کا دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کر لوں گا اس لئے کہ اس کی صحت پر اس کے آنے سے استدلال کرتا ہوں۔ گویا کہ ہم اس کے باطن پر واقف ہو گئے۔ بخلاف اس شخص کے جسے ثبوت اور

شہادت نے مفید کر دیا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اصبغ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا مسئلہ بہت سخت ہے گزشتہ قاعدۂ اصول کی بنا پر اس میں خلاف متصور ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ حق ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ متعلق ہے اور آپ ﷺ کی امت کا حق بھی آپ ہی کے ساتھ مربوط ہے۔ اس کو توبہ ساقط نہیں کر سکتی جس طرح کہ باقی لوگوں کے حقوق ہیں۔

اور وہ زندیق جو بعد گرفتاری توبہ کر لے سوا امام مالک' لیث' اسحٰق اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ کا اختلاف ہے اور ابن المنذر رحمتہ اللہ علیہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

محمد بن سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسلمان سے توبہ قتل کو زائل نہیں کرتی جس نے حضور ﷺ کو گالی دی ہے اس لئے کہ اس دین سے اس نے کسی دوسرے دین کی طرف انتقال نہیں کیا۔ یقیناً اس نے ایسا ہی کام کیا جس کی حد ہمارے نزدیک قتل ہے اس میں کسی کے لئے معافی نہیں ہے جیسے زندیق کیونکہ اس کا ظاہر حال کسی دوسرے ظاہر حال کی طرف منتقل نہیں ہوا۔

اور قاضی ابو محمد بن نصر رحمتہ اللہ علیہ اس کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کے لئے یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ فرق اس کے اور اس شخص کے درمیان جس نے اللہ ﷻ کو گالی دی مشہور قول کی بنا پر توبہ کا قبول کرنا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ از جنس بشر ہیں اور بشریت ایک ایسی جنس ہے جسے نقص لاحق ہوتا ہے بجز اس ذات عالیہ کے جسے اللہ ﷻ اپنی نبوت سے سرفراز فرمائے اور باری تعالیٰ ہر عیب و نقص سے کلیۃً منزہ ہے اور وہ ذات اس جنس سے ہی نہیں ہے جس کو اپنے جنس کے سبب نقص لاحق ہو اور نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اس ردت کی مثل نہیں ہے جس میں توبہ مقبول ہے کیونکہ ارتداد اس معنی میں ہے جس کے ساتھ مرتد منفرد ہے اور اس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں تو اس میں توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن جس نے نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دی تو اس میں ایک آدمی (یعنی حضور) کا حق بھی متعلق ہو گیا۔ تو وہ گویا ایسا مرتد ہو گیا جس نے اپنی ردت کے وقت کسی کو قتل کر ڈالا یا کسی کو تہمت لگائی۔ لہٰذا اس کی توبہ اسے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی۔ نیز جب مرتد کی توبہ مقبول کی لی جائے تو اس کے زنا چوری وغیرہ کے گناہ کو (توبہ) ساقط نہیں کرتی اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کے گالی دینے والے کو اس کے کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا لیکن اس معنی کو ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حرمت کی عظمت اور اس سے نقص کو دور کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے اس کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم قائل کی یہ مراد ہو کہ اس کا گالی دینا کلمۂ کفر کی بنا پر نہ تھا بلکہ تحقیر و تنقیص کے لئے تھا یا یہ کہ اس کا توبہ کرنا اور رجوع کا اظہار کرنا اس کے ظاہر کلمۂ کفر کو اٹھا دے اللہ ﷻ ہی دلوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ اب (توبہ کے بعد) گالی دینے کا گناہ اور اس کا حکم باقی رہے گا۔

ابو عمران قابلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ گالی دینا آدمیوں کے ان حقوق میں سے ہے جو مرتد ہونے سے ساقط نہیں ہوتا اور ہمارے مذکورہ مشائخ کا کلام اس پر مبنی ہے کہ اسے حد کی بنا پر قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر یہ بحث محتاج تفصیل ہے۔

اب رہی ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان میں ان کے موافقین سے منقول ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور کہا کہ علماء نے صراحت سے بیان فرمایا کہ وہ ردّت ہے چنانچہ علماء نے کہا کہ اس سے توبہ لی جائے پس اگر وہ توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اس وجہ میں وہ مطلقاً مرتد کے حکم میں ہے اور پہلی وجہ جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے وہ زیادہ مشہور و ظاہر ہے ہم اب اس میں مفصل کلام بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اس کی ردت کو نہیں خیال کرتا وہ تو واجب کرتا ہے کہ اسے حدًا قتل کر دیا جائے اور ہم اس کی دونوں حالتوں کے قائل ہیں۔ پس اگر وہ اس کا انکار کرے جس کی کہ اس پر گواہی گزری ہے یا وہ توبہ اور ندامت کا اظہار کرے تو ہم ہر صورت حداً اسے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے خلاف کلمۂ کفر ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے اس حق کی تحقیر کی جس کو اللہ ﷻ نے آپ میں اعظم قرار دیا ہے اور ہم نے اس کی میراث اور دیگر امور میں زندیق کا حکم جاری کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے خلاف یہ ظاہر ہے کہ اس نے انکار کیا یا توبہ کی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس پر تم کفر کو تو ثابت کرتے ہو اور کلمۂ کفر پر گواہی لیتے ہو لیکن قبولیت توبہ اور اس کے لوازمات میں کوئی حکم جاری نہیں کرتے؟

تو جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم اس کے لئے حکم کفر کو ثابت کر کے قتل کرنا اس کے توحید و نبوت کے اقرار کو جس کا وہ اقراری ہے اس سے جدا اور قطع نہیں کرتے خواہ اپنے خلاف گواہی کا انکار کرے یا اس بات کا مدعی ہو کہ یہ بات اس سے از راہ غلطی اور معصیت صادر ہوئی ہے اور وہ اس سے منحرف اور اس پر نادم ہے اور یہ کہ بعض اشخاص پر بعض احکام کفر کو ثابت کرنا اس امر کو مانع نہیں کہ اس

کی دیگر خصوصیات کو بھی وہ ثابت نہیں کر رہی ہیں۔ جیسے تارک نماز کا قتل کرنا۔ لیکن جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا معتقد ہے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو گالی دینا حلال ہے تو اب اس کے کفر میں اس بنا پر قطعاً شک وشبہ نہیں ہے۔

علی ہذا القیاس فی نفسہ حضور ﷺ کو گالی دینا بھی کفر ہے جس طرح آپ کی تکذیب و تکفیر وغیرہ کفر ہے۔ لہٰذا اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اگر چہ اس سے وہ غائب ہو۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہیں اور اس کے بعد توبہ بھی اس کے قول اور سابقہ کفر کی بنا پر حداً قتل کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ مختار ہے جو دلوں کے اسرار کا جاننے والا اور اس کی توبہ وندامت کی صحت کا خبردار ہے۔

یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس سے توبہ نہ ظاہر ہوئی ہو اور اپنے خلاف گواہی کا معترف ہو اور اس پر قائم بھی ہو تو وہ شخص اپنے قول اور اللہ ﷻ اور اس کے نبی کریم ﷺ کی ہتک حرمت کے حلال جاننے کی بنا پر کافر ہے تو اسے بلا خوف کافر مان کر قتل کیا جائے گا۔

پس ان تفصیلات کے ساتھ علماء کے کلام کو اخذ کرو اور ان کے اجزائے اختلاف کو وراثت وغیرہ میں اسی طریق پر جاری کرو تو انشاء اللہ ﷻ تمہیں صحیح مقصد حاصل ہو جائے گا۔

پہلی فصل

مدت وکیفیت توبہ

جب ہم نے یہ کہا کہ اس سے توبہ لی جائے کہ صحیح ثابت ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو مرتد کی توبہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور علماء سلف نے توبہ لینے کے وجوب، مدت اور کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ مرتد سے توبہ لی جائے اور ابن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ طلب توبہ میں تصویب قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اجماع ہے اور ان میں سے کسی صحابی کا انکار میں قول نہیں ہے۔ یہی قول سیدنا عثمان، سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا ابن مسعود کا رضی اللہ عنہم ہے اور یہی قول عطا بن ابی رباح، نخعی، ثوری، امام مالک اور ان کے اصحاب، اوزاعی، امام احمد، اسحاق اور مجتہدین رحمہم اللہ کا ہے اور طاؤس، عبید بن عمیر اور حسن بصری رحمہم اللہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ نہ لی جائے۔ اسے عبدالعزیز بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس قول کو معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا اور سحنون

نے معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا انکار کیا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔

اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ عنداللہ اس کی توبہ اسے نفع دے گی۔ لیکن توبہ قتل سے باز نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ''جو اپنے دین کو بدل لے اسے قتل کر دو''۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۹)

اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر وہ اسلام میں پیدا ہوا تو اس سے توبہ نہ طلب کی جائے اور نومسلم سے توبہ لی جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک مرتد مرد وعورت حکم میں برابر ہیں اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ مرتدہ عورت قتل نہ کی جائے اور اسے باندی بنالیا جائے۔ اسے عطا اور قتادہ رحمہما اللہ نے فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ردت میں عورت قتل نہ کی جائے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آزاد غلام مرد وعورت اس میں سب برابر ہیں۔

اب رہی مدت توبہ! تو مذہب جمہور اور سیدنا فاروق اعظم ﷺ کی روایت کے موجب تین دن تک توبہ نہ لی جائے ان ایام میں اسے قید میں رکھا جائے۔ اس میں سیدنا فاروق اعظم ﷺ کا اختلاف مروی ہے اور ایک قول کے بموجب یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انتظار خیر ہی لاتا ہے۔ لیکن اس پر لوگوں کی جماعت قائل نہیں ہے۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین دن تک تاخیر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرتد کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم ﷺ کے قول کو اختیار فرمایا کہ تین دن تک قید میں رکھا جائے اور ہر روز اس پر عرض اسلام کیا جائے پس اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ تین دن تک تاخیر کرنے میں دو روایتیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کیا یہ واجب ہے یا مستحب اور توبہ لئے جانے کو مستحسن قرار دیا اور تین دن تک تاخیر کرنا یہ مجتہدین کے نزدیک ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے توبہ طلب کی مگر اس نے

توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کرا دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحسن کہا۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ دو مہینے تک توبہ طلب کی جائے اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمیشہ توبہ طلب کی جائے اور اسی کو ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا کہ جب تک توبہ کی امید ہو۔

ابن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ اس سے تین دن میں تین مرتبہ توبہ طلب کی جائے یا تین جمعہ تک ہر روز یا ہر جمعہ کو ایک مرتبہ اور کتاب امام محمد رحمۃ اللہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دنوں میں اسے جھڑکا جائے کہ وہ توبہ کرلے یا نہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے لئے بھوکا پیاسا رکھنا یا درد والم پہنچانا میں نہیں جانتا اور اسے کھانا بھی وہ دیا جائے جو اسے ضرر و نقصان نہ پہنچائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے دنوں میں قتل سے ڈرایا جائے اور اس پر اسلام پیش کیا جائے۔

ابوالحسن طابثی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ اسے ان تین دنوں میں نصیحت کی جائے اور جنت یاد دلائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس قید خانہ میں اسے رکھا جائے خواہ لوگوں کے ساتھ رکھا جائے یا تنہا جبکہ اسے مضبوط باندھا گیا ہو تو برابر ہے اور اس کا مال موقوف رکھا جائے جبکہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر تلف کر دے گا۔ اسی سے اس کو کھلایا پلایا جائے۔ اسی طرح ہر بار اس سے توبہ کرائی جائے جب جب بھی وہ رجوع کرے اور مرتد ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس نبہان سے جو کہ چار یا پانچ مرتبہ مرتد ہوا تھا ہر بار توبہ کرائی۔

ابن وہب رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی رجوع کرے ہمیشہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے اسے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوتھی مرتبہ قتل کر دیا جائے اور مجتہدین فرماتے ہیں کہ اگر

توبہ کرے تو خوب مارا پیٹا جائے۔ اور قید خانہ سے اسے رہا نہ کیا جائے جب تک کہ دل سے اس پر توبہ کا اظہار نہ ہو اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے مرتد پر پہلی ہی مرتبہ میں سزا دی ہو۔ جب کہ وہ توبہ کرلے یہی مذہب امام مالک امام شافعی اور احناف رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسری فصل

نامکمل یا عدم شہادت پر حکم

یہ حکم تو اس کے لئے تھا جس پر یہ باتیں ثابت ہو چکی ہوں خواہ ثبوت اقراری ہو یا ایسی شہادت کے ذریعہ ہو جس میں شبہ نہ رہا ہو۔ اب رہی یہ صورت کہ اس پر شہادت مکمل نہ گزری ہو کہ مثلاً ایک شخص کی شہادت ہو یا غیر معتبر لوگوں کی شہادت ہو یا یہ کہ اس کے قول سے ثابت تو ہوتا ہو لیکن اس میں احتمال ہو اور صریح نہ ہو علی ہذا القیاس اگر اس نے توبہ کر لی اور اس قول کے موافق اس کی توبہ قبول کر لی گئی تو اب اس سے قتل موقوف ہو جائے گا اور اب امام کی رائے (حکم) اس پر نافذ ہو گی جیسی بھی اس کی مشہور حالت اور قوی وضعیف شہادت اور کثرت وقوع سماعت اور دین میں اس کی متہم صورت حال ہو گی۔ آیا وہ بیوقوف ونادان ہے یا نقال ومسخرہ۔

چنانچہ جس کا معاملہ قوی وزبردست ہو گا اسے سخت سزا دی جائے گی قید خانے میں زنجیروں سے جکڑا جائے گا اور خوب سنگین سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اس کی طاقت جواب دے جائے بجز اس کے کہ وہ ضرورت کے لئے کھڑا ہو سکے اور یہ کہ نماز میں قیام سے نہ روک دے۔

یہی حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جس پر وجوب قتل تو ہو لیکن کسی اور احتمال سے اجراء قتل موقوف ہو گیا ہو یعنی اجرائے قتل میں تاخیر ضروری بتائی ہو اور اس کے معاملہ میں اشکال مانع ہو جائے۔ ایسے کی سزا میں سختی کی حالت اس کے احوال میں اختلاف کے بنا پر ہوتی ہے۔

ولید رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے روایت کیا بلاشبہ یہ روایت ہے چنانچہ جب وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے۔

کتاب عتبیہ اور موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں بروایت اشہب رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ جب مرتد توبہ کرلے تو اس پر سزا نہیں ہے اسے سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اور ابو عبداللہ بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے حضور ﷺ کو گالی دی تھی اور اس کے خلاف ایسے دو گواہوں نے گواہی دی تھی جن میں سے صرف ایک گواہ عادل تھا

(تب اس کے بارے فتویٰ دیا) کہ اسے دردناک، رنجیدہ سزا دی جائے طویل قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا ظہور ہو اور قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل فرماتے ہوئے کہا کہ جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی ایسا امر مانع حائل ہو جائے جو قتل میں اشکال پیدا کر دے تو اسے قید سے چھوڑنا نہ چاہئے بلکہ عرصہ دراز تک قید میں رکھنا چاہئے۔ اگرچہ اس کی مدت قید کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور یہ کہ دوران قید طوق و زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر قابل برداشت حد تک مشقت کرائی جائے اور ایک اور مقام پر اس قسم کے مسئلہ میں فرمایا کہ جن کے ساتھ قضیہ مشتبہ ہو جائے تو اسے زنجیروں سے جکڑا جائے اور قید خانے میں تنگی کی جائے یہاں تک اسے قضیہ واضح ہو جائے کہ وہ کس سزا کا مستوجب ہے۔

اسی طرح اور ایک معاملہ میں فرمایا کہ جب تک صاف صاف قضیہ واضح نہ ہو جائے ہرگز خون نہ بہایا جائے کوڑوں اور قید وغیرہ کی تعزیر احمق اور بیوقوفوں کی سزا ہے۔ ایسوں کو خوب سخت سزا دی جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اس کے خلاف جن دو گواہوں نے شہادت دی ہے اس سے ان کی عداوت ثابت ہو جائے یا ایسی جرح کی جائے جس سے شہادت ساقط ہو جائے اور ان گواہوں کے سوا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا قضیہ خفیف ہے اور اس سے حکم قتل و نکال ساقط ہے گویا وہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس پر کوئی گواہ ہے ہی نہیں۔ البتہ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے ایسی باتیں صادر ہوتی رہتی ہیں اور فی الحال جو گواہ گزرے ہیں وہ عداوت یا جرح کی بنا پر ساقط ہو گئے ہیں مگر وہ گواہ ہوں اہل شہادت تو اس صورت میں ان شہادتوں کی بنا پر حکم قتل تو نافذ نہ ہوگا مگر گواہوں کی صداقت کا گمان بھی نہیں جائے گا۔ لہٰذا قاضی اور حاکم کے لئے ایسے کی سزا اور تعزیر میں اجتہاد کا مقام باقی رہے گا۔ اللہ ﷻ ہی نیکی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

تیسری فصل

ذمی سے گالی کے صدور کا حکم

گزشتہ فصلوں میں حکم تو مسلمانوں کے لئے تھا اب رہے ذمی (غیر مسلم) تو جب وہ صراحت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیں یا تعریض کریں یا مرتبہ عالی کا استخفاف کریں یا اس خاص وجہ کے علاوہ جس کی بنا پر وہ کافر ہے کسی اور صفت کے ساتھ توصیف کریں تو اس صورت میں بھی اس کے قتل میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلام نہ لایا ہو اس لئے کہ ہم نے اس خصوص میں اس کا عہد و ذمہ نہیں لیا ہے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ اور ان کے

شاگردوں کے سوا عام علماء کا یہی قول ہے۔ علماء احناف فرماتے ہیں کہ ایسے ذمیوں کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ جس کفر وشرک پر قائم ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن تادیب وتعزیر ضرور کی جائے۔

بعض ہمارے مالکی مشائخ رحمہم اللہ نے اس کے قتل پر اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (پ۱۰ التوبۃ ۱۲) اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

نیز اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن اشرف کو اور اس کے مثل دیگر (بدگوئیوں) کو قتل فرمایا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس امر پر نہ تو اُن سے معاہدہ کیا ہے اور نہ اس امر کے ساتھ ان کو ذمہ دیا ہے اور یہ بات ہمارے لئے جائز بھی نہیں کہ ہم ان سے ایسا معاہدہ کریں۔ لہٰذا جب وہ اس کے مرتکب ہوئے جس پر ہمارا ان سے نہ تو معاہدہ ہے نہ ذمہ۔ تو اب وہ بمنزلہ معاہدہ شکن اور کفار حربی بن گئے۔ چنانچہ اب ان کو ان کے کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو ذمہ دینا ان سے حدود اسلامی کو ساقط نہیں کرتا کہ وہ کسی کا مال چرالیں یا وہ کسی کو مار ڈالیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہوگا اور قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔ اگرچہ یہ باتیں ان کے دین میں جائز وحلال ہی کیوں نہ ہوں۔ تو یہی حال نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ہے۔ لہٰذا وہ ضرور اس بنا پر قتل کئے جائیں گے۔

اور ہمارے مالکی اصحاب رحمہم اللہ میں بعض ایسی ظاہر روایتیں منقول ہیں جو مقتضی کے خلاف ہیں۔ جبکہ ذمی نے حضور ﷺ کا ذکر اس وجہ پر کیا ہو جس کے ساتھ وہ پہلے سے ہی کافر تھا جیسا کہ ابن قاسم اور ابن سحنون رحمہما اللہ کے کلام سے بعد میں واقفیت ہوگی اور ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء مدینہ سے اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

مالکی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی (ذمی) حضور ﷺ کو گالی دے پھر وہ اسلام لے آئے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس کا اسلام قتل کو ساقط کر دے گا۔ کیونکہ اسلام اس کے ماقبل کے گناہ کو ناپید کر دیتا ہے۔ بخلاف مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کہ جب وہ گالی دے پھر توبہ کرے وجہ یہ ہے کہ کافر کی باطنی حالت کو ہم جانتے ہیں کہ وہ دل میں حضور سے بغض رکھتا ہے اور اس کے قلب میں تنقیص پنہاں ہے۔ لیکن ہم نے اس کو اس کے اظہار سے روک رکھا ہے اور جو وہ اظہار کر رہا ہے وہ صرف مخالفتِ امر

اور نقضِ عہد ہی ہے۔ جب وہ اپنے پہلے دین سے پھر کر اسلام میں داخل ہو گیا تو ماقبل کا گناہ اس سے ساقط ہو گیا۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ (پ۹ الانفال ۳۸)

تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور مسلمان کا حال اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس کے حق میں ہمارا گمان یہ تھا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر حال کے حکم میں ہے اور اب جو اس سے اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو ہم اس کے رجوع کے باوجود بھی قبول نہیں کریں گے۔ اور نہ اس کے باطن پر اطمینان کریں گے۔ کیونکہ اس کے دل کا چور ظاہر ہو گیا اور جو احکام اس پر ثابت تھے وہ اس پر باقی رہیں گے اور کسی صورت میں وہ اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ گالی دینے والے ذمّی کا اسلام لانا بھی حکم قتل کو ساقط نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ حق تو نبی کریم ﷺ کا ہے جو آپ کی حرمت کی توہین و تنقیص اور تاذی کی بنا پر واجب ہوا ہے۔ تو اب اسلام کی طرف ذمّی کا رجوع کرنا اسے ساقط نہیں کر سکتا جس طرح مسلمانوں کے وہ حقوق جو اس کے اسلام لانے سے اس پر واجب ہیں مثلاً قتل، تہمت وغیرہ (کہ یہ بعد اسلام بھی واجب رہتے ہیں) اور یہ کہ جبکہ ہم اس بارے میں مسلمان کی بھی توبہ قبول نہیں کرتے تو کافر کی توبدرجہ اولی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ابن حبیب اور مبسوط میں اور ابن قاسم، ابن ماجشون، ابن عبدالحکیم اور اصبغ رحمہم اللہ نے ذمیوں کے بارے فرمایا جو ہمارے نبی کریم ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں اسی طرح انبیاء میں ابن قاسم رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ یہی مذہب محمد (بن المواز) اور سحنون رحمہما اللہ کا ہے۔ چنانچہ سحنون اور اصبغ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ایسے ذمی سے نہ تو یہ کہا جائے کہ تو اسلام لے آ اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ اسلام نہ لا لیکن اگر (از خود وہ) اسلام لے آئے تو یہ اس کی توبہ ہوگی۔

کتاب محمد رحمۃ اللہ علیہ (بن المواز) میں ہے کہ ہمیں اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو کوئی بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر رسول اللہ ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ مگر ہمارے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اتنا اور زیادہ ہے کہ "بشرطیکہ وہ کافر مسلمان نہ ہو جائے"۔ (یعنی اسلام لانے پر قتل نہ کیا جائے گا) ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک راہب نے نبی کریم ﷺ کی شان میں

کچھ بیہودہ کہا اس پر سیدنا ابن عمر ﷺ نے فرمایا: تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔

اور عیسی رحمتہ اللہ علیہ نے ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جس نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہماری طرف رسول نہیں بھیجے گئے بلکہ وہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اسی قسم کی اور بھی باتیں کہی تھیں تو ایسا کہنے میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں اس لئے کہ اللہ ﷻ نے ان کو ایسا اعتقاد رکھنے میں برقرار رکھا ہے البتہ اگر اس نے آپ ﷺ کو گالی دی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) نہ تو نبی ہیں اور نہ رسول اور نہ آپ ﷺ پر قرآن ہی نازل ہوا ہے بلکہ وہ آپ ﷺ کا اپنا اختراع ہے یا اس قسم کی اور کوئی بات کرے تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کوئی نصرانی یہ کہے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے کہ تمہارا دین تو گدھے کا دین ہے یا اس قسم کی اور کوئی بکواس کرے یا یہ کہ جب موذن کو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا سنے اور اس پر کہے کہ ایسا ہی تم کو بھی اللہ ﷻ رسول بنائے (معاذ اللہ بنظر حقارت کہے) تو ایسے کو خوب دردناک سزا دینی چاہئے طویل قید میں رکھنا چاہئے۔

اور اگر کوئی غیر مسلم شخص نبی کریم ﷺ کو ایسی گالی دے جو معروف ومشہور اور جانی پہچانی ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے اسے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ اس سے توبہ لی جائے یا اس کی توبہ قبول کی جائے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے نزدیک امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول اِلَّا اَنْ یُّسْلِمَ (مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے) اس پر محمول ہے کہ وہ برضا ورغبت از خود اسلام قبول کرے۔

سلیمان بن سالم رحمتہ اللہ علیہ کے ایک یہودی کے بارے میں سوالات کے جواب میں ابن سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو ذمی موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے سن کر کہے کہ ''تو نے جھوٹ بولا'' تو اسے خوب سخت سزا دی جائے جس سے اسے درد والم ہو اور اسے طویل قید میں رکھا جائے۔

اور کتاب نوادر میں بروایت سحنون رحمتہ اللہ علیہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو کوئی یہودی یا نصرانی کسی نبی کو اس وجہ کے برخلاف جس پر وہ کفر میں قائم ہے گالی دے تو اس کی گردن مار دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے۔

محمد بن سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے پر ایسے شخص کو کیوں قتل کیا جس کے دین میں گالی دینا یا آپ ﷺ کی تکذیب کرنا اس کے دین کا

جزو تھا اور ایسی باتیں اس کے دین میں شامل تھیں تو جواب میں کہا جائے گا ہم نے اسے اس لئے قتل کیا کہ ہمارا اس پر کوئی عہد و ذمہ نہیں تھا اور نہ اس کی اجازت تھی کہ چاہیئے تو وہ ہم کو قتل کر دے یا ہمارا مال چھین لے۔ لہٰذا جب وہ ہم میں سے کسی کو قتل کرے گا تو ضرور اسے قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات اس کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے لئے ہمارے سامنے گالی ظاہر کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی موجب قتل ہے۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس طرح کسی قول میں ہمارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اہل عرب ہم سے اس شرط پر جزیہ دینا قبول کریں کہ وہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ کو گالی دینے میں برقرار رکھے جائیں (اور ہم اسے منظور کرلیں یہ جائز ہی نہیں) اسی طرح ذمیوں میں سے اس شخص کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا جو کوئی بھی آپ ﷺ کو گالی دے اور ہمارے لئے وہ حلالُ الدَّمْ بن جائے گا۔ لہٰذا جس طرح اسلام اس مسلمان کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے اسی طرح "ذمہ" بھی اس ذمی کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے جو اقوال اپنی طرف سے اور اپنے والد کی جانب سے بیان کئے ہیں وہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے برخلاف ہیں جس میں انہوں نے سزا میں تخفیف کا ذکر کیا ہے جبکہ وہ ان باتوں میں سے ہو جن کے سبب وہ پہلے ہی سے کافر تھا۔ لہٰذا ہمیں غور و خوص کرنا چاہیئے کیونکہ یہ ان کے برخلاف ہے جو اس بارے میں اہل مدینہ سے مروی ہے۔

ابومصعب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسا نصرانی لایا گیا جس نے کہا کہ "اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسٰی (علیہ السلام) کو (سیدنا) محمد (ﷺ) پر پسند فرمایا ہے۔" پھر میرے سامنے اس کے بارے میں اختلاف رونما ہوا مگر میں نے اس کو اتنا مارا کہ وہ قتل ہو گیا یعنی ایک شبانہ روز (دن رات) زندہ رہ کر مر گیا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ اسے پاؤں سے گھسیٹ کو کوڑے پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ کتوں نے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالی۔

ابومصعب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا تھا کہ (معاذ اللہ) عیسٰی (علیہ السلام) نے محمد (ﷺ) کو پیدا کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مصری نصرانی کے بارے میں دریافت کیا کہ اس پر یہ گواہی گزری ہے کہ اس نے کہا ہے کہ "وہ مسکین محمد (ﷺ) تم کو خبر دیتا

ہے کہ وہ جنت میں ہے اس کا کیا حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی فائدہ نہ پہنچا سکا اس لئے کہ کتے اس کی پنڈلیوں کو کھاتے تھے اگر وہ اس کو قتل کر ڈالتے تو لوگ اس سے راحت پاتے۔" (لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى قَائِلِهَا. نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ، نَسْتَغْفِرُهُ مِنْ ذَالِكَ) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

ابن کنانہ رحمۃ اللہ علیہ "مبسوط" میں کہتے ہیں کہ جو یہودی یا نصرانی نبی کریم ﷺ کو گالی دے تو میں حاکم کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ یا تو اسے قتل کر کے اس کے جسم کو آگ میں پھینک دے یا اگر وہ چاہے تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے جبکہ وہ گالی میں مبالغہ اور ضد کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مصر سے ایک مکتوب آیا جس میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے لکھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی گردن اڑا دی جائے۔ یہ کہہ کر میں نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) کہ آپ یہ بھی لکھوائیں کہ پھر اسے آگ میں جلایا جائے۔

اس پر آپ نے فرمایا: یقیناً وہ اسی کا مستحق ہے اور وہ اسی کا سزاوار ہے۔ تو میں نے اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے آپ کے روبرو لکھا اور آپ نے نہ اس کا انکار کیا اور نہ برا جانا اور وہی فتویٰ بھیج دیا گیا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا اور جلایا گیا۔

ہمارے اندلس کی جماعت اصحاب سلف میں سے عبیداللہ بن یحییٰ اور ابن لبابہ رحمہما اللہ نے ایک ایسی نصرانی عورت کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے چیخ کر خدا کی ربوبیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہونے سے انکار اور حضور ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی تھی اور یہ فتویٰ دیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس سے قتل معاف ہو جائے گا اور علماء متاخرین میں سے بکثرت علماء کا یہی قول ہے جن میں سے قابسی اور ابن کاتب رحمہما اللہ بھی ہیں۔

ابوالقاسم بن جلاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابومحمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ وہ ذمی جس نے گالی دی پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرنے سے حکم قتل معاف ہو جائے گا (اور دوسری روایت یہ ہے جسے)

ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حد قذف وغیرہ حقوق العباد میں سے ہے ذمی کا اسلام حد کو ساقط نہیں کرتا۔ اسلام سے صرف حقوق اللہ ﷻ ساقط ہوتے ہیں اور حد قذف چونکہ بندوں کا حق ہے خواہ وہ حق نبی کا ہو یا غیر نبی کا۔ لہٰذا یہ ذمی پر واجب ہی رہتے ہیں۔ جب وہ نبی کریم ﷺ پر تہمت لگائے اس کے بعد وہ اسلام لے آئے تو حد قذف باقی رہتی ہے۔

اب یہ غور طلب امر ہے کہ اب اس پر کیا چیز واجب ہے۔ آیا نبی کریم ﷺ کے حق میں اس پر حد قذف واجب ہے اور وہ حد یہاں پر قتل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حرمت دوسروں سے کہیں برتر ہے یا یہ کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قتل تو ساقط ہے لیکن اس کو اَسّی 80 درے لگائے جائیں۔ لہٰذا اس پر غور کرنا چاہئے۔

(نوٹ) مذہب حنفی کی بنا پر ذمی کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس قسم کے مسائل میں حد قذف اور قتل دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

چوتھی فصل

گستاخ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم

جو شخص نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی بنا پر قتل کر دیا جائے اس کی میراث اور اس کے غسل و نماز کے بارے میں علماء کے اقوال یہ ہیں کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے جرم میں قتل کر دیا جائے اس کی میراث میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ جماعت مسلمین کا حق ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے جو زندیق کے کفر کے مشابہ ہے اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی میراث اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گی۔ اگر وہ اس کو چھپاتا تھا۔ لیکن اگر وہ اس کو اعلانیہ ظاہر کرتا تھا تو اب اس کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی (یعنی بیت المال میں داخل کی جائے گی) اور ہر حال میں اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر وہ اس حال میں قتل کیا جائے کہ اپنے خلاف شہادت کا انکاری تھا تو اس کی میراث میں وہی حکم ہوگا جو اس کے اقرار سے ظاہر ہے۔ یعنی اس کی میراث کے مستحق اس کے ورثاء ہی ہوں گے اور حکم قتل تو وہ اس امر کی حد ہے جو اس پر ثابت ہوا ہے اس کو میراث سے کوئی علاقہ (تعلق) نہیں۔

علی ہذا القیاس: اگر وہ گالی دینے کا اقرار کرے اور توبہ کو ظاہر کرے تو قتل ضرور کیا جائے گا

چونکہ اس کی حد وہی ہے لیکن اس کی میراث اور اس کے سوا دیگر تمام احکام میں اسلام کا حکم ہوگا۔

اور اگر گالی کا اقرار کرے اور اس پر اصرار بھی کرے اور توبہ سے انکار کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے تو وہ کافر ہوگا اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہے نہ تو اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ کفن دیا جائے گا بلکہ یوں ہی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں دبا دیا جائے گا۔ جس طرح کفار کو دبایا جاتا ہے۔

اور شیخ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس شخص کے بارے میں تو ظاہر ہے جو اعلانیہ آپ ﷺ کو گالی بکتا ہو اور اس پر اسے اصرار بھی ہو اس میں اصل اختلاف کا امکان بھی نہیں کیونکہ وہ کافر و مرتد ہے جس نے نہ تو توبہ کی اور نہ اس سے باز رہا۔ یہ قول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سحنون رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں اس زندیق کے بارے میں ہے کہ جو اپنے قول پر اصرار کرتا ہو اور اسی طرح عتبیہ رحمۃ اللہ علیہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت کا قول اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے کفر کا اعلان کرے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا حکم مرتد کا سا ہے کہ نہ تو اس سے اس کے مسلمان ورثاء ہی مستحق ہوتے ہیں اور نہ وہ لوگ وارث بنتے ہیں جن کے دین میں وہ داخل ہوا تھا۔ نہ اس کی وصیتیں نافذ ہیں اور نہ غلاموں کو آزاد کرنا جائز اور یہی اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ اسے اس حالت پر قتل کیا جائے یا اپنی موت پر مر جائے اور ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف علماء صرف اس زندیق کی میراث میں ہے جو توبہ کو ظاہر کرے پھر اس کی قبول نہ کی جائے لیکن جو مرتد سرکش ہوا اس میں قطعاً اختلاف نہیں ہے کہ ورثاء اس کے مال کے وارث ہوں گے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اللہ ﷻ کو گالی نکالی پھر وہ مر جائے اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ "کتاب ابن حبیب" میں اس شخص کے بارے میں قتل کہا جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی ہے یا ایسے دین کا اعلان کرے جس سے دین اسلام چھوٹ جائے تو بلاشبہ اس کی میراث جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق، ربیعہ، امام شافعی، ابو ثور اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ نے کہا کہ مرتد کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں اختلاف مروی ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، ابن مسعود، ابن مسیب، حسن، شعبی، عبدالعزیز، حکم اور اوزاعی،

لیث، اسحاق اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان ورثاء اس کی میراث پائیں گے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس مال کا ہے جو مرتد نے ردّت سے قبل کمایا ہے لیکن وہ مال جو اس نے ردت کے بعد کمایا تو وہ جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گا۔مگر ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل اپنے باقی جواب میں عمدہ اور ظاہر ہے۔

قرطبہ کے فقہاء عبدالملک فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہارون بن حبیب کے مسئلہ میں مختلف ہو گئے کیونکہ وہ تنگدل اور بدخلق تھا اس پر اس کے برخلاف متعدد شہادتیں گزریں۔ان میں سے ایک یہ ہے اس نے مرض سے صحت پانے کے بعد کہا کہ میں اپنے مرض سے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اگر میں (سیدنا) ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیتا تو میں اس تمام بیماری کا مستحق نہ ہوتا۔اس پر ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قتل کا فتوی دیا۔چونکہ اس کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اس نے اللہ ﷻ پر ظلم و جور کی نسبت کی ہے اس خصوص میں اشارہ بھی تصریح کا حکم رکھتا ہے اور اس کے بھائی عبدالملک بن حبیب اور ابراہیم بن حسین بن عاصم اور سعید بن سلیمان قاضی رحمہم اللہ نے قتل سے باز رکھنے کا فتوی دیا۔مگر قاضی نے یہ مناسب جانا کہ اسے قید سخت میں رکھا جائے اور شدید سزا دی جائے کیونکہ اس کا کلام متحمل اور شکوہ کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔

اب رہی اس کی وجہ "جس نے اللہ ﷻ کو گالی دی اور اس سے توبہ لینے کا حکم دیا" تو یہ صرف اس کے کفر و ردت کی وجہ سے ہے چونکہ اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کا حق متعلق نہیں ہے تو یہ اس کفر سے مشابہ ہے جو بغیر گالی کے ہو گویا کہ یہ اظہار ہے کہ اب وہ اسلام کے مخالف کسی دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

(اب رہا وہ قول جس میں اس کے) توبہ نہ لینے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اظہار اسلام کے بعد اس کے منہ سے گالی نکلی تو ہم نے اس کو متہم جانا اور گمان کیا کہ اس کی زبان پر گالی جب ہی آئی کہ وہ دل سے اس کا معتقد تھا۔کیونکہ ایسی باتوں میں کوئی تسامح نہیں کرتا لہٰذا اس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور جب وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے گالی ظاہر ہوئی تو وہ ارتداد کے معنی میں ہوگا۔گویا اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا ہے۔بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ اسلام کا پابند ہے۔ایسے شخص کا حکم مرتد کے حکم میں ہے جس سے بمذہب اکثر علماء توبہ لی جائے گی یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا ہے۔جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اس کے خلاف کو فصلوں میں بیان کیا ہے۔

تیسرا باب

اس شخص کے حکم کے بارے جو اللہ ﷻ، اس کے رسولوں، فرشتوں اور کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی آل وکو برا کہتا ہے۔ اس کی نو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

شانِ الٰہی کے خلاف کلمات بولنے کا حکم

اب رہا ایسے شخص کا حکم جو اللہ ﷻ کی نسبت ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے لائق نہیں ہیں جو نہ تو بر سبیل سب وشتم ہو اور نہ بطریق ردّت اور ارادۂ کفر ہو بلکہ بر وجہ تاویل و اجتہاد اور خطا کے ہو اور وہ مقتضی خواہشات نفسانی اور بدعت ہو مثلاً تشبیہ دینا یا کسی عضو سے موصوف کرنا یا کسی صفت کی نفی کرنا وغیرہ۔

تو یہ امر ہے کہ جس کے قائل و معتقد کی تکفیر میں علماء سلف وخلف کا اختلاف ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا بھی اس میں اختلاف مروی ہے اور جب ایسے لوگ جماعت بندی کر کے قوت پکڑ لیں تو ان سے قتال و جہاد کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سے توبہ طلب کی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فیہا ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

البتہ علماء کا اختلاف منفرد (تنہا) شخص میں ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا قول اس کی تکفیر سے باز رہنے اور اس کو قتل سے چھوڑنے میں ہے۔ البتہ اس کی سزا میں مبالغہ اور قید میں درازی اس عرصہ تک ہوگی کہ وہ اپنے عقیدے سے رجوع ظاہر کرے اور اپنی توبہ کا اعلان کرے۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن شریک تمیمی کے ساتھ کیا تھا اور یہ محمد بن المواز رحمۃ اللہ علیہ کا "خوارج" میں اور عبدالملک بن الماجشون رحمہما اللہ کا قول ہے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام اہل ہواء (بدعتیوں) کے لیے ہے اور اس کے ساتھ موطا میں امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تفسیر کی گئی ہے۔ جس کو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جد و عم سے قدریہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فیہا ورنہ وہ قتل کیے جائیں اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے اہل ہواء کے بارے میں یعنی اباضیہ وقدریہ اور ان کی مثل دیگر اہل بدعت جو اہل سنت و جماعت کے مخالف اور کتاب الٰہی میں تحریف و تاویل کے خوگر ہیں فرمایا کہ

ان سے توبہ طلب کی جائے خواہ وہ اپنے اعتقاد کو ظاہر کریں یا چھپائیں اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ قتل کئے جائیں اور ان کی میراث ان کے وارثوں کے لئے ہے نیز اسی طرح ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب محمد'' میں فرقۂ قدریہ وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اور ان سے توبہ طلب کرنا یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ جس پر تمہارا اعتقاد ہے اس سے باز آجاؤ۔ اسی طرح مبسوط میں اباضیہ، قدریہ اور تمام اہل بدعت کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور اپنی بری رائے کی وجہ سے قتل ہوئے ہیں اور یہی عمل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا۔ اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کو کافر کہتے ہیں اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس شخص کے بارے میں اسی طرح مروی ہے جس نے کہا تھا کہ ''اللہ ﷻ کا کلام نہیں ہے''۔ (فرمایا کہ) وہ کافر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایتیں مذکور ہیں اور ابو مسہر اور مروان بن محمد طاطری وغیرہ شامیوں کی روایتوں میں تو ان کو مطلقاً کافر کہا ہے اور ان سے جب ایک قدری شخص کو لڑکی دینے کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو فرمایا ان سے بیاہ نہ کرو کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ. بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔

(پ ۲ البقرہ ۲۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ اہل ہوا تمام کے تمام کافر ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے ذات باری ﷻ کے لئے کوئی حصہ جسم مانا مثلاً ہاتھ، کان اور آنکھ وغیرہ تو قائل کا وہی عضو اور حصہ جسم قطع کیا جائے۔ کیونکہ اس نے اللہ ﷻ کو اپنی جان (جسم وغیرہ) سے تشبیہ دی۔

اور آپ نے اس شخص کے لئے جس نے قرآن کو مخلوق کہا تھا کفر کا فتویٰ دیا اور حکم دیا کہ قتل کر دیا جائے اور ابن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں اور دردناک مار لگائی جائے اور قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے اور بشر بن بکر تنیسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابوعبداللہ بـرنـگـانـیؒ اور قاضی ابوعبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف جواب ہیں ان میں سے جو شخص جاننے والا (عالم) ہے اور لوگوں میں تبلیغ و دعوت دیتا ہے اسے تو قتل کر دیا جائے علیٰ ہذا الخلاف اعادۂ صلوۃ میں جو ایسوں کے پیچھے پڑھی گئی

اس میں بھی مختلف اقوال ہیں ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ قدریوں سے توبہ طلب نہ کی جائے اور اکثر سلف کے اقوال ان کی تکفیر میں ہیں اور ان ائمہ میں سے جنہوں نے تکفیر کی ہے لیث اور ابن عیینہ اور ابن لھیعۃ رحمہم اللہ ہیں اور ان سے یہ حکم اس شخص کے لئے مروی ہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا ہے اور اسی کے ابن المبارک، اودی، وکیع، حفص بن غیاث، ابواسحاق فزاری، ہشیم اور علی بن عاصم رحمہم اللہ وغیرہ قائل ہوئے ہیں اور یہی قول اکثر محدثین، فقہا اور متکلمین کا قائلین خلق قرآن اور خوارج وقدریہ گمراہ اہل ہوا اور تاویل کرنے والے بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے علی ہذا القیاس ان حضرات نے یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں دیا ہے جو ان اصولوں سے توقف اور شک کرے۔

اور وہ حضرات جن سے دوسرے قول کا مفہوم مروی ہے یعنی ان کی تکفیر نہ کی جائے سیدنا علی ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی عمر اور حسن بصری رحمہم اللہ ہیں اور یہی رائے فقہاء واہل نظر اور متکلمین کی ایک جماعت کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اہل جرداً (خوارج وغیرہ) اور قدریوں کے مردوں کا ورثہ ان کے وارثوں کو دلایا تھا۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر کے ان پر اسلام کے احکام جاری کئے تھے۔

قاضی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ قدریوں اور تمام اہل بدعت سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ قتل کردئے جائیں۔ اس لئے کہا کہ وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ جیسا کہ باغیوں کا حکم ہے کہ حاکم وامام اگر مناسب خیال کرے تو ان کو قتل کر سکتا ہے اگر چہ انہوں نے کسی کو قتل نہ کیا ہو۔ حالانکہ باغیوں کا فساد تو صرف اموال اور دنیاوی مطاع وامور میں ہے اگر چہ کبھی دینی امور میں بھی ہوتا ہے مثلاً حج اور جہاد کے راستوں میں لیکن اہل بدعت کا فساد تو دین کے اہم امور میں ہوتا ہے اگر چہ کبھی دنیاوی اور و معاملات میں بھی ہو۔ مثلاً وہ مسلمانوں کے درمیان عداوت وغیرہ پھیلائیں۔ لہٰذا دین کے فساد کو مٹانا دنیا کے فساد کو رفع کرنے سے کہیں زیادہ افضل واعلیٰ ہے۔

دوسری فصل

متاولین کی تکفیر میں تحقیقی قول

ہم ان علماء سلف کے اقوال و مذاہب بیان کر چکے ہیں جنہوں نے ان اصحاب بدعت وہوا

اور متاولین کو کافر کہا۔ جن کی باتیں ان کو قریب بکفر لے جاتی ہیں۔ اگر اس کے قائل کو علم ہو جائے تو وہ ایسی باتیں نہ کہے جو ان کو کفر تک لے جائے۔ ان کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء و متکلمین اس بارے میں مختلف ہیں چنانچہ کچھ علماء نے تو ان کی تکفیر کو درست وصواب کہا ہے جس کے جمہور سلف قائل ہیں۔

اور کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے تکفیر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے ان کو ملت اسلامیہ سے نکالنا مناسب نہ جانا۔ یہ قول اکثر فقہاء و متکلمین کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فاسق مرتکب کبائر گمراہ تو ہیں لیکن ہم ان کو مسلمانوں کا ورثہ دلاتے ہیں۔ اور ان پر اسلامی احکام جاری رکھتے ہیں۔ بایں وجہ سحون رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں ان کو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہی قول امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے تمام شاگردوں کا ہے۔ جن میں مغیرہ وابن کنانہ اور اشہب رحمہم اللہ بھی ہیں۔ سحون رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتکب کبائر فاسق مسلمان ہیں محض ارتکاب گناہ انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا اور دیگر علماء اس بارے میں متردد و مضطرب ہیں اور وہ ان کی تکفیر و اسلام میں توقف کرتے ہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول مختلف ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اعادہ صلوۃ میں توقف فرماتے ہیں۔

علی ہذا القیاس امام اہل التحقیق والحق قاضی ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے فرماتے ہیں یہ مسئلہ مشکل ہے کیونکہ علماء ملت نے کلمۂ کفر کی تصریح نہیں کی۔ یہ تو کہہ دیا کہ ایسا کلمہ مُفضِی اِلَی الکُفر ہے اور خود ان کا قول امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی طرف متردد و مضطرب ہے یہاں تک انہوں نے فرمایا کہ یہ صرف علماء کی رائے ہے کہ متاولین کو انہوں نے کافر کہا اور یہ کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا حلال اور نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھائی جائے۔ اسی طرح ان کے ورثہ میں بھی اختلاف ہے جس طرح مرتد کی میراث میں ہے۔

قاضی ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم ان کی میراث ان کے مسلمان ورثاء کو دلاتے ہیں اور ان کو ہم مسلمانوں کا وارث نہیں بناتے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ کا میلان ان کے انجام کے لحاظ سے ترک تکفیر کی طرف تھا۔

اسی طرح اس بارے میں ان کے شیخ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ کا قول بھی مضطرب ہے اور ان کا اکثر قول ترک تکفیر ہی کا ہے اور یہ کہ ان کا کفر تو ایک ہی خصلت ہے وہ وجود باری ﷻ کے ساتھ جہالت ولاعلمی ہے۔ حضرت اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ ﷻ

کا جسم ہے یا مسیح (خدا) ہے یا جو اسے راہ میں ملے اس کو وہ کہہ دے کہ خدا ہے۔ تو وہ عارف ربانی نہیں بلکہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان جوابات میں جو ابو محمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو دیئے تھے جبکہ انہوں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تھا تو انہوں نے عذر فرمایا کہ اس میں یعنی تکفیر و عدم تکفیر میں سخت غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ملت اسلامیہ میں کافر کو داخل کرنا اور اس سے کسی مسلمان کو نکالنا دین میں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ان دونوں کے سوا علماء محققین متاولین کی تکفیر میں احتراز و اجتناب کو واجب گردانتے ہیں۔ کیونکہ موحد نمازی کے خون کو مباح الدم قرار دینا خطرناک غلطی ہے اور ہزار کافر کے ترک میں خطا کر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک مسلمان کے خون کو بہایا جائے۔

یقیناً سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب وہ یہ کہہ دیں یعنی کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار کر لیں تو انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔ بجز ان کے حقوق کے اب ان کا حساب اللہ ﷻ پر ہے۔

معلوم ہوا کہ اقرار شہادت کے ساتھ ان کا بچاؤ یقینی اور قطعی ہے اور یہ حکم ان سے مندفع نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا خلاف مباح ہو سکتا ہے۔ مگر اسی صورت میں کہ کوئی قطعی دلیل موجود ہو اور شرع و قیاس سے کوئی اس کا قاطع نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ احادیث میں جو باب تکفیر میں الفاظ مروی ہیں وہ تاویل طلب ہیں۔ اب جو حدیث میں قدریوں کے کفر کی تصریح وارد ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اسلام میں ان کا کچھ حصہ نہیں" اور یہ کہ رافضیوں کو مشرک فرمانا اور ان پر لعنت کرنا علیٰ ہذا القیاس خوارج وغیرہ اہل ہواء کے بارے میں جو منقول ہیں جو ان سے تکفیر کرنے والے حجت میں استدلال کرتے ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہی الفاظ حدیث میں کافروں کے سوا دوسروں پر بھی وارد ہیں (یعنی گناہ گار مسلمانوں کے لئے حالانکہ وہ کافر نہیں ہیں) سو یہ الفاظ بغرض زجر و توبیخ ہیں اور یہ کفر (صریح) سے کم اور یہ شرک' شرک (جلی) سے کم درجہ کا ہے اور اسی طرح ریاکاری اور والدین کی نافرمانی' بیوی کا شوہر کی حکم عدولی' جھوٹ اور تہمت کے گناہوں کے بارے میں آیا ہے جب کسی کلام میں دو باتوں کا احتمال ہو تو ان میں سے کسی ایک پر بلا دلیل قطعی یقین نہیں کیا جا سکتا اور حضور ﷺ کا خوارج کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ "وہ مخلوق میں بدتر ہیں[1]" حالانکہ یہ صفت خاص کفار کے لیے ہے اور ارشاد ہے کہ یہ کہ وہ آسمان کے نیچے بہت برے ہیں۔ خوشی ہو اسے جو ان کو قتل کرے یا وہ جو ان کے ہاتھوں مقتول ہو اور فرمایا کہ جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر ڈالو جیسے قوم عاد کا قتل ہوا تھا۔ تو ان سے وہ لوگ استدلال

۱؎ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۴۴ ـ ۷۴۱ ۲؎ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ صفحہ ۱۱۰ کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۶۰

کرتے ہیں جوان کو کافر کہتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کا قتل کرنا صرف ان کے خروج و بغاوت کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے نکلتے تھے اور ان سے بغاوت کی تھی اور اس کی دلیل اسی حدیث میں ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ تو ان کا اس مقام پر قتل کرنا بطور حد و تعزیر تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے اور قوم عاد کی تشبیہ کا ذکر کرنا بھی قتل و حلال کے لئے ہے نہ کہ مقتول کے لئے اور جس کسی کو بھی قتل کا حکم دیا جائے یہ ضروری نہیں کہ اس کے کفر کا بھی (حکم) دے دیا جائے اور اس کا معارض حضرت خالد ؓ کا اسی حدیث میں یہ قول ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اس پر ارشاد ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ نمازی ہو۔ اب اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے اس کے ارشاد سے استدلال کریں کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اور یہ کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوگا۔ اسی طرح حضور کا یہ ارشاد کہ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر۔ پھر وہ اس کی طرف نہ لوٹ سکیں گے۔ یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس طرح تیر لید (گوبر) اور خون سے نکل جاتا ہے یہ ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ ان سے اسلام کا علاقہ ہی جاتا رہے گا اور کچھ بھی اسلام کا حصہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن دوسرے حضرات جواب دیتے ہیں کہ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل سے اس کے معانی نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو انشراح صدر حاصل نہ ہوگا اور اس پر عمل نہ کر پائیں گے اور یہ حضرات معارضہ میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ وہ تیر کے بارے میں نزاع کریں گے (کہ آیا اس پر یا خون لگا ہے یا نہیں) گویا ان کے شک کی حالت کا بیان مقصود تھا اور اگر سیدنا ابوسعید خدری ؓ کے قول سے استدلال کریں جو اس حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''وہ اس امت میں نکلیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ''اس امت سے نکل جائیں گے'' اور سیدنا ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لفظ کی وضاحت کی ہے اور اسی کو ضبط کیا ہے۔ اس پر دوسروں نے یہ جواب دیا کہ امت میں کہنا اس تصریح کا متقاضی نہیں کہ وہ اس امت میں سے نہیں ہیں۔ بخلاف لفظ مِن کے جو ''بعضیت'' کے معنی میں آتا ہے۔ حالانکہ وہ امت میں سے ہی ہوں گے باوجود اس کے سیدنا ابوذر، سیدنا علی اور سیدنا ابی امامہ ؓ وغیرہ سے حدیث میں مروی ہے کہ وہ میری امت سے نکلیں گے اور عنقریب میری امت میں سے نکلیں گے حالانکہ ان حروف کے معانی مشترک ہیں۔ لہٰذا لفظ

''فی'' سے ان کو امت میں سے نکالنے کا اور لفظ ''من'' سے امت میں داخل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ لیکن سیدنا ابو سعید خدری ﷜ کا اس لفظ کے ساتھ تنبیہ فرمانا بہت عمدہ اور خوب ہے اور یہ اس پر حجت قویہ ہے کہ صحابہ کرام ﷢ فقہ اور معانی کی تحقیق و تجسس اور الفاظ و روایت کے احتیاط میں وسیع علم رکھتے تھے یہ مذہب اہل سنت و جماعت کے معروف و مشہور ہیں اور ان کے سوا دیگر فرقوں کے اقوال اس بارے میں بکثرت ہیں لیکن وہ سب کے سب مضطرب اور بے ہودہ ہیں۔ البتہ قرب الی الصواب جہم اور محمد بن شبیب رحمہما اللہ کا قول ہے۔ وہ یہ کہ کفر باللہ سے نادانی و جہالت کے سوا کوئی شخص کسی اور سبب سے کافر نہیں ہوتا۔

ابو ھذیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر متاول جس کی تاویل میں اللہ ﷻ کا اس کی مخلوق کے ساتھ مشابہت اور اس کو اس کے افعال میں جابر و ظالم (معاذ اللہ) اور اس کی خبر کا جھٹلانا وغیرہ ہو وہ کافر ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا قدیم ہونا ثابت کرے جسے اللہ ﷻ نے نہیں فرمایا وہ کافر ہے۔

بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ جو کوئی (کتاب و سنت سے) اصل و ماخذ کو پہچانتا ہو اور اس پر اپنے قول کو محمول کرتا ہو اور وہ ہو اوصاف الٰہی میں سے سو وہ کافر ہے اور اگر وہ اس باب (یعنی اوصاف الٰہی) سے نہ ہو تو وہ فاسق ہے مگر یہ کہ وہ اصل ہی کو نہ پہچانتا ہو تو وہ خطاوار ہے نہ کہ کافر۔

اور عبید اللہ بن حسن عنبری رحمۃ اللہ علیہ اصول دین میں مجتہدین کے اقوال کی تصویب و صحت کی طرف گئے ہیں جن میں کہ تاویل ممکن ہے۔ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول میں تمام فرقہائے ملت سے بالکل جداگانہ طرز اختیار کی ہے کیونکہ اس کے سوا تمام علماء ملت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اصول دین میں حق ایک ہی میں منحصر ہے اور اس میں خطا کرنے والا گنہگار' عاصی' اور فاسق ہے اور علماء کا اختلاف صرف تکفیر میں ہی واقع ہوا ہے۔

قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مثل بروایت داؤد اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک قوم نے ان دونوں سے اس بات کو نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے اس بات کو ہر اس شخص کے حق میں کہا ہے جس کی حالت سے اللہ ﷻ کو معلوم ہو کہ اس نے طلب حق میں اپنی کوشش کو مقدور بھر پورا کر ڈالا ہو۔ خواہ وہ ہماری ملت میں سے ہو یا کسی دوسرے مذہب کا۔ اسی کے مشابہ جاحظ اور تمامہ رحمہم اللہ نے بھی کہا ہے کہ اکثر عوام' عورتیں' بیوقوف (نادان) اور یہود و نصاریٰ کے پیروکار وغیرہ پر اللہ ﷻ کی حجت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی طبعیتیں ایسی تھی ہی نہیں جو وہ استدلال سے کام لیتے اور کتاب تفرقہ میں امام غزالی رحمہ اللہ بھی تقریباً ایسے ہی مذہب کے قائل ہوئے

ہیں اوران سب باتوں کے قائل بھی بالاجماع ایسے ہی کافر ہیں جیسے وہ شخص جو یہود اور نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام سے جدا ہو گیا۔ جو ان کو کافر نہ جانے یا وہ ان کی تکفیر میں توقف یا شک کرے۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ توقیف اور اجماع دونوں ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں۔ لہٰذا جو کوئی بھی اس میں توقف کریگا یا تو وہ نص اور توقیف (اجماع) کی تکذیب کرے گا یا اس میں شک کرتا ہے تو اس میں وہی شخص تکذیب یا شک کرے گا جو کہ کافر ہے۔

تیسری فصل

ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس میں توقف یا اختلاف ہے اور کونسا مقولہ کفر نہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ اس میں جو تحقیق اور ازالہ شبہات ہے وہ از روئے شرع ہے اس میں عقل کو مجال نہیں۔ اس میں بین فرق ہے کہ ہر وہ مقولہ جس میں ربوبیت یا وحدانیت کی صراحت سے نفی ہو یا کسی غیر اللہ کی پرستش یا اللہ ﷻ کے ساتھ کسی غیر کی عبادت میں شمولیت ہو تو وہ کفر ہو گا۔ جیسے دہریوں کے اقوال اور تمام وہ فرقے جو دو معبودوں کو مانتے ہیں مثلاً دیصانیہ[1] اور مانویہ[2] وغیرہ جیسے صائبین، نصاریٰ اور مجوس ہیں اور وہ لوگ جو بتوں یا فرشتوں یا شیطانوں یا سورج یا ستاروں یا آگ وغیرہ یا اللہ ﷻ کے سوا کسی غیر کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہیں جیسے مشرکین عرب، ہند، چینی، سوڈانی وغیرہ ہیں۔ جو کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اسی طرح قرامطہ اور اصحاب حلول اور تناسخ جو روافض میں باطنیہ اور طیارہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو اللہ ﷻ کی الوہیت و واحدانیت کا تو قائل ہو لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے (معاذ اللہ) کہ وہ حی نہیں ہے یا غیر قدیم ہے اور یہ کہ وہ محدث ہے یا یہ کہ اس کی شکل و صورت ہے یا یہ کہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کے کوئی بچہ یا شریک (ساتھی) یا باپ ہے یا یہ کسی شے سے متولد (پیدا) ہوا ہے یا اس سے کوئی متولد و کائن ہوا ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ ازل سے کوئی شے اس کے سوا قدیم ہے یا یہ کہ جہاں میں اس کے سوا کوئی اور صانع اور مدبر ہے۔ یہ تمام باتیں کفر ہیں جس پر اجماع امت مسلمہ ہے مثلاً

1۔ دیصانیہ ایک مجوسی تھا جو کہ نور کو حی (زندہ) اور ظلمت کو میت (مردہ) کہتا تھا۔ (مترجم)

2۔ جو مانی ایک حکیم طبع مجوسی تھا وہ نور کو خالق خیر اور ظلمت کو خالق شر کہتا تھا اور نبوت کا مدعی تھا (مترجم)

فلاسفہ الٰہیات اور منجموں اور نیچریوں کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ کوئی اللہ ﷻ کے ساتھ بیٹھا ہے یا اسکی طرف چڑھتا ہے یا اس سے (زبان سے) مکالمہ کرتا ہے یا کسی شخص میں وہ حلول کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض متصوفہ باطنیہ نصاریٰ اور قرامطہ کا قول ہے۔

اسی طرح اس کے کفر پر ہم یقین رکھتے ہیں جو کہے کہ عالَم قدیم ہے یا عالَم ہمیشہ باقی رہے گا یا اس میں شک کرے جیسا کہ بعض فلسفیوں اور دہریوں کا مذہب ہے یا یہ کہے کہ ارواح میں تناسخ ہے اور کہے کہ ہمیشہ یوں ہی لوگوں میں روحیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی ستھرائی اور خباشت کے لحاظ سے ان کو عذاب ہوتا ہے اور نعمتیں ملتی ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو الوہیت و وحدانیت کا تو معترف ہو مگر نبوت کا عمومیت کے ساتھ یا ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا خصوصیت کے ساتھ یا کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو جس پر اللہ ﷻ کی نص موجود ہے پھر وہ علم کے باوجود انکار کرے تو وہ بلاشک کافر ہے۔ جیسے کہ براہمہ اور بڑے بڑے یہود رؤسا، نصاریٰ اور روافض کے عجوبہ خیال لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی (معاذ اللہ) مبعوث و نبی تھے اور ان کی طرف ہی جبریل علیہ السلام (وحی لے کر) آتے تھے اور جیسے کہ روافض کے فرقہ معطلہ اسماعیلیہ اور عنبریہ وغیرہ ہیں اگرچہ ان فرقوں میں سے کچھ لوگ کفر میں دوسروں کے ساتھ جو ان سے پہلے ہیں شریک ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو کہ وحدانیت عام نبوت اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو تو مانتا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام جو لائے اس میں کذب (جھوٹ) کو جائز مانتا ہو اور اپنے زعم میں اس میں مصلحت کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو (بہرحال) وہ بالاجماع کافر ہے جیسے کہ متفلسفہ بعض باطنیہ روافض غالی متصوفہ اور اصحاب اباحت وغیرہ کیونکہ ان کا زعم ہے کہ ظاہر شریعت اور اکثر وہ خبریں جو انبیاء و رسول علیہم السلام لائے ہیں مثلاً گزشتہ و آئندہ کی غیبی خبریں آخرت و حشر و قیامت جنت و دوزخ وغیرہ کی باتیں وہ ایسی نہیں ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے اور جو کلام سے سمجھی جاتی ہیں اور مصلحت کی خاطر اس سے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو ممکن نہ تھا کہ اصل حقیقت کا اظہار کرتے کیونکہ ان کے افہام ناقص تھے۔ ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت باطل ہو اور اوامر و نواہی معطل ہوں رسولوں کی تکذیب ہو اور جو وہ لائے ہیں اس میں شک و تردد واقع ہو۔ (لیکن مسلم مشائخ طریقت ان ہفوات سے بری اور منزہ ہیں یا یہ کہ ان کی اصطلاحات کے معانی و مفہوم سے وہ نابلد ہیں اور ان سے ان کا اہل ہی معرفت حاصل کر سکتا ہے یا یہ کہ بعض ملحدین نے اپنے اقوال کو مشائخ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ صوفیائے کرام اور مسلم مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم مترجم)۔

اسی طرح جو شخص ہمارے نبی کریم ﷺ کی طرف آپ کی تبلیغ رسالت اور جو کچھ آپ لائے اس میں بالقصد کذب کی نسبت کرے یا آپ ﷺ کے صدق میں شک کرے یا آپ ﷺ کو گالی دے یا یہ کہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہیں کی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی اہانت کرے یا انہیں گناہ گار کہے یا انہیں اذیت پہنچائے یا کسی نبی کو قتل کرے یا ان سے جنگ کرے تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو بعض قدماء کا مذہب اختیار کرے جن کا اعتقاد تھا کہ حیوانات کی ہر جنس میں نذیر اور نبی ہے۔ خواہ وہ حیوان بندر ہو یا خنزیر یا چوپائے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ ہوں۔ ایسوں کا استدلال یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا ارشار ہے کہ

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ. اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔ (پ۲۲ فاطر۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

(اس اعتقاد میں کفر کی) دلیل یہ ہے کہ اگر ان جنسوں میں نبی مانا جائے تو ان جنسوں کے نبیوں کو انکی بری صفات کے ساتھ متصف ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر اس منصب جلیل عظیم اور صاحب شرافت و فضیلت پر عیب لگتا ہے۔ علاوہ بریں اس کے خلاف پر اجماع امت مسلمہ ہے اور اس کا قائل کذاب و مفتری ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ماسبق کے بیان کردہ اصول صحیحہ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا قائل ہو مگر یہ کہتا ہو آپ ﷺ کالے رنگ کے تھے یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پا گئے یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ قریشی نہ تھے۔ دلیلِ کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ ﷺ کی معروف و مشہور اوصاف کے خلاف ہو گویا اس نے آپ ﷺ کی نفی کی اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اور شخص کی نبوت کا اقرار کرے۔ (خواہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں یا) آپ ﷺ کے بعد مانے۔ جیسے کہ یہود میں سے فرقہ عیسویہ ہے۔ جس کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت خاص عرب کی طرف تھی یا جیسے خرمیہ کہتے ہیں کہ رسول پے در پے آتے رہیں گے۔ (یا جیسے آج کل کے فرقہ قادیانیہ جو غلام احمد کی نبوت کے قائل ہیں[1]) یا جیسے اکثر

---

[1] اس فرقے کو حکومت پاکستان 1977ء میں کافر قرار دے چکی ہے جبکہ اس قرارداد کے بل کو اہلِ سنت و جماعت کے قائد مولانا الشاہ احمد نورانی رحمہ اللہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا اور آپ اور دیگر علماء کی جد وجہد سے بالآخر قادیانی کے پیروکار خواہ اسے وہ نبی مانتے ہوں یا مجدد حکومتی سطح پر کافر قرار دیے گئے اور ان کو اقلیتوں میں شامل کیا گیا (ادارہ)

روافض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا علی مرتضٰی (معاذ اللہ) رسالت میں شریک ہیں اور آپ کے بعد اسی طرح ہر امام ان کے نزدیک نبوت ورسالت اور حجت میں حضور ﷺ کا قائم مقام نبوت و حجت ہے۔ جیسے روافض میں سے فرقۂ بریعیہ اور بیانیہ وغیرہ ہیں کہ وہ بریع اور بیان وغیرہ کی نبوت تک پہنچنا جائز مانتا ہے یا جیسے فلاسفہ اور غالی متصوفہ۔

اسی طرح وہ شخص جو اپنے لئے نبوت کا دعوی کرے یا منصب نبوت کو اکتسابی قرار دے اور قلب کی صفائی کے ذریعہ مرتبۂ نبوت کے حصول کو جائز جانے جس طرح فلاسفہ اور غالی متصوفہ ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو ان میں سے یہ دعوی کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے اگرچہ وہ نبوت کا دعوٰی نہ کرے یا یہ کہے کہ آسمان تک چڑھ جاتا ہوں اور جنت میں داخل ہو جاتا ہوں اور جنت کے پھل کھاتا ہوں اور حور وعین سے معانقہ کرتا ہوں۔

تو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کذاب ہیں۔ اس لئے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ایسے خاتم النبیین ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت ملنا ہی نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کی جانب خبر دی کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف رسول کئے گئے ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہے اور ان کا مفہوم ومراد بغیر تاویل وتخصیص کے یہی ہے۔ چنانچہ ان تمام گروہوں اور فرقوں کے کفر میں اجماع قطعی اور سمعی کی طرح شک وتردد نہیں ہے۔

اسی طرح ہر اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نص کتاب کو دفع کرتا ہے یا کسی ایسی حدیث کی تخصیص کرتا ہے جسکی نقل پر یقین ہے اور وہ بالاجماع اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ جیسے کہ خوارج کو حکم رجم کے باطل کہنے کی بنا پر کافر کہا گیا۔

اور اسی بنا پر ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو مسلمان کے دین کے سوا کسی اور دین کے معتقد کو کافر نہیں کہتا یا ان میں توقف کرتا ہے یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے دین ومذہب کو صحیح کہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کو بھی ظاہر کرتا اور اسلام پر اعتقاد رکھتا ہو اور اسلام کے سوا ہر مذہب کو باطل کہتا ہو تب بھی وہ کافر ہے کیونکہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے کل امت کی ضلالت (گمراہی) اور تمام صحابہ کرام ﷺ کی تکفیر تک نوبت پہنچے جیسے روافض میں کمیلیہ کا قول ہے۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد بربنائے عدم تقدم سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام امت کی

تکفیر کرتے ہیں اور یہ گروہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی کافر گردانتا ہے۔ چونکہ وہ خود کیوں آگے نہ بڑھے اور ان لوگوں سے پیش قدمی کر کے اپنا حق حاصل کیوں نہ کیا۔ لہٰذا یہ گروہ کئی وجوہات سے کافر ہے اس لئے کہ انہوں نے پوری شریعت کو باطل قرار دیا۔ جب نقل ہی منقطع ہوگئی تو قرآن کا نقل بھی منقطع ہو گیا کیونکہ اس کو نقل کرنے والے ان کے گمان پر کافر تھے اور اسی طرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول کا اشارہ ہے واللہ اعلم کہ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو صحابہ کرام ﷺ کی تکفیر کرے۔

پھر یہ گروہ ایک اور وجہ سے بھی کافر ہو گیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی ہے جیسا کہ ان کے قول کا اقتضاء ہے۔ ان کا گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کا وعدہ کیا تھا اور یہ کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کے بعد وہ انکار خلافت کریں گے۔ یہ محض ان کا گمان ہی ہے۔ اللہ ﷻ کی اس گروہ پر لعنت ہو اور اللہ ﷻ کے رسول ﷺ اور ان کی آل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔

اسی طرح ہم ہر اس فعل کی جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو تکفیر کرتے ہیں کہ وہ فعل کافر کے سوا کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ شخص اپنے اس فعل کے ساتھ اسلام کی بھی تصریح کرتا ہو جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کے گرجوں کی طرف ان کے ساتھ دوڑ کر جانا اور ان کی شکل و صورت اختیار کرنا جیسے زنار باندھنا یا بیچ سر سے بالوں کو منڈانا۔ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان باتوں کا صدور کافر سے ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ افعال علامات کفریہ ہیں۔ اگرچہ اس کا کرنے والا اسلام ہی کی صراحت کیوں نہ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو قتل مسلم یا شراب کے پینے یا زنا کو جسے اللہ ﷻ نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے اور اسے ان کے حرام ہونے کا علم بھی ہو جیسے قرامطہ کے بعض اصحاب اباحت اور بعض غالی متصوف (تو یہ بھی کافر ہیں)

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو قواعد شرع اور اس امر کو جو یقینی طور پر بنقل تواتر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو اور اس پر علی الاتصال اجماع چلا آ رہا ہو اس کی تکذیب کرے جیسے پانچ نمازوں کے وجوب کا انکار، تعداد رکعات سجدہ نماز وغیرہ اور کہے کہ ہم پر اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں بالجملہ نماز واجب ہی نہیں کی یا یہ کہ ان صفات اور شرائط کے ساتھ پانچ نمازیں فرض ہی نہیں اور نہ میں انہیں جانتا ہوں اس لئے کہ قرآن میں کوئی صریح نص نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ سے جو خبر منقول

ہے۔ وہ خبر واحد ہے۔ (تو یہ یقیناً کفر ہے)

اسی طرح اس شخص کی تکفیر پر اجماع ہے جو بعض خارجی کہتے ہیں کہ نماز صرف دو طرفوں میں ہے (یعنی صبح و شام) اور باطنیہ کی تکفیر پر بھی اجماع ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیشک فرائض ان مردوں کے نام ہیں جن کے لئے حکومت کا حکم دیا گیا ہے اور خبائث و محارم ان مردوں کے نام ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض متصوفہ کا یہ قول ہے کہ عبادت اور طویل مجاہدوں سے جب ان کے نفوس صاف ہو جائیں تو ان کو ان سے سقوط تک پہچا دیتی ہے اور ان کے لئے اس وقت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور ان سے احکام شریعت کی پابندی مرتفع ہو جاتی ہے۔

علی ہذا القیاس جو شخص مکہ مکرمہ یا بیت المقدس یا مسجد حرام یا مناسک حج کا انکار کرے یا کہے کہ حج قرآن میں فرض ہے اور استقبال قبلہ بھی فرض ہے لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے یا بیت اللہ اور مسجد حرام ہے میں نہیں جانتا آیا یہی ہے یا اس کے سوا ہیں اور کہے کہ ممکن ہے کہ ناقلین نے جو یہ نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ تفسیر کی ہے غلطی کی ہو اور وہم ہو گیا ہو کہ یہ یوں نہیں ہے۔ سو یہ اور اس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلاً شک نہیں ہے۔ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجالست و مصاحبت ہے تو یہ کفر ہو گا مگر یہ کہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایا ہو)۔

تو ایسوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کر لو تمہیں معلوم ہو جائے گا ان میں کوئی خلاف نہیں ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابہ کرام ﷺ رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ ہے اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں اور اسی کا حج و طواف کیا ہے اور یہی وہ افعال ہیں جو مناسک حج میں عبادت ہیں اور یہی مقصود ہے اور یہی افعال نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں نے کئے ہیں اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور اللہ ﷻ نے اپنی مراد اسی طرح آپ ﷺ پر واضح فرمائی اور اس کے حدود آپ ﷺ پر روشن کئے تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جیسا انہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد کوئی شک و تردد باقی نہ رہے گا۔ بعد علم و بحث اور بعد صحبت مجالست مسلمین پھر بھی وہ شک و تردد یا انکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اپنے کو لاعلم کہنے میں معذور

نہ جانا جائے گا اور اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپانا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اب بھی لاعلم ہو۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمام امت پر ان کے منقولات میں جو اس بارے میں کرتے ہیں وہم اور غلط کو جائز رکھتا ہے۔ حالانکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل ہے اور مقصود الٰہی کی یہی تفسیر ہے تو اس نے تمام شریعت میں شک کو داخل کر دیا کیونکہ امت ہی شریعت اور قرآن کے قائل ہیں۔ اس طرح پر دین کی رسی یکدم کھل جائے گی۔

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے وہ کافر ہے اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جس نے قرآن کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا یا اس کے کسی حصہ اور جز میں تغیر و تبدل کیا یا اس میں کچھ زیادہ کیا۔ جیسا کہ باقیہ اور اسماعیلیہ کرتے ہیں یا یہ گمان کیا کہ قرآن نبی کریم ﷺ کے لئے حجت نہ تھا یا یہ کہ قرآن میں کوئی دلیل و معجزہ نہیں ہے جیسے کہ ہشام خوطی اور معمر ضمیری کا قول ہے کہ وہ اللہ ﷻ پر دلالت نہیں کرتا اور نہ اس میں رسول ﷺ کے لئے حجت ہے اور نہ ثواب و عذاب کی دلیل ہے اور نہ کوئی حکم ہے بلاشبہ ہم ان دونوں کو بایں قول کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم ان دونوں کی اس سبب سے بھی تکفیر کرتے ہیں کہ یہ دونوں اس امر کے بھی منکر ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے تمام معجزات آپ کے لئے حجت ہیں یا آسمان و زمین کی پیدائش میں وجود باری ﷻ پر بھی دلیل ہیں اور یہ کہ یہ اطلاع اور نبی کریم ﷺ سے نقل متواتر کے بھی خلاف ہیں یعنی آپ ان معجزات کے ساتھ احتجاج فرماتے تھے۔ نیز تصریحات قرآنیہ کے بھی خلاف ہیں۔

اسی طرح جو بھی کسی منصوص فی القرآن کا منکر ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ مصاحف مسلمین اور قرآن مجید میں جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس سے جاہل نہ ہو اور نہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو اور اپنے استدلال میں حجت لاتا ہو کہ یا تو یہ اس کے نزدیک نقل صحیح نہیں اور نہ اسے کسی دوسرے سے اس کا علم ہوا یا اس کے ناقلین پر وہم کو جائز رکھتا ہو تو ہم ایسے کی بھی انہیں دونوں طریقوں پر تکفیر کریں گے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے والا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے لیکن وہ اپنے دعویٰ کو چھپانا چاہتا ہے۔

اسی طرح جو شخص جنت و دوزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب اور قیامت کا منکر ہو وہ بھی باجماع امت کافر ہے کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے اور امت نے بھی تواتر کے ساتھ اس کی صحت نقل پر اجماع کیا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ان کا معترف تو ہو لیکن یہ کہے کہ جنت و دوزخ، حشر و نشر، ثواب و

عقاب کے مراد و معنی اس کے ظاہری معنی کے سوا ہیں یعنی کہے کہ اس سے مراد لذات روحانیہ اور معانی باطنیہ ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ' فلاسفہ' باطنیہ اور بعض متصوفہ کا قول ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے معنی موت' فنائے محض' ہیئت افلاک کو ٹوٹنا اور تحلیل عالم ہیں۔ جیسا کہ بعض فلاسفہ کا قول ہے۔

اسی طرح ہم ان غالی روافض کی تکفیر میں یقین رکھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ائمہ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اب رہا وہ شخص جو ان اخبار و سیر اور بلاد معروفہ کا انکار کرے جو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں اور جن کے انکار سے نہ تو شریعت کا بطلان لازم آتا ہے اور نہ کسی قاعدہ اسلام کا انکار' جیسے غزوہ تبوک یا غزوۂ موتہ وغیرہ کا انکار یا سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر کے وجود اور سیدنا عثمان کی شہادت یا خلافت علی مرتضیٰ ﷺ کا انکار کرے جن کا علم بدایۃً بطور نقل حاصل ہے اور اس کے انکار میں شریعت کا انکار لازم نہیں آتا لہٰذا اس کے اس انکار سے اور اس کے حصول علم کے انکار سے اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اس نے افتراء و بہتان باندھا جیسے ہشام اور عباد کا واقعہ جمل اور محاربۂ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا انکار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں سے نہیں لڑے۔ اب اگر اس نے اس لئے ان کا انکار کیا ہے کہ اس نے ان کے ناقلین کو متہم اور تمام مسلمانوں کو وہم میں مبتلا جانا ہے تو ہم اس کی تکفیر کا حکم کریں گے۔ کیونکہ اس طرح وہ شریعت کے ابطال کی جانب مفضی ہوگا۔

اب رہا وہ شخص جو مجرد اجماع صحیح اور اجماع جامع شروط اور عام متفق علیہ کا مخالف ہو وہ کافر ہے ان کا استدلال اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہے کہ

مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى۔ (پ ۵ النساء ۱۱۵) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق اس پر کھل چکا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی تو بلاشبہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا''۔ نیز علماء نے اس شخص کی تکفیر پر بھی اجماع نقل کیا ہے جو اجماع کی مخالفت کرے اور دیگر علماء قطعی تکفیر سے توقف کی طرف اس شخص کے بارے میں گئے ہیں جو ایسے اجماع کا مخالف ہو جو صرف علماء سے ہی اس کی نقل مخصوص ہو۔ (یعنی علماء کے سوا کوئی اور اس کا قائل نہ ہو) اور دوسرے لوگوں کا میلان یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہئے جو ایسے اجماع کا منکر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے قول میں اس اجماع سلف کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطور خرق دلیل واقع ہوا تھا۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قول معتبر یہی ہے کہ اللہ ﷻ کی ذات و صفات سے جاہل ہونے کا نام کفر ہے اور اس کی ذات سے باخبر ہونے کا نام ایمان ہے اور کوئی

شخص بھی کسی قول یارائے کے سبب جس کا کہ وہ قائل ہو کافر نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ وہ ذات باری ﷻ سے جاہل ہو۔ چنانچہ اگر اس نے اللہ ﷻ ورسول ﷺ کے ایسے قول وفعل کے ساتھ نافرمانی کی ہے جو منصوص ہے یا یہ کہ اس پر اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا صادر ہی نہیں ہوتا یا یہ کہ اس کے خلاف دلیل قائم ہو جائے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ یہ کفر اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اس قول کا قائل ہوا ہے یا اس نے یہ فعل کیا ہے بلکہ اس سبب سے کافر ہوا کہ وہ کفر کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔

لہٰذا اللہ ﷻ کے ساتھ کافر ہونا ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اول یہ کہ ذات باری ﷻ سے جاہل و بے خبر ہو دوسرا یہ کہ وہ ایسا قول وفعل کرے جس کی اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دے دی ہو یا یہ کہ اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا کسی سے صادر ہی نہ ہوگا۔ جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور زنار ڈال کر اصحاب کنائس کے ساتھ بالالتزام ان کے تہواروں کے موقعہ پر ان کے کینسوں میں جانا یا یہ کہ وہ قول یا فعل ایسا ہو جس کے ساتھ علم باللہ ممکن نہ ہو۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسمیں اگرچہ اللہ ﷻ کے ساتھ بے خبری اور جہالت میں سے تو نہیں ہے لیکن ان دونوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا کرنے والا کافر اور خارج ایمان ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اللہ ﷻ کی صفات ذاتیہ میں سے کسی ایک صفت کی نفی کرے یا دانستہ انکار کرے جیسے کہ کہے کہ اللہ ﷻ عالم نہیں ہے اور نہ وہ قادر یا مرید یا متکلم وغیرہ ہے یعنی جو اس کی صفات کمالیہ ہیں اور اس کے ساتھ واجب ہیں ان کا انکار کرے تو ہمارے ائمہ نے اس شخص کے کفر پر اجماع منصوص فرمایا ہے کہ جو اللہ ﷻ سے ان اوصاف میں سے کسی وصف کی نفی کرے اور اسے اس وصف سے معرا (خالی) جانے اور اسی پر سحون رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی محمول کیا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ کے لئے کلام نہیں ہے سو وہ کافر ہے حالانکہ وہ متاولین (تاویل کرنے والوں) کی تکفیر نہیں کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ میں مذکور ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ جو صفات باری ﷻ کی کسی صفت سے جاہل و بے خبر ہو تو اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے تو اس کی تکفیر کی ہے اور یہ ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے اور ایک مرتبہ سیدنا ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ ایسی جہالت اسے اسم ایمان سے خارج نہیں بناتی اور اسی کی جانب اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا اور فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص اس کا ایسا معتقد نہیں ہے کہ وہ اس کے درست وصواب ہونے پر یقین

---

۱ سنن ابوداؤد کتاب الایمان جلد ۳ صفحہ ۵۸۸ سنن نسائی کتاب الوصایا باب فضل صدقۃ علی المیت

۲ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ صحیح مسلم کتاب التوبہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۱۰

رکھتا ہو یا یہ کہ وہ اسے دین اور شریعت مانتا ہو۔ حالانکہ کافر وہ ہوتا ہے جو اس کا ایسا معتقد ہو کہ وہ اپنے قول کو حق مانتا ہو۔ ان حضرات نے سوداء ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صرف توحید ہی کا مطالبہ فرمایا تھا نہ کہ کسی اور امر کا [1]۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس نے یہ کہا کہ "اگر خدا مجھ پر قادر ہوگا" [2] اور اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ "شاید کہ میں اللہ ﷻ سے چھوٹ جاؤں"۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "پس اللہ ﷻ نے اسے بخش دیا"۔

علماء فرماتے ہیں کہ صفات باری میں اگر اکثر لوگوں سے بحث کی جائے اور ان سے اس کی حقیقت دریافت کی جائے تو ایسے اشخاص بہت کم ملیں گے جو ان سے واقف ہوں اور دوسرے علماء اس حدیث سے کئی جواب دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ قَدَرَ بمعنی قَدَّرَ کے ہے اور اس کا شک کرنا قدرت الٰہی میں شک کرنا نہ تھا بلکہ نفس بعثت میں تھا جو بغیر شریعت کے معلوم ہی نہیں ہوسکتا اور ممکن ہے ان کے نزدیک اس خصوص میں حکم شرع موجود ہی نہ ہو جس کی بنا پر اس میں شک کرنا کفر قرار پائے اور جس امر میں شرع وارد نہ ہو تو وہ مجوّزاتِ عقول میں سے ہوتا ہے (اس میں شک کرنے سے کفر لاحق نہیں ہوتا) یا یہ کہ قدر بمعنی ضَیَّقَ ہے۔ اسی لحاظ سے اس کا یہ فعل جو اس نے اپنی ذات کے ساتھ کیا تھا اپنے نفس کی تحقیر کی غرض سے تھا اور نفس کی نافرمانی پر اسے اپنے پر غصہ آ رہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ ناسمجھی میں کہا تھا اور وہ خود اپنی بات ہی کو نہ سمجھ رہا تھا کیونکہ اس پر خوف اور خشیت الٰہی طاری تھا جس نے اس کی عقل ختم کر رکھی تھی اور وہ اپنے الفاظ کو بھی ضبط نہ کر سکتا تھا۔ اس بنا پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شخص زمانۂ فترت میں تھا جبکہ صرف توحید ہی نفع دے سکتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات کلام کے مجاز میں سے ہے۔ جس کی ظاہری صورت میں تو شک ہوتا ہے اور اس کے معنی میں تحقیق وثبوت ہوتا ہے اسی کو تجاہل عارفانہ (انجاناپن) کہتے ہیں اس کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ہیں۔ جیسے اللہ ﷻ کا فرمان:

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ — اس امید پر کہ وہ دھیان کرے اور ڈرے۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ ارشاد کہ

اِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ — بیشک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

(پ ۲۲ سبا ۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اب رہا وہ شخص جو وصف کو تو ثابت کرے اور صفت کی نفی کرے چنانچہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ عالم تو ہے لیکن اسے علم نہیں ہے اسی طرح متکلم تو ہے لیکن اسے کلام نہیں ہے۔ اسی طرح تمام

صفات الٰہیہ میں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت جس کسی نے انجام و مآل پر کہا کہ اس کا کلام کہاں تک پہنچتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی ہے کیونکہ جب اس نے علم ہی کی نفی کر دی تو وصف عالمیت بھی ازخود منتفی ہو گیا۔ اس لئے کہ عالم وہی ہوتا ہے جسے علم ہو تو گویا ان کے نزدیک تمام متاؤلین اور ان کے فرقے ایسے ہی ہیں خواہ وہ مشبہ ہوں یا قدریہ وغیرہ اور جس کی یہ رائے ہو کہ ان کے قول کے مآل وانجام کے ساتھ مواخذہ نہ کیا جائے اور جو ان کے مذہب کے موجبات ہیں ان پر الزام نہ رکھا جائے تو وہ ان کی تکفیر کو جائز نہیں رکھتے۔ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو اس پر آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عالم نہیں ہے اور ہم بھی اس قال وانجام کی نفی و انکار کرتے ہیں جس کو تم ہم پر لازم کرنا چاہتے ہو اس کو ہم بھی اور تم بھی کفر ہی جانتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام ہماری اصل پر اس کی جانب راجع ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان دونوں ماخذوں کی بنا پر اہل تاویل کی تکفیر وعدم تکفیر پر لوگوں کا اختلاف ہوا ہے۔

اب جبکہ اس مسئلہ کو تم سمجھ چکے اور تمہیں اس باب میں وجوہ اختلاف بھی معلوم ہو چکا۔ تو درست وصواب یہی ہے کہ ان کی تکفیر کو ترک کر دیا جائے۔ اور ان کی جانب اس امر کے یقین کرنے سے اعراض کیا جائے کہ وہ درحقیقت خائب وخاسر ہیں اور قصاص وراثت' مناکحت ودِیات (دیتوں)' ان پر نماز ومعاملات اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے میں مسلمانوں جیسے ہی احکام جاری کئے جائیں لیکن زجر وتوبیخ اور ترک مکالمت ومجالست کے ساتھ ان پر سختی ضروری کی جائے تاکہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کریں اور صدر اول کے ان اشخاص میں یہی عادت رہی ہے چونکہ ایسے لوگ صحابہ کرام ﷺ اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں ہی پیدا ہو گئے تھے جو ایسے اقوال کے قائل تھے۔ جن کے قدریہ' خوارج اور معتزلی وغیرہ قائل ہیں۔ تو ان حضرات نے نہ تو ان کی قبریں ہی جدا کیں اور نہ ان میں سے کسی کی میراث بند کی۔ البتہ ان حضرات نے ان سے میل جول ترک کر دیا اور ضرب وجلاوطنی اور قتل وغیرہ کے ساتھ جیسی بھی ان کی حالت کا اقتضاء ہوا تادیب وتعزیر دی۔ کیونکہ محققین اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک جو ان کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ فاسق' گمراہ اور مرتکب معاصی کبیرہ ہیں۔ برخلاف اس شخص کے جس کی رائے اس کے خلاف ہے۔ واللہ الموفق الصواب

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رہے وہ مسائل جو وعدہ وعید ورویت ومخلوق' خلق افعال وابقاء اعراض اور تولد وغیرہ دقیق مسائل ہیں تو ان میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر میں احتراز کرنا چاہئے۔ یہی زیادہ مناسب واظہر ہے کیونکہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں جاہل رہنا ذات

باری ﷺ سے جاہل ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ایسے شخص کے کفر پر اجماع امت مسلمہ ہے جو ان میں سے کسی شے سے جاہل ہو۔ بے شک ہم نے اس سے پہلی فصل میں بحث اور اختلاف کو اس بسط و تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کے اعادہ کی بکرمہ تعالی اب حاجت نہیں رہی ہے۔

چوتھی فصل

جو ذمی ہو کر اللہ ﷺ کو گالی دے اس کا حکم

یہ حکم تو اس مسلمان کا تھا جو اللہ ﷺ کو گالی دے۔ اب رہا ذمیوں کا حکم! تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذمی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک ذمی حرمت الٰہی کے درپے ہوا اس دین کے خلاف جو اس کا تھا' اعتراض کرنے لگا تب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس پر تلوار لے کر آ نکلے اور اسے تلاش کیا مگر وہ بھاگ گیا۔

''کتاب ابن حبیبہ'' اور ''مبسوط'' میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبسوط'' ''کتاب محمد'' اور ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے اس وجہ کے سوا جس کے ساتھ وہ کافر ہے اللہ ﷺ کو گالی دی تو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بجز اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور ''مبسوط'' میں ان کا قول ہے کہ وہ خوشی سے مسلمان ہوئے۔ اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ جس کفر پر وہ قائم ہے وہ اس کا دین ہے اور اسی پر قائم رہتے ہوئے اس نے خدا کے لئے بیوی' شریک اور فرزند کا ادعا کیا ہے (اس کے اس دین پر ہونے کے باوجود) اس سے عہد لیا گیا۔ لیکن اس کے اور جھوٹ و گالی جو وہ اب بکتا ہے اس پر ان سے عہد نہیں لیا گیا۔ لہٰذا وہ عہد شکن ہو گئے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب محمد'' میں کہا کہ جس غیر مسلم نے اللہ ﷺ کو اس وجہ کے سوا جو اس کی (محرف) کتاب میں مذکور ہے گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ مخزومی' مسلمہ اور ابن ابی حازم رحمہم اللہ نے ''کتاب مبسوط'' میں کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے توبہ نہ لی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اب اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے اور مطرف و عبدالملک امام مالک رحمہم اللہ کی مثل فرماتے ہیں۔

ابو محمد ابن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو غیر مسلم اللہ ﷺ کو گالی دے بغیر اس وجہ کفر کے جس پر وہ قائم ہے تو قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ ہم نے ابن حلاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے

بیان کر دیا۔ نیز عبداللہ ابن ابی لبابہ رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ اندلس کا قول نصرانی عورت کے بارے میں اور ان کا یہ فتوی کہ اس گالی کی وجہ سے جس پر اللہ ﷻ اور نبی ﷺ سے کافر ہوئی ہے قتل کر دیا جائے اور اس پر ان کا اجماع بھی بیان کر چکے ہیں یہ اس دوسرے قول کی طرح جو اس شخص کی نسبت ہے، جس نے ان میں سے نبی کریم ﷺ کو اس نے اس وجہ سے کہ وہ کافر ہے اس خصوص پر اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کو گالی دینے میں فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ان ذمیوں سے اس بنا پر عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے اپنے کسی کفر کو ظاہر نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم ان کے مونہوں سے اس بارے میں کچھ نہ سنیں گے جب وہ ایسی کوئی بات کریں گے تو وہ عہد شکن بن جائیں گے۔

اور علماء کا اس ذمی کے بارے میں جو زندیق بن جائے اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ مطرف بن عبدالحکم اور اصبغ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک کفر سے دوسرے کفر کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور عبدالملک بن ماحشون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ وہ ایک ایسا دین ہے کہ جس پر کوئی مسلمان قرار نہیں پاتا اور اس پر جزیہ لیا جاتا ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کا قول بھی منقول ہو۔

پانچویں فصل

مفتری اور کذاب کا حکم

یہ تو اس شخص کے بارے میں حکم تھا جو صاف طور پر گالی دے اور وہ شے اللہ ﷻ کی طرف نسبت کرے جو اس کی جلالت والوہیت کے شایان شان نہ ہو۔ اب رہا اس کا حکم جو اللہ ﷻ پر باؤ دعاء الوہیت یا رسالت افترا و بہتان اور جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ اللہ ﷻ میرا خالق نہیں یا میرا رب نہیں یا یہ کہے کہ میرا کوئی رب نہیں یا اپنے نشے اور اپنے جنون میں ایسی باتیں بکے جو پاگل پن کی ہوں اور وہ عقل میں نہ آتی ہوں تو ایسے مدعی کے کفر میں باوجود اس کی سلامتی عقل کے کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

لیکن قول مشہور کی بنا پر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس کی رجعت و انابت اسے فائدہ پہنچائے گی اور اس کو قتل سے بچا دے گی۔ لیکن سزائے عظیم اور عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا تاکہ ایسی بکواس کرنے میں دوسروں کو تنبیہ و توبیخ ہو اور کوئی اور اس کی جرأت نہ کرے۔ کیونکہ یہ یا تو اعادۂ کفر ہے یا اسکی جہالت مگر وہ شخص ایسا بار بار کرے اور اپنے کردار میں اسکی تحقیر و اہانت مشہور ہو جائے تو یہ

اس کی بدباطنی پر دلیل ہو جائے گی اور اس کی توبہ کو جھٹلا دیا جائے گا اور وہ اس زندیق کے مشابہ ہو جائے گا جس کی بدباطنی پر ہمیں اطمینان نہ ہو اور اس کا رجوع بھی قابل قبول نہ ہوگا اور اس خصوص میں اس کے نشہ کا حکم مثل ہوش والے کے ہوگا۔

اب رہا مجنون و پاگل کا حکم تو جو کچھ اس نے اپنی مکمل دیوانگی اور پاگل پنے میں کہا ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ ہوشیاری کی حالت میں کہا ہے اگرچہ اسے عقل نہ ہو اور وہ شریعت کا مکلف نہ رہا ہو مگر اس پر اسے تادیب ضرور کی جائے گی تاکہ اسے تنبیہ ہو۔ جیسا کہ بداطواری میں تنبیہ کی جاتی ہے اور یہ تادیب برابر جاری رکھی جائے گی یہاں تک وہ اس سے باز آ جائے۔ جیسا کہ جانوروں کو اس کی ضد واڑ پر زدوکوب کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے۔

بلاشبہ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے جلانے کا حکم فرمایا جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کرنے والے کو قتل کر کے صولی دی۔ اس کے سوا اکثر خلفاء اسلام اور بادشاہوں نے ایسوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور اس پر ان کا اتفاق و اجماع ہے کہ جو ان کے کفر کا مخالف ہو وہ بھی کافر ہے۔

المعتذر کے زمانہ میں مالکی فقہاءِ بغداد اور قاضی القضاۃ ابوعمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حلاج[1] کے قتل اور اس کی سولی پر بسبب دعویٰ الوہیت اور حلول کے قول کے اجماع کیا کیونکہ انہوں نے نعرہ "اناالحق" لگایا تھا باوجود یہ کہ ظاہر میں پابند شریعت تھے۔ لیکن علماء نے ان کی توبہ قبول نہ کی۔ اسی طرح ابن ابی الغراقبر کے بارے میں علماء نے فتویٰ دیا چونکہ وہ بھی حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر تھے اور ان کے بعد الراضی باللہ کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی القضاۃ ابوالحسین بن ابی عمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابن عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کا "مبسوط" میں قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اسے قتل کر دیا جائے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جس نے اللہ عزوجل کے اپنا خالق یا رب ہونے کا انکار کیا یا کہا کہ میرا کوئی رب نہیں ہے تو وہ مرتد ہے۔

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتاب عتبہ میں محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس سے توبہ لی جائے خواہ وہ اسے چھپائے یا ظاہر کرے بہرصورت مرتد کے حکم میں ہے اسے سحنون رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا اور اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک ایسے یہودی کے بارے میں کہا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول ہوں۔ اگر وہ اس دعویٰ کو ظاہر کرتا ہے تو اس سے توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اور ابومحمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنے پیدا کرنے

---

[1] حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ پر صیانت شریعت ظاہرہ کی بنا پر فتویٰ تھا چنانچہ ہمعصر عرفاء ان کو عارف باللہ ہی مانتے ہیں۔ مترجم

والے پر لعنت کی تھی اور دعویٰ کیا کہ اس کی زبان پھیل گئی تھی اور یہ کہ میرا ارادہ شیطان پر لعنت کرنے کا تھا۔ فرمایا اسے اپنے کفر کی بنا پر قتل کر دیا جائے اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے۔ یہ حکم اس دوسرے قول کے موافق ہے کہ ایسوں کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نشہ والے کے بارے میں فرمایا جس نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں، میں خدا ہوں' کہ اگر وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو زندیق کا سا برتاؤ کیا جائے اس لئے کہ یہ شریعت کے ساتھ کھیلنے والوں کا کفر ہے۔

چھٹی فصل

بے اختیار کلمۂ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟

رہا وہ شخص جس کی بات اور زبان اسکی قابو میں نہ ہو اور وہ نکمی اور بے ہودہ بات زبان سے نکالتا ہو اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا کلام ضبط نہیں کیا جاتا اور اس کی زبان پر مہملات آتے رہتے ہوں وہ ایسی بات کہے جس سے عظمت الٰہی اور جلالت کبریائی میں استخفاف ہوتا ہو یا بعض شے کی تمثیل کسی ایسی شے کے ساتھ دے جس کو اللہ ﷻ نے اپنی ملکوت میں بزرگی وعظمت دی ہو یا مخلوق کے کلام سے ایسی بات انتزاع کی ہو جو خالق کے حق کے سوا اور کسی کے لئے زیبا نہیں ہے مگر کفر و استخفاف اس سے مقصود و مراد نہ ہو اور نہ عملاً الحاد کے لئے کہا ہو اب اگر یہ بات اس سے بار بار صادر ہوئی اور وہ مشہور ہو گئی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے دین کے ساتھ استہزاء اور کھیل کرتا ہے اور اپنے رب ﷻ کی حرمت کا وہ استخفاف کرتا ہے اور وہ اس کی عزت و کبریائی کی عظمت سے جاہل ہے یہ بلاشبہ کفر ہے۔

اسی طرح اگر وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس سے اللہ رب العزت کا استخفاف اور تنقیص لازم آتی ہے۔ بلاشبہ ابن حبیب؛ اصبغ بن خلیل رحمہم اللہ نے جو قرطبہ کے فقہا میں سے ہیں (امیر قرطبہ) عجب کے برادرزادے کے قتل پر فتوی دیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ گھر سے نکلا اور بارش نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا:

بَدَأَ الْخَرَّازُ يَرُشُّ جُلُوْدَهٗ　　　یعنی جوتی گانٹھنے والا اپنی کھالیں نچوڑتا ظاہر ہوا۔

اور قرطبہ کے بعض فقہا مثلاً ابو زید صاحب ثمانیہ؛ عبدالاعلیٰ بن وہب اور ربان بن عیسیٰ رحمہم اللہ نے اس کے قتل میں توقف کیا اور اشارہ کیا کہ اس کا یہ کلام بے ہودہ ہے۔ اس میں صرف تادیب کافی

ہے۔ اسی کے مثل اس وقت کے قاضی موسیٰ ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا اس پر ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا خون میری گردن پر۔ کیا اس رب کو گالی دی جائے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں پھر اس کی حمایت نہ کی جائے اس وقت ہم کتنے برے بندے ہوں گے گویا ہم اس کی عبادت کرنے والے ہی نہ رہیں گے اور اس کے بعد وہ رونے لگے۔ یہ باتیں جب امیر قرطبیہ عبدالرحمٰن بن حکم کے پاس پہنچی چونکہ عجب اس کی چچی کا لڑکا تھا اور یہ قصوروار تھا۔ جب اسے فقہاء کا اختلاف معلوم ہوا تو اس نے ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی علماء کے فتوے کے بموجب عجب کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا اور ان دونوں فقیہہ کا سامنے اسے سولی دی گئی اور قاضی کو اس قصہ میں مداہنت کے الزام میں معزول کر دیا اور باقی فقہاء کو برا بھلا کہا گیا۔

لیکن جس شخص سے ایسی باتیں ایک دفعہ ہوئیں یا کبھی کبھی صادر ہوئیں تو جب تک اس میں تنقیص واہانت نہ ہو تو اسے صرف تادیب کی جائے اور بقدر مقتضائے کلام اور شناعت جرم اسے سزا دی جائے اور اس سے صورت حال اور وجہ مقال پہلے دریافت کی جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے استفسار کیا گیا جو کسی شخص کو اس کا نام لے کر پکار رہا تھا۔ اس پر اس نے جواب دیا لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ تو جواب میں فرمایا اگر وہ جاہل ہے یا اس نے بیوقوفی سے کہا ہے تو اسے کچھ نہیں ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی تشریح یہ ہے کہ اس پر قتل واجب نہیں ہے اور جاہل کو جھڑکا جائے اور بیوقوف کو سزا دی جائے اور اگر اس نے اپنے رب کے قائم مقام مان کر کہا ہے تو یقیناً کفر ہے۔ یہ ان کے کلام کا اقتضاء تھا۔

بلاشبہ نادان بیوقوف شعراء نے بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں اور وہ اس میں متہم ہیں اور ذات جبروت کی شان جلالت کو ہلکا سمجھا ہے۔ چونکہ وہ ایسے اشعار لائے ہیں جن سے ہم اپنی کتاب' زبان اور قلم کو بیان کرنے سے بچاتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے مسائل کی تصریح کا قصد کیا ہے جسے بیان کر رہے ہیں تو ہم کوئی شعر نقل نہ کرتے کیونکہ ان کا ذکر ہمیں گراں گزرتا ہے اور جسے ہم نے ان فصلوں میں بیان کیا۔ لیکن وہ اشعار جو اس بارے میں جاہلوں اور غلط گویوں سے صادر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ہیں جسے بعض بدویوں نے کہا ہے:

رَبُّ الْعِبَادِ مَا لَنَا وَمَالَكَا   قَدْ كُنْتَ تَسْقِيْنَا فَمَا بَدَالَكَا

أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ لَا أَبَا لَكَا

اے رب العباد ہمیں کیا ہوا اور تجھے کیا ہوا۔ تو تو ہمیں پانی پلاتا تھا اب تجھے کیا ہوا تو ہم پر بارش بھیج تیرا باپ نہ ہو۔

اس کی مثل بکثرت جہاں کا کلام ہے۔ جسے تازیانہ شریعت بھی سیدھا نہ کر سکا اس قسم کی باتیں انہیں سے صادر ہوتی ہیں جو جاہل یا کم علم ہیں۔ ان کی زجر و توبیخ لازمی ہے تا کہ دوبارہ وہ ایسی غلطی نہ کریں۔ ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیری کی باتیں ہیں اور اللہ ﷻ ان باتوں سے منزہ ہے اور ہم نے عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ ہر ایک تم میں سے اپنے رب ﷻ کی عظمت کا لحاظ رکھے۔ یہ نہ ہو کہ تم ہر شے میں اس کا نام لیتے رہو۔ یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ کتے کو اللہ ﷻ نے رسوا کیا اور اس نے ایسا کیا یا ویسا کیا اور ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کا نام بہت کم جگہوں پر لیتے تھے۔ بجز ان مواقع کے کہ جس کے ساتھ قربت و طاعت ہو وہ انسان کو یوں دعا دیتے تھے کہ تجھے جزائے خیر دی جائے۔ وہ بہت کم کہتے تھے کہ جَزَاکَ اللّٰهُ خَيْرًا یہ اسم جلالت کی تعظیم کے لئے تھا کہ صرف تقرب الٰہی کی جگہ اس کا نام لیا جائے اور ہم سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ امام ابوبکر الشاسی رحمۃ اللہ علیہ اہل کلام پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں بہت غور و خوض کرتے ہیں اور اس کی صفات کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ اللہ ﷻ کی عظمت و ہیبت ملحوظ رہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ ﷻ کے اسم جلالت کو بمنزلہ رومال (مندیل) استعمال کرتے ہیں اس باب میں جو کلام لایا گیا ہے وہ بمنزلہ ساب النبی ﷺ (نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے) کے ہے۔ جن کی ہم نے اس جگہ تفصیل بیان کی واللہ الموافق۔

ساتویں فصل

انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم

اب رہا اس شخص کا حکم جو تمام انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے یا جو وہ لائے ان کو جھٹلائے یا انکار کرے تو اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا جو ہمارے نبی ﷺ کا انکار یا استخفاف کرے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ. (پ ۶ النساء ۱۵۰)

وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے

رسولوں کو جدا کردیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اورفرمایا:

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ج لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ (پ۱ البقرہ۱۳۶)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیا گیا موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کئے گئے اور باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اورفرمایا:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف

سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول میں ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ (پ۳ البقرہ۲۸۵) (ترجمہ کنزالایمان)

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ابن قاسم، ابن ماحشون، ابن عبدالحکیم، اصبغ اور سحنون رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس نے تمام نبیوں کو یا کسی ایک نبی کو گالی دی یا تنقیص کی وہ قتل کردیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے اور جو ذمی ان کو گالی دے اسے بھی قتل کردیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا کہ جس یہودی یا نصرانی نے بغیر اس وجہ کے جس میں وہ کافر ہے نبیوں کو گالی دی تو اس کی گردن اڑا دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس اصول میں جو اختلاف ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی قرطبہ سعید بن سلیمان رحمہ اللہ کا قول ان کے بعض جوابات میں یہ ہے کہ جس نے اللہ ﷻ اور اس کے فرشتوں کو گالی دی وہ قتل کردیا جائے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے کسی ایک فرشتے کو گالی دی اس کا قتل واجب ہے۔

کتاب نوادر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے (معاذ اللہ) وحی میں خطا کی ہے اور یہ کہ دراصل نبی تو (معاذ اللہ) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔ اس

سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اسی کے مثل سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے یہ مقولہ روافض کے فرقۂ غرابیہ کا ہے ان کا غرابیہ اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ سے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کوے کی مانند مشابہ تھے جس طرح کوا' کوے کے مشابہ ہوتا ہے (نعوذ باللہ)

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے نبیوں میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا یا کسی ایک کی تنقیص کی یا ان سے برأت کا اظہار کیا تو وہ مرتد ہے۔

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے دوسرے سے کہا کہ اس کا چہرہ مالک علیہ السلام کی طرح غضبناک ہے۔ اگر اس سے اس کا قصد مالک علیہ السلام فرشتے (داروغہ جہنم) کی مذمت ہے تو قتل کر دیا جائے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور احکام اس کے لئے ہیں جو ان سب کے بارے میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی تمام فرشتوں' تمام نبیوں' یا کسی خاص کے بارے میں کہتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی جن کو اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا ہے۔ یا ہم کو اس کا علم خبر متواتر اور خبر مشہور' متفق علیہ سے جس پر اجماع قطعی ہو چکا ہو حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت جبریل' میکائیل' مالک' خازن (داروغہ جہنم و جنت) زبانیہ' حملۃ العرش' جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ فرشتے ہیں اور جن نبیوں اور فرشتوں کا ذکر قرآن میں ہے جیسے ملائکہ میں عزرائیل' اسرافیل' رضوان' حفظ' منکر اور نکیر علیہم السلام کہ یہ فرشتے ہیں جن کے خبر کی قبول کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

لیکن وہ فرشتے یا نبی جن کی تعیین و تخصیص پر اخبار ثابت نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے کہ وہ فرشتے یا نبی ہیں۔ جیسے ہاروت' ماروت' کا فرشتوں میں ہونا اور خضر لقمان' ذوالقرنین' مریم' آسیہ' خالد بن سنان جو کہ مذکور ہے کہ یہ نبی تھے جو اہل فارس اور زردشت کہ جس کی نسبت مجوس مورخ نبوت کے مدعی ہیں۔ تو ان لوگوں کو گالی دینے یا ان کا انکار کرنے میں وہ حکم نہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ ان کی ویسی حرمت ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کی تنقیص و ایذاء سائی پر جھڑکنا چاہئے اور ان کی تادیب ان کے مرتبہ عالی کے موافق جن کی شان میں یہ بات کہی گئی ہے' متکلم کو کرنی چاہئے۔

خاص کر ان حضرات کی تنقیص و ایذا پر ضرور تادیب کرنی چاہئے جن کی صدیقیت اور

افضلیت معروف ومشہور ہو اگرچہ ان کی نبوت ثابت نہ ہو اور رہا ان کی نبوت کا انکار یا کسی اور کے فرشتے ہونے کا انکار کرنا تو اگر منکر ومتکلم اس بارے ذی علم ہے تو مضائقہ نہیں ہے چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور اگر عوام الناس میں سے ہو تو اس میں چھان بین کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ پھر اگر دوبارہ کرے تو تادیب کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اس معاملہ میں ان کو کلام کرنے کا حق نہیں ہے اور سلف رحمہم اللہ نے تو ایسے امور میں بحث وکلام کرنے کو علماء کے لئے مکروہ جانا ہے جن سے کوئی عمل متعلق نہیں ہے بھلا پھر عوام کس گنتی میں۔

آٹھویں فصل

تحقیر واستخفافِ قرآن کا حکم

خبردار رہنا چاہئے کہ جو کوئی قرآن کریم یا مصحف شریف یا اس کے کسی جز کا استخفاف کرے یا ان دونوں کو گالی دے یا سب کا انکار کرے یا اس کے کسی جزو کا یا کسی آیت کا انکار کرے یا اس کی تکذیب کرے یا اس کے کسی ایسے حکم یا خبر کو جھٹلائے جس کی اس میں صراحت کی گئی ہے یا کسی ایسی شے کو ثابت کرے جس کی اس نے نفی کی ہے یا کسی ایسی شے کی نفی کرے جس کو اس نے ثابت کیا ہے اور وہ اس سے باخبر بھی ہو یا وہ ان امور میں سے کسی امر میں شک کرتا ہے تو اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ O لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ O (پ۲۴ حٰم السجدہ ۴۱-۴۲-۴۳)

بے شک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "بالاسناد" مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں شک یا جھگڑا کرنا کفر ہے[1] اور بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ جس مسلمان نے کتاب الٰہی کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہے[2] اور اسی طرح جس نے توریت وانجیل اور ان کتابوں کا انکار کیا جو اللہ ﷻ کی جانب سے نازل ہوئی ہیں یا وہ ان سے انکاری

۱۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۹، کتاب السنۃ

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الحد ود جلد ۲ صفحہ ۸۴۹

ہو یا ان کو لعنت کرے یا ان کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے تو وہ کافر ہو گیا۔

اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ قرآن جو روئے زمین میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو مصحف میں مکتوب موجود ہے جو مابین الدفتین ہے جس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے آخر سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس تک ہے یہی اللہ ﷻ کا کلام اور اس کی وحی (جلی) ہے جو ہمارے نبی برحق سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ تمام برحق ہے اور جو کوئی بھی اس میں سے ایک حرف کم کرے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف بدلے یا اس میں کوئی ایسا حرف شامل کرے جو اجماعی مصحف میں شامل نہیں ہے اور یہ حرف بالاجماع قرآن کا نہ ہو تو قصداً ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جو سیدنا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہتان کے ساتھ گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے قرآن کی مخالفت کی اور جو قرآن کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ اس امر کو جھٹلا رہا ہے جو قرآن میں ہے اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا تو اسے قتل کر دیا جائے یہی قول عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا کہ "معوذتین کتاب اللہ ﷻ کا جز نہیں ہے"۔ کہا کہ اس کی گردن ماردی جائے۔ مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو قرآن کی کسی ایک آیت کو جھٹلائے (اس کی بھی گردن مارنے کا حکم فرمایا)۔

اسی طرح اگر کسی گواہ نے کسی شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے کہا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا اور دوسرے نے اس کے خلاف گواہی دی کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا (تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے) اس لئے کہ یہ دونوں گواہ اس پر متفق ہوئے ہیں کہ ہر ایک نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی ہے۔

اور ابو عثمان حداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تمام اہل توحید کا اتفاق ہے کہ تنزیل (قرآن کریم) کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے اور ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتا تو وہ اس سے یہ نہ کہتے کہ جس قرأت میں تو نے پڑھا ہے یوں نہیں بلکہ یہ کہتے کہ میں تو ایسا پڑھتا ہوں۔ جب یہ بات ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (فقیہ) کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ سن لیا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا تو وہ کل قرآن کا کافر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے قرآن کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے پورے قرآن سے کفر کیا[1] اور اصبغ ابن الفرج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بعض قرآن کو

---

[1] مصنف عبدالرزاق کمافی مناہل الصفاء للسیوطی

جھٹلایا تو گویا اس نے کل قرآن کو جھٹلایا اور جس نے اس کو جھٹلایا بلاشبہ اس نے اس سے کفر کیا اور جس نے قرآن سے کفر کیا تو اس نے اللہ ﷻ سے کفر کیا۔

نیز کسی نے قابسی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہودی سے جھگڑ پڑتا تھا تو اس یہودی نے توریت کی قسم کھائی اس پر اس نے کہا کہ خدا ﷻ توریت پر لعنت کرے اس پر اس کے خلاف گواہی گزری پھر دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ اس نے اس سے اس قضیہ کو دریافت کیا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے تو یہود کے توریت کو لعنت کی ہے اس پر ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک گواہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے گواہ نے معاملہ کو ایسی صورت میں معلق کر دیا کہ وہ محتمل تاویل بن گیا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہود کو ان کی تبدیل و تحریف کے سبب اس توریت کا پابند ہی نہ جانتا ہو جو اللہ ﷻ کی جانب سے ہے ورا گر دونوں گواہ مجرد توریت کی لعنت کرنے پر متفق ہو جائے تو تاویل کی راہ تنگ ہو جاتی۔

بلاشبہ فقہائے بغداد نے مع مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (مشہور قاری) سے اتفاق کیا تھا کہ ابن شنبوذ قاری سے جو کہ بغداد کے قراء کا امام اور بغداد کا ساکن تھا توبہ لی جائے کیونکہ وہ ان حروف شاذہ کی قرأت جو قرآن سے نہیں ہیں خود بھی کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا تھا۔ چنانچہ سب نے اس سے عہد لیا کہ وہ اس سے رجوع و توبہ کرے اور ایک محضر نامہ تحریر کرایا جس پر اس نے اپنی گواہی وزیر ابوعلی بن مقلہ کے روبرو اس کی مجلس میں ثبت کی۔ یہ واقعہ ۳۲۳ھ کا ہے اور ان علماء میں جنہوں نے فتویٰ دیا ابوبکر ابہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی تھے۔

ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو سزا دینے کا فتویٰ دیا جو کسی بچے سے کہے کہ جو کچھ تو نے پڑھا اور جس نے تجھے جو پڑھایا اس پر خدا کی لعنت (پھر بطور تاویل) کہا میری مراد اس سے اس کی بے ادبی تھی۔ قرآن کی بے ادبی کرنا نہ تھا۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص قرآن پر لعنت کرے یقیناً اسے قتل کر دینا چاہئے۔

نویں فصل

اہل بیت نبوی' آل پاک' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام ؓ کو گالی دینے کا حکم

حضور سید عالم ﷺ کی اہل بیت اور آپ ﷺ کی آل پاک' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور وہ شخص ملعون ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ سے "بالاسناد" مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار خبردار میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو ان کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت

رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ میں محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی۔ جس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ گرفت میں آ ئے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۸۵)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میرے صحابہ کو گالی نہ دو جس نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ' فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ ﷻ اس سے نہ نفل قبول فرمائے گا اور نہ فرض اور ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو بلاشبہ آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو میرے صحابہ کو گالی دیں گے۔ تو تم نہ ان پر نماز پڑھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان سے شادی بیاہ کرنا اور نہ ان کے ساتھ مجالست کرنا۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرنا۔ نیز آپ نے فرمایا جو میرے صحابہ کو گالی دے تو اسے پیٹو۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ صحابہ کو گالی دینا اور ان کو ایذا پہنچانا آپ ہی کو گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے صحابہ کو ایذا دے کر دکھ نہ پہنچاؤ اور سیدنا فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا وہ میری لخت جگر ہیں۔ جس سے ان کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مجھ کو ایذا پہنچتی ہے۔

ایسے شخص کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس میں اجتہاد (قاضی وحاکم) اور دردناک سزا دینا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی قتل کر دیا جائے اور جو آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دے اسے سزا دی جائے۔

نیز فرمایا جس نے آپ ﷺ کے کسی صحابی کو گالی دی مثلاً سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر فاروق' سیدنا عثمان ذوالنورین' سیدنا امیر معاویہ یا سیدنا عمرو بن العاص ؓ۔ چنانچہ اگر وہ یہ کہے یہ سب ضلال پر تھے (معاذ اللہ) اور کفر کیا تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے جو لوگوں میں گالی مروج ہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے۔

ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شیعہ میں سے سیدنا عثمان ؓ کے بارے میں غلو کرے اور ان پر تبرا کرے تو اسے سخت تادیب کی جائے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بغض میں حد سے تجاوز کر جائے تو اسے خوب سخت سزا دی جائے اور بار بار ضرب شدید لگائی جائے اور قید طویل میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ سوائے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے کسی کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔

اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی ایک اصحاب نبوی کے ساتھ کفر و انکار کرے مثلاً سیدنا علی مرتضٰی یا سیدنا عثمان ذوالنورین وغیرہما ؓ تو اس کو دردناک مار لگائی جائے۔

ابو محمد بن ابی زید رحمہ اللہ بروایت سحنون رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں جو شخص سیدنا ابوبکر' عمر' عثمان

اور علی ﷺ کے بارے میں کہے کہ وہ کفر وضلال پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور جوان کے سوا کسی اور صحابی کو اسی کے مثل کہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے اور انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ جو سیدنا ابوبکر ﷺ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ فرمایا جس نے ان پر تہمت لگائی بلاشبہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ انہیں سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (پ۱۸ النور ۱۷)

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

جو شخص اس فرمانِ الٰہی کے بعد پھر وہی کہے تو بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔

ابوالحسن صقلی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن طیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں اُسے بیان فرمایا جو اس ذات باری سُبحانہٗ کی طرف مشرکین عرب منسوب کرتے تھے تو اللہ ﷻ نے بار بار اپنی تنزیہہ وتسبیح فرمائی جیسا کہ فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ. (پ۱۷ الانبیاء ۲۶)

بولے رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(اور یہ متعدد آیات میں مذکور ہے)

اسی طرح اللہ ﷻ نے اسے بھی بیان فرمایا جو منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے منسوب کیا تھا چنانچہ فرمایا:

وَلَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ. (پ۱۸ النور ۱۶)

اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں الٰہی پاکی ہے تجھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ اس آیت میں اللہ ﷻ نے ان کی برأت میں بھی اپنی ذات کریم کی ایسی ہی تنزیہہ کرتے وقت فرمائی تھی اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم فرمایا اس کے معنی یہ ہیں اللہ ﷻ ہی خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کو گالی دینے کو اتنا ہی بڑا (جرم) گردانا جتنا کہ اللہ ﷻ کو گالی دینا بڑا (جرم) ہے اور یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا یقیناً نبی کریم ﷺ ہی کو گالی دینا ہے اور آپ ﷺ کو گالی اور ایذا دینے کو اللہ ﷻ نے اپنی گالی اور ایذا دینے والے کے ساتھ ملایا ہے اور اللہ ﷻ کو گالی دینے والے کا حکم

قتل ہے اور یہی حکم قتل نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا ہے جیسا کہ گزشتہ میں بیان گزرا۔

کوفہ میں ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو وہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی (قاضی کوفہ) کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ گالی دیتے وقت کون موجود تھا؟ اس پر ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں موجود تھا تب قاضی کوفہ نے اسے کوڑے (حد قذف) لگوائے اور اس کا سر مونڈھ کر پچھنے لگانے والے کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبید اللہ بن عمر کو حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ (صحابی) پر گالی دینے کے الزام میں زبان کاٹنے کی نذر مانی۔ اس بارے میں کسی نے ان سے کلام کیا تو جواب دیا چھوڑ و کہ میں اس کی زبان قطع کردوں تا کہ آئندہ پھر وہ کسی صحابی نبی کو گالی نہ دے سکے۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد ۷ صفحہ ۱۸۰، تاریخ بغداد جلد ۸ صفحہ ۱۴۲)

ابوذر ہروی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بدوی لایا گیا جو انصار کی برائی کر رہا تھا فرمایا اگر وہ صحابی رسول نہ ہوتا تو تم کو میں ہی کافی تھا۔

(معجم کبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۳۔۳۸۲، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۴۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کسی صحابی کی تنقیص کرے تو اس کا فئے میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے فئے یعنی مال غنیمت کی تین قسمیں کی ہیں۔ فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ. (پ ۲۸ الحشر ۸) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ. اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا۔ (پ ۲۸ الحشر ۹) (ترجمہ کنز الایمان)

یہ حضرات انصار ہی ہیں۔ پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ م بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ. (پ ۲۸ الحشر ۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا جو ان کی تنقیص کرے تو اس کے لئے مسلمانوں کے مال غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے۔

کتاب ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جو کوئی کسی صحابی کے بارے میں کہے کہ وہ زانیہ کا بیٹا ہے اور اس کی ماں مسلمان ہے تو اس کو حد (قذف) لگائی جائے اور بعض مالکیوں کے نزدیک اس پر دو حدیں ہیں ایک اس صحابی کے سبب دوسرے اس کی ماں کے سبب۔ لیکن میرے نزدیک یوں نہیں ہے بلکہ وہ شخص اس کی مانند ہے جو ایک جماعت پر ایک کلمہ میں تہمت لگائے (کہ اس پر ایک ہی حد ہے)

ہم صحابی کو اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ ایک تو وہ دوسرے مسلمان کے مقابل صاحبِ فضیلت ہیں دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں نیز کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی صحابی کی والدہ پر تہمت لگائے کہ وہ کافرہ ہے تو اس پر تہمت کی حد جاری کی جائے۔ اس لئے کہ یہ ان کی گالی ہے کیونکہ اگر کوئی اُن صحابہ میں سے ان کا لڑکا زندہ ہوتا تو وہ اپنے اس حق کا دعویدار ہوتا۔ اب تمام مسلمان اس کے قائم مقام ہیں تو جو کوئی مسلمان مطالبہ کرے گا تو امام و حاکم پر قیام حکم اور سماعت استغاثہ واجب ہے۔ نیز کہا کہ یہ معاملہ اور لوگوں کی مانند نہیں ہے کیونکہ صحابہ کی حرمت نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے اور اگر کسی امام و حاکم نے خود سنا اور وہ خود گواہ ہے تو وہی اس پر حد قائم کرنے کا ولی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی دوسری زوجۂ رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی حرم مطہرہ کو گالی دے کر آپ ﷺ کو گالی دی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا معاملہ تمام صحابہ کی مانند ہے۔ لہٰذا اس پر حد قذف میں کوڑے لگائے جائیں نیز انہوں نے کہا کہ پہلے قول پر کہتا ہوں کہ ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کی جس نے نبی کریم ﷺ کے کسی اہل بیت کو گالی دی تھی کہ اسے خوب مار لگائی جائے جس سے اسے تکلیف ہو اور اسکی توبہ ظاہر ہو اس لئے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے اور ابو مطرف شعبی رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ مالقہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے رات کے وقت عورت سے حلف لینے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی بھی ہو تو دن ہی میں ان سے بھی حلف لیا جاتا اور بعض ان لوگوں نے جو فقیہہ کہلاتے ہیں اسکے اس قول کی تصویب کی تھی مگر ابو المطرف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا اس موقعہ پر ذکر کرنا (استخفاف ہے) لہٰذا اس پر ضرب شدید اور قید طویل واجب اور وہ فقیہہ جس نے اس کے اس قول کی تصویب کی تھی وہ اس قابل ہے کہ فقیہہ کے بالمقابل اسے فاسق کہا جائے پھر وہ ان کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس کو خوب جھڑکا اور آئندہ اس کا فتویٰ اور اس کی شہادت نا قابل قبول قرار دے دی کیونکہ اس کا اس میں مجروح ہونا اور بغض فی اللہ ہونا ثابت ہو گیا تھا۔

ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے کہا اگر میرے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شہادت دیں (تو کیا ہے) تو اس سے اس نے ان کی شہادت مراد لی ہے۔ یعنی یہ ایسی شہادت ہے جو مثل ایک شہادت کے ہے جو اس معاملہ میں ایک پر حکم دینا جائز نہیں تو اس کہنے اور مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے اس کے سوا کچھ اور مراد لیا مثلاً تنقیص و اہانت وغیرہ تو

اسے خوب مارلگائی جائے۔ یہ کہ وہ ادھ مرا ہو جائے۔ اسے از راہ روایت و حکایت بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جس تحریر کا ارادہ کیا تھا اس میں ہمارے کلام کی یہاں انتہی ہے اور ہماری وہ غرض بھی پوری ہو گئی جس کا ہم نے قصد کیا تھا اور وہ شرط بھی مکمل ہو گئی جو ہمارا مدعا تھا اور جس کی آرزو تھی کہ اس کی ہر قسم کی خواہش مند کے لئے صاف صاف ہو اور ہر باب، مقصود میں بطریق حجت واضحہ ہو۔

بلاشبہ میں نے اس میں وہ نکات نادرہ بیان کئے ہیں جو نہایت عجیب و غریب اور بدیع ہیں اور میں نے وہ اسلوب تحقیق اختیار کیا ہے جو اس سے پہلے اکثر تصانیف میں پسند کیا گیا۔ جسے بکثرت فصلوں میں ودیعت کیا گیا ہے۔ مجھے وہ شخص نہایت ہی محبوب ہوتا اگر وہ مجھ سے پہلے اس کلام کو شرح وبسط کے ساتھ جمع کرتا ہوا یا کوئی ایسا مقتدا و رہنما میسر آتا جو ایسے ارشادات سے مجھے فائدہ پہنچاتا تا کہ اس کی روایت پر اپنی روایت کو محمول کر لینا کافی ہوتا جسے میں بیان کر کے خود متکفل ہوا ہوں۔

اور اللہ ﷻ ہی سے میری التجا ہے کہ وہ میری اس چیز کو قبول اور اپنی رضا کے ساتھ خاص فرمائے۔ جس کے ساتھ اس نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو اس میں بناوٹ اور تصنع ہے اسے معاف فرمائے اور اپنے جمیل کرم و عفو سے ہمارے لئے اسے بخشدے۔ اس لئے جو کچھ ہم نے اس میں قلم بند کیا ہے وہ تیرے برگزیدہ اور حامل وحی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شرافت و بزرگی میں ہے اور آپ ﷺ ہی کے فضائل حمیدہ کے تتبع کے لئے آنکھوں کو بیدار رکھا ہے اور آپ ﷺ ہی کے خصائص جلیلہ اور وسائل قویہ کے اظہار و بیان کے لئے اپنے دل و دماغ سے کام لیا ہے اور ہمارے تن من کو اپنی بھڑکتی ہوئی آگ سے مامون و مصون رکھے۔ اس لئے کہ ہم نے آپ ﷺ کی عزت و کرم کی حمایت کی ہے۔

اے خدا ہم کو اس زمرۂ صلحاء میں شامل فرما جو حضور کے حوض سے نہ دور کئے جائیں گے جب کہ دین میں تغیر و تبدل کرنے والے وہاں سے دھتکارے جائیں گے۔

اے خدا ہمارے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو اس کتاب کی کتابت (شائع) کرے اور اس سے فیض حاصل کرے ایسا سبب اور ذخیرہ بنادے جو ہم کو اس کے اسباب موصلہ کی جانب واصل کر دے۔ جسے ہم اس دن پائیں جس دن ہر جاندار اپنے عمل خیر کو موجود پائے گا۔ اسی سے ہم تیری رضا کے طلب گار ہیں اور تیرے اجر کے خواہش مند اور ہمیں ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی جماعت کے زمرہ میں خاص فرما اور ہمارا حشر جماعت اولی اور ان لوگوں کے ساتھ ہو جو حضور ﷺ کی شفاعت سے محفوظ و مامون دروازے والے ہیں۔ آمین۔

ہم اللہ ﷻ کی حمد اس پر کرتے ہیں کہ اس نے اس کتاب کے جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جن حقائق کو ہم نے اس میں درج کیا ہے ان کے ادراک و فہم کے لئے ہماری بصیرت کو منکشف فرمایا

اور ہم اللہ ﷻ کے ساتھ ایسی دعا سے جو مسموع نہ ہو اور ایسے علم کے جو نفع نہ دے اور ایسے عمل سے جو قبول نہ کیا جائے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ بڑا ہی بخشش والا ہے کہ کسی امیدوار کو نامراد نہیں رکھتا اور جسے وہ رسوا کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔ وہ طالبین کی دعا کو رد نہیں کرتا اور نہ وہ مفسدوں کے عمل کی اصلاح کرتا ہے۔

وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْل وَصَلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. بِحَمْدِهٖ تَعَالٰى وَاِحْسَانِهٖ.

تمت بالخیر

بعونہ تعالیٰ وبکرمہ ترجمہ کتاب مستطاب اَلشِّفَاء بِتَعْرِيْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰى (صلوات اللہ ﷺ وسلامہ علیہ) مسمی باسم تاریخی نعیم العطاء فی حدیث المجتبیٰ (۱۳۷۹ھ) آج بتاریخ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۰ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عشاء ۹ بجے اختتام پذیر ہوا۔ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ مَوْلٰى سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى اپنے فضل و کرم سے اسے مقبول اور مفید عام و خاص فرمائے اور ہمارے لئے حضرت علامہ صاحب تصنیف ہذا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کو قبول فرمائے۔ میرے اور میرے والدین' مشائخ واساتذہ بالخصوص سیدی واستاذی' مرشدی ومولائی صدر الافاضل استاذ العلماء سلطان العلوم حضرت مولانا مفتی حکیم حافظ سید محمد نعیم الدین صاحب جلالی مرادآبادی قدس سرہ السامی کو اس کے اجر و ثواب سے بہرہ یاب کرے۔ آمین۔

بِجَاهِ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلٰوٰتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ.

غلام معین الدین نعیمی

سواد اعظم، لاہور

فهرس المصادر

الآداب	للبيهقى	دار الكتب العلمية. بيروت
الأدب المفرد	للبخارى	عالم الكتب. بيروت
إيضاح المكنون	إسماعيل باشا	دارالفكر. بيروت
البداية والنهاية	لابن كثير	دارالكتب العلمية. بيروت
البدر الطالع	للشوكانى	دارالمعرفة. بيروت
تاريخ بغداد	للخطيب البغدادى	المكتبة السلفية
تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف	المزى	المكتب الإسلامى
تذكرة الحفاظ	السيوطى	دار احياء التراث. بيروت
تفسير ابن جرير	لابن جرير الطبرى	دارالمعرفة. بيروت
حسن المحاضرة	للسيوطى	عيسى البابى. القاهرة
حلية الأولياء	لابن نعيم	دارالكتاب العربى. بيروت
الدر المنثور	للسيوطى	دارالفكر. بيروت
الديباج المذهب	لابن فرحون	دارالكتب العلمية. بيروت
دلائل النبوة	لابى نعيم	دارالنفائس. بيروت
دلائل النبوة	للبيهقى	دارالكتب العلمية. بيروت
الزهد	لأحمد بن حنبل	دارالكتب العلمية. بيروت
سنن ابن ماجة	لابن ماجة	دار احياء التراث. بيروت
سنن ابى داود	لابى داود السجستانى	دارالكتاب العربى. بيروت
سنن البيهقى	للبيهقى	دارالفكر. بيروت
سنن الترمذى	للترمذى	دارالفكر. بيروت
سنن الدارقطنى	للدار قطنى	عالم الكتب. بيروت
سنن الدارمى	للدارمى	دارالكتب العلمية. بيروت
سنن النسائى	للنسائى	فهرسة عبد الفتاح ابو غدة
شذرات الذهب	لابن العماد	دارالميسرة. بيروت
الشفا	للقاضى عياض	مؤسسة علوم القرآن
الشمائل	للترمذى	جدة